

ایکس سیتا پوری کی منتخب تاریخی کہانیاں

# عائد کا خدا

PDFBOOKSFREE.PK

ایکس سیتا پوری

## نلاش صفا

۱۳

ایک نوجوان صوفی نے عوکیٹ کے جبروت شہد سے  
دل برداشتہ ہو کر گوشہ نشینی اختیار کی حتیٰ کہ اپنے اور کہاں ہے!  
اس فکر اور جستجو میں اس کو ہلکتے تھے قیامت سے گزرنا پڑا۔ اس  
نئے سیاحت کے واسطے میں پناہ دینی چاہی تو عوکیٹ نہیں اور تارک صغیر  
راہبوں نے اس کو تیار کر عوکیٹ صغیر کی جڑ سے۔ وہ وہاں سے  
غیر مطمئن اور دل برداشتہ اسد م کی طرف واپس آیا تو معلوم ہوا کہ  
عوکیٹ اور مرد ایک دوسرے کے لباس میں سے چارہ سونکی اثبات اور  
نفی کے دور اپنے پر تماشا بن گیا۔ پھر عوکیٹ نے ایک عیسائی عوکیٹ کو  
کو ملا کر اس دہلیش کے ساتھ ایک دلچسپ مگر عجیب الیگزمنٹری مذاق کیا  
ان واقعات کو جب ایکسپس پشاپوری کے جادوگر رستہ نے دیکھا  
کی تکلیف میں کاغذ پر منتقل کیا تو ایک عیسائی اور تارک صغیر کی

## سیکراٹ

۸۳

اٹھارویں صدی عیسوی کے دوسرے نصف میں عرب  
انگریز تاجروں نے ہندوستان کے حکمران بننے کا خواب دیکھنا  
شروع کیا تو ان کا پہلا شکار نواب سسران ہمدرد ہوا۔ اس نوجوان  
اور تاجر بہادر نواب کو زبردستی کے لیے سفید فام جدیدی چاہروں نے  
کون کون سے حربے استعمال کیے وہ گانوں اور بیگانوں کی سرانجاموں  
اور قہرانیوں کی خوبصورت کہانی۔ صرتا پانچس اور انڈول تاجروں  
تکلیف کی چادوگری کا شاندار موقع۔ اس عہد کے قادیان و تھان کی ایک  
خوبصورت تصویر۔ وہ سب کچھ جو ایک قادیان کی کہانی میں چاہتا ہے

## داسکھان

۱۴۱

تاریخ اسلام کے قادیان و جابر جہان، من و عوکیٹ کی تسمیہ  
تصویر۔ اس کا نام عوکیٹ اور دہشت کا پیغام تھا، بڑے بڑے  
سرکشیوں اور بہادریوں کو لرزہ پڑا نام کر دینے والے سفید فام  
کا جب ایک عورت سے واسطہ پڑا اور یہ پھر اس کے شیشے سے  
نکرا یا تو پھر پاش پاش ہو گیا۔ دہشت، عوکیٹ، عوکیٹ اور دہشت  
کا ایک خوبصورت ترسناک عنوان

## چاند کا خدا

۱۸۳

صدی چہاسی کے عہد کی داستان قند و نثار  
اس نے اوسیت کا دھڑے کیا اور اپنے آس پاس سارا  
لوہ مقہورین کا ایک شہر آباد کر دیا۔ پھر اس شہر کے لیے اس  
نے چاند قلیق کیا۔ جو ہر روز شام کو طلوع ہو کر صبح غروب ہو جاتا  
دھب اور جبروت الیگزمنٹری داستان، ایک عوکیٹ اور  
من و عوکیٹ کے ساتھ





شیان نے جس ماحول میں آنکھ کھولی تھی، وہ بڑے خون خرابے اور جبر و  
 تشدد کا ماحول تھا، اس کا خاندان بنو امیہ کی خدمت کرتا چلا آیا تھا۔ دادا، نانا پچا،  
 باوا میں سے ہر ایک نے خلفائے بنو امیہ کی نوکری کی تھی، اور ان میں سے ہر ایک نے  
 خاصی دولت بھی کمائی تھی، ہر ایک کا اثر و رسوخ بھی بہت زیادہ تھا اور ہر ایک کو  
 معاشرے میں عزت اور احترام کا ایک خاص مقام بھی حاصل رہا تھا، لیکن ان عزت افزائیوں  
 کے پیچھے ایک المیہ بھی مستقل کا درخشاں تھا۔ اسے اچھی طرح معلوم تھا کہ اس کے تمام نامی گرامی  
 بزرگ اپنی طبعی موت نہیں مرے تھے بلکہ انہیں مختلف اوقات میں اور مختلف الزامات  
 میں قتل کر دیا گیا تھا، خلفائے ارد گرد خوشامدی، حاسد، زمانہ ساز، موقع پرست اور  
 سفاک اہل ہمشہ اور ہر وقت اس تاک میں رہتے کہ کب کوئی اچھا موقع ہاتھ آئے اور  
 وہ اپنے حریف امر کو مچھلنے لگوادیں، معتب امر کو نہ صرف قتل کر دیا جاتا بلکہ جرم نے  
 کے نام پر ان سے گمراہ قہر اور خطر میں بھی حاصل کی جاتیں، ان کی جائیداد اور اثاثے بحق  
 خلافت ضبط کر لئے جاتے اور بعض حالتوں میں ان کے پسماندگان کو ردیوں تک کے لالے  
 پر جلاتے۔ شیان نے ہوش سنبھالنے کے بعد یہی رواج درسا مناظر دیکھے اور سنے تھے۔ اسے  
 اچھی طرح یاد تھا کہ بار بار اس کے عزیزوں رشتے دار دلتے دربار سے اعلیٰ عہدے اور  
 مناصب حاصل کر کے خوشیاں منائی تھیں اور ان گھروں سے خوشیوں اور شادمانیوں کے  
 قہقہے گونجتے سنے تھے لیکن بعد میں انہی گھروں سے نالہ و شہوان اور گریہ و ہلکا کی صدا تیں  
 بھی سنی تھیں۔ وہ اپنے سینے میں ایک حساس دل رکھتا تھا، چنانچہ جوان ہوتے ہوتے  
 دیباہ اور خلافت کے نام سے اسے خوف آئے لگا، اس کا باپ سعید خلافت کے مافی المنصب  
 پر فائز تھا، لیکن کسی بھول چوک کے جرم میں اسے نہ صرف ملائمت سے سبکدوش کر دیا گیا  
 بلکہ قتل بھی کر دیا گیا اور دس ہزار دینار جرمانے کے نام پر بھی وصول کر لئے گئے۔ باپ

راہبوں نے اس کو بتایا کہ عورت معصیت کی جڑ ہے۔ وہ وہاں سے  
 غیر مطمئن اور دل برداشتہ اسلام کی طرف واپس آئے تو معلوم ہوا کہ  
 عورت اور مرد ایک دوسرے کے لباس پہننے کے چارہ مٹائی اثبات  
 نفی کے دور اسے پریشان کیا۔ پھر ملکیت نے ایک حسین عورت کو  
 کو ملا کر اس درویش کے ساتھ ایک دلچسپ مگر عبت انگیز عملی مذاقی کیا  
 ان واقعات کو جب ایسی سیٹا پوری کے جادو نگار مسلم نے داستان  
 کی شکل میں کاغذ پر منتقل کیا تو ایک حسین اور لازوال کہانی وجود میں آئی



تو اس کا ان سے دل پڑا ہوا گیا اور وہ پارسا فقراء کی طرف چلا گیا، ان فقراء نے اسے بتایا کہ پوری کائنات میں ازل سے دو طاقتیں برسرِ پیکار ہیں، ان میں سے ایک نور ہے اور دوسری تاریکی وہ نور کوہِ زوال اور تاریکی کو اہرمن کہتے تھے۔ پارسا فقراء کی بنیادی تعلیم نے اسے بہت مالوس اور دل برداشتہ کر دیا۔ اس نے ایک معزز اور مٹھیٹ مسلم گھرانے میں آنکھ کھولی تھی اور خدا کی آخری کتاب میں یہ پڑھا تھا کہ اللہ نور السموات والارض والذین دانتہ زمیون اور اسمائون کا نور ہے، اور اس نور کو کائنات کی سب سے اعلیٰ و ارفع ذات اور قوت قرار دیا گیا تھا، اس ذات کے علاوہ ایک دوسری ذات بھی تھی جسے ابلیس کہا جاتا تھا۔ اور جو اس بڑی اور سب سے زیادہ طاقت و ذات کا ملعون، مقہور اور معتب تھا۔ لہذا ابلیس کو خدا کا ہم پلہ قرار دینا عقل اور عقیدے کے فتور کے سوا کچھ اور نہیں قرار دیا جاسکتا، وہ پارسا فقراء سے بھی بدگمان ہو گیا اور مسیحی خائفانہوں کا رخ کیا۔ وہ ایک بے ڈول، بے ڈھنگی سی خائفانہ کے دروازے پر کھڑا ہو گیا۔ یہ خائفانہ اندر سے بند تھی اس نے کئی جھڑپوں اور درزدوں سے جب جھلکنے کی کوشش کی تو اندازہ ہوا کہ ان جھڑپوں اور درزدوں کو کچھ سے بھی بھڑدوں اور درختوں کی چھالوں سے بند کر دیا گیا ہے جس سے اندر کی کوئی چیز دیکھی نہیں جاسکتی تھی۔ جب وہ اندر کا کچھ دیکھ نہیں سکا تو مجبوراً آہستہ آہستہ دروازے کو تھپتھپایا اور دروازہ کھلنے کا انتظار کرنے لگا کچھ دیر بعد کسی نے ایک چھری کو صاف کر کے اپنی ایک آنکھ اس پر لگا دی۔ شبان نے پھر دستک دی اندر سے کسی نے پوچھا۔ "کون ہے اور یہاں کیا لینے آیا ہے؟" شبان نے جواب دیا۔ "میں حق کا متلاشی ہوں اور روحانی سکون کی تلاش میں نکلا ہوں۔"

اندر سے پھر کسی نے سوال کیا۔ "تیرے ساتھ کوئی عورت تو نہیں ہے؟" شبان نے جواب دیا۔ "میرے ساتھ نہ تو کوئی عورت ہے نہ مرد، میں تنہا ہوں؟ اندر سے ہدایت ملی۔ "دروازے کے داہنی طرف دیوار پر کچھ لکھا ہوا ہے، کیا تو نے اسے پڑھ لیا؟" وہ یہ بتا کہ تو اس سے کس حد تک متفق ہے؟" شبان نے داہنی طرف کی دیوار کی طرف جاتے ہوئے کہا۔ "میں نے وہ عبارت نہیں پڑھی، ابھی پڑھ کر بتاتا ہوں کہ میں اس سے کس حد تک متفق ہوں؟" شبان نے دیکھا داہنی طرف دیوار کے ایک پتھر پر کدہ تھا۔ "راہب! حذر کرو! درجہ عتوں کی قربت سے، ایک عورتوں سے دوسرے

کے قتل کے بعد شیبان کے پاؤں تلے سے زمین کھسکنے لگی۔ گھر میں جو کچھ باقی بچا تھا، اس سے دو ڈیڑھ سال کا خرمچ چل گیا۔ دربارِ خلافت کے بلاوے کے پیغام کے ساتھ اسے حکم ملا کہ اگر وہ چاہے تو اپنے باپ کی جگہ حاصل کرے۔ گھر میں بوڑھی ماں کے علاوہ کوئی بھی نہ تھا، اس لئے اس نے صاف صاف کہہ دیا کہ وہ خلافت کی ملازمت نہیں کرے گا۔ ماں نے ہمت بندھائی کہ جس موت سے وہ خوفزدہ ہو کر جاہ و منصب سے متہ پھرتا کم ہمتی کسی طرح آتی ہی ہے اس لئے اس سے خوفزدہ ہو کر جاہ و منصب سے متہ پھرتا کم ہمتی اور بزدلی ہے لیکن ماں کی نصیحتوں کا شیبان پر کوئی اثر نہ ہوا اور وہ دمشق کے شمال مغرب میں پھیلے ہوئے اس پہاڑی سلسلے میں چلا گیا جو جبالِ لبنان کہلاتے ہیں اور جو جنوب مشرق میں عتے سے شروع ہو کر مدینے سے گزر کر فلسطین اور شام کو پہنچے چھوڑتے ایسا تھے کوچک میں داخل ہو گئے ہیں۔ ان پہاڑی سلسلوں میں وہ لوگ آباد تھے جنہیں دنیا پسند نہیں آتی تھی اور جو دنیا کی کشائشوں اور غلاظتوں سے تنگ آکر روحانی جلا اور سکون کی خاطر پہاڑی غاروں میں جا چھپے تھے۔ ان تارک الدنیا لوگوں میں مسلمان، مسیحی اور پارسی بھی شامل تھے۔ شبان درویش بن گیا اور فقر و فاقے کی زندگی اختیار کی۔ یہاں غاروں کے علاوہ دیران مگر سرسبز و شاداب پہاڑی ڈھلانوں اور سطح حصوں میں سر کی اور ارد لکڑی کی کٹیا بنی ہوئی تھیں، ان کے علاوہ مسیحی راہبوں اور گوشہ نشینوں نے پتھر کے ٹکڑوں کو تلے اوپر رکھ کر تجربے اور خانقاہیں تعمیر کر لی تھیں اور ان میں مضبوط دروازے لگا کر جہت محفوظ کر لیا تھا۔ خانقاہوں کے دروازے اسے مضبوط تھے کہ اگر ان کو اندر سے بند کر لیا جاتا تو باہر کا آدمی کسی طرح اندر داخل نہیں ہو سکتا تھا۔

شبان درویشوں اور گوشہ نشینوں کی اس کوہستانی بستی میں کسی ایسے درویش کی تلاش میں تھا، جو روحانی کمالات میں یکتا اور بقیہ دوسروں پر فوقیت رکھتا ہو یہاں اس نے مذہب و ملت کی قید بھی ختم کر دی تھی اور وہ ہر اس درویش کی فریدی اختیار کرنے پر آمادہ تھا جو اس کے قلب اور روح کو مطمئن کر دے۔ وہ مسلمان فقراء سے ملا اور ان کے ارد گرد مریدوں کا ہجوم دیکھ کر بہت مالوس ہوا، اس ہجوم میں مرد بھی ہوتے اور عورتیں بھی۔ شبان ان فقراء سے بہت مالوس ہوا اور اس نے اپنے دل میں سوچا کہ یہ کیسے تارک الدنیا ہیں جن کے آس پاس دنیا کا ہجوم لگا رہتا ہے۔ ان فقراء کا کہنا ہے کہ وہ کائنات کی ہر شے میں نور الہی دیکھ رہے ہیں، اس لئے وہ دنیا کو ترک کر دینے کے باوجود ازل سے نور کے اس مرکز سے جو مخلوق کو ملاتی ہے، منہ نہیں موڑ سکتے۔ شبان نے بعض فقراء کو عورتوں کی طرف راغب دیکھا



پادریوں سے

اس نے دروازے کو تھپتھپا کر جواب دیا۔ "محترم راہب! نہ تو میں عورت اور نہ ہی پادری، مجھے تو اندر آنے دیجئے۔"

دوسرے ہی لمحے دروازہ کھل گیا اور شیبان کا ایک چالیس بیالیس سالہ راہب نے افسردگی سے استقبال کیا، بولا۔ "نزد اندر آ جاؤ تاکہ میں خانقاہ کے دروازے اندر سے بند کر لوں۔"

شیبان جیسے ہی اندر داخل ہوا، راہب نے دروازے بند کر لئے۔

خانقاہ کی فصاحت عیب سیلی سیلی تھی۔ چاروں طرف سے بند ہونے کی وجہ سے شیبان کو اندھیرے میں کچھ دکھائی نہ دیا۔ وہ راہب کے پیچھے چلتا ہوا خانقاہ کے آخری سرے تک پہنچ گیا۔ یہ کوئی گشت وہ جگہ نہیں تھی تقریباً تیس پچھتر چوڑی اور چالیس پانچ لمبی خانقاہ کے ایک طاق میں زمینوں کے تیل کا چراغ روشن تھا، چھت کے پنجے میں لمبا لیٹے دو موٹی بلیاں رکھ کر ان پر دو دنوں طرف ڈھلوان لکڑیاں بچھا کر گھاس پھوس سے پاٹ دیا گیا پٹائی اتنے بے ڈھنگے انداز سے کی گئی تھی کہ کہیں کہیں سے آسمان صاف دکھائی دیتا تھا۔ گونے میں عود دان سے دھواں اٹھ رہا تھا، جس سے خانقاہ کی فصاحت روحانی اور پرامردہ گئی تھی۔ سامنے کی دیوار پر چند تصویروں بنی ہوئی تھیں، ان میں سے ایک میں حضرت مرزا اپنے بیٹے کو گود میں لئے ہوئے بڑی محبت سے انہیں دیکھ رہی تھیں۔ دوسری میں حضرت مسیح کو صلیب پر لٹکایا گیا تھا، ان تصویروں کے سامنے ایک اور شخص سجدے میں پڑا ہوا تھا۔ اس کے ساکن و صامت ہونے کی وجہ سے شیبان کو یہ شبہ گزرا کہ شاید وہ سویا ہوا راہب نے شیبان کے لئے ایک صاف ستھری مگر بوسیدہ سی چادر بچھادی، پر بیٹھنے کا اشارہ کیا اور پوچھا۔ "بیمار جا میرے بچے اور تاکہ تو یہاں کیوں آیا ہے؟"

شیبان نے بیٹھتے ہوئے جواب دیا۔ "محترم راہب! میں سکون کی تلاش میں آوارہ سرگرداں رہا ہوں، میں مسلمان فقراء کے حیروں میں گیا لیکن وہاں عورتوں اور مردوں کا ہجوم دیکھا کہ ترک دنیا کا مفہوم ہی سمجھ میں نہ آیا۔ وہاں سے مجوسیوں کے خلوت کد میں گیا اور ان کے عقیدے کی اس بات نے یزاد اور برگشتہ کر دیا کہ یزداں کے مقابل ایک اہم بھی ہے اور یہ دونوں ایک دوسرے سے برسر پیکار ہیں۔ مقدس راہب! یہ بات سمجھ میں نہیں آئی کہ اس دنیا اور اس کائنات میں کوئی ایسی طاقت بھی ہے جو خدا کے مقابل یا ہم پلہ ہو۔"

راہب نے پوچھا۔ "پھر تو یہاں کیا لینے آیا ہے؟"

شیبان نے جواب دیا۔ "میں ایک غمزدہ انسان ہوں اور سکون کی تلاش میں مارا مارا پھر رہا ہوں، کیا یہاں اس خانقاہ میں میری روحانی تربیت ہو سکتی ہے؟"

راہب کے افسردہ اور اداس چہرے پر مسکراہٹ سے تازگی پیدا ہو گئی، بولا۔ "کیوں نہیں میرے بچے! ہم سب روحانی سکون کے متلاشی ہیں، جو ڈھونڈے گا ضرور پائے۔" پھر پوچھا۔ "تجھے بھوک تو نہیں لگ رہی ہے؟"

شیبان نے جواب دیا۔ "میں مجھے بھوک نہیں ہے۔"

دوسرے راہب نے بھرتے سے سر اٹھایا اور شیبان سے اس طرح مزاح پرسی کی گویا دونوں ایک دوسرے سے بہت غرض سے واقف ہیں۔ ان دونوں نے شیبان سے اس وقت تفصیلی بات نہیں کی بلکہ اس پر آمادہ کیا کہ وہ دونوں کے ساتھ کچھ عرصے رہے اسے خود ہی محسوس ہونے لگے گا کہ یہاں سکون ہی سکون ہے۔ اور ترک آمد اور ترک خوشی ہی سے طمانیت اور سکون حاصل کیا جاسکتا ہے۔ شیبان ان دونوں کے ساتھ رہنے لگا، ان دونوں کے پاس کبھی کبھی نوحی بیسیوں کے وہ بھولے بھٹا کا شکار اور بلیان آجاتے جن کی نظر میں یہ دونوں بہت ہی مقدس اور لائق تعظیم تھے۔ یہ لوگ آتے تو اپنے ساتھ خشک سبزیاں اور پھل وغیرہ لے لیتے۔ یہ دونوں انہی کا شکاروں اور اغیاروں کے دم دکر مر رہے تھے۔ اس دیران اور اجڑے خانقاہ میں وہ کریشیان بہت جلد بڑا ہو گیا۔ یہاں اسے ہر وقت ہی تعلیم دی جاتی کہ عورت معصیت کی جڑ ہے اور اس پر نظر ڈالنے سے بھی آدمی گناہگار ہو جاتا ہے۔ شیبان کی بے چین اور خجستہ طبیعت ان دونوں کی اس تعلیم سے مطمئن نہیں ہوتی کہ کوئی شخص عورت کو محض دیکھ کر ہی گناہگار ہو سکتا ہے۔ اس کے ذہن میں یہ اعتراض پیدا ہو گیا تھا مگر اس نے ان دونوں کے سامنے اس کا اظہار نہیں کیا تھا، ابھی تک ان دونوں راہبوں نے اس سے یہ نہیں کہا تھا کہ وہ اسلام ترک کر دے لیکن ان کے ذہنوں میں یہ بات موجود ضرور تھی کہ شیبان کو دائرہ اسلام سے نکال کر سلف مسیحیت میں داخل کر لیا جائے۔ وہ دونوں ایک ایسے موق کی تلاش میں تھے جب وہ شیبان سے مسیحیت اور اسلام پر بات کریں۔

شیبان کا جب کبھی دل گھبراتا تو وہ خانقاہ سے نکل کر اونچی اونچی سرسبز پہاڑیوں میں نکل جاتا اور حسین قدرتی مناظر سے دل بہلاتا رہتا۔ اسے ہر چیز میں خالق حقیقی کا عکس نظر آتا کبھی کبھی اپنی ماں کا خیال بھی آ جاتا ہے۔ اور اس خیال کے ساتھ ہی جب اسے اپنے بزرگ راہبوں کا یہ قول یاد آتا کہ عورت معصیت کی جڑ ہے اور اس پر نظر ڈالنے سے بھی آدمی گناہگار ہو جاتا ہے۔ تو وہ اس خانقاہ سے بھی یزاد ہو جاتا۔ وہ سوچتا آخراں بھی



تو عورت ہی ہوتی ہے۔ کیا ماں کو دیکھنا بھی انسان کو گناہگار کر سکتا ہے؟ ابھی وہ اسی ادنیٰ میں تھا کہ اسے ایک بوڑھی عورت اپنی طرف آتی دکھائی دی۔ شیبان نے اس پر ایک نگاہ کی اور انداز ڈال کر اپنی راہ لینا چاہی لیکن عورت نے ہاتھ کے اشارے سے اسے دھکا۔ شیبان کھڑا گیا اور تنگی یا بندھ کر اسے دیکھنے لگا۔

بوڑھی عورت ہانپتی کانپتی اس کے پاس پہنچ گئی اور پوچھا۔ ”بیٹے! کیا تم یہیں نہیں چھائی ہے، میں مرنے سے پہلے ان دونوں کو ایک نظر دیکھنا ضرور چاہتی تھی، مسیح نے میری دعا قبول کر لی؟“

شیبان نے جواب دیا ”ہاں میں یہیں رہتا ہوں، مجھ سے کوئی کام؟“

بوڑھی بے گناہی کہی۔ ”سنی ہو رہا ہے غاروں اور غاروں میں ہر ملک دنیا کے درویش رہتے ہیں کیا یہ خبر درست ہے؟“

شیبان نے جواب دیا۔ ”خبر تو درست ہے لیکن میں یہ جانتا چاہتا ہوں کہ مجھ سے یہ سوال کیوں کر رہی ہیں؟“

بوڑھی بی بی نے کہا۔ ”بیٹے میں صلیب سے آئی ہوں، کیا تم بتا سکتے ہو کہ یہاں شیبان کے شکر گزار ہوں گے، لیکن حسب دستور خدا میرے اندر سے چھوٹے بھائی، جان ایسی خانقاہ یا غار بھی ہے جہاں زاہدان شب بیدار یا تارکان دنیا پناہ لیتے ہوں۔“

شیبان نے جواب دیا۔ ”ہاں، یہاں ایسی کوئی ایک جگہ تھوڑی ہے، کئی آدمی یہاں مذہب و ملت کی بھی کوئی تخصیص نہیں جس کا جی چاہتا ہے دنیا کو ملے مارے پاس کون آیا ہے؟“

یہاں چلا آتا ہے۔

بوڑھی بی بی کی آنکھیں بھیگی ہوئی تھیں اور ان کی کپکپاہٹ سے معلوم ہوتا تھا کہ دروازے کو فورا بند کر لیا۔ اب بوڑھی بی بی بھی ضبط نہ کر سکیں، انہوں نے اپنے بیٹے جان کی ایک میں طویل مسافت نے انہیں تھکا دیلے۔ بوڑھی بی بی نے اپنے آندہ پونچھے اور بھڑائی بھٹک دیکھ کر یوں محسوس کیا تھا، گویا کسی کسان کے پیاسے کھیت پر سے سیاہ بادل کا کوئی آواز میں پوچھا۔ ”کیا یہاں ایسے درویش بھی رہتے ہیں جن کی عمریں چالیس اور پندرہ بیس سے ہی گزر گیا ہو۔ ماں نے زور زور سے دروازہ پیٹ ڈالا اور روتے ہوئے کہا سال کے اندر اندر ہوں اور دونوں آپس میں بھائی بھائی بھی ہوں؟“

شیبان چونک پڑا، بوڑھی بی بی تو انہی دونوں راہوں کو پوچھ رہی تھیں لیکن ایک جہان کی خاک چھائی ہے، اب مجھ پر رحم کرو اور تم دونوں مجھے جی بھر کے کی خانقاہ میں وہ رہ رہا تھا۔ اس نے جواب دیا۔ ”ہاں میں ان دونوں سے واقف ہو چکا ہوں۔“

میں یہ بھی جانتا ہوں کہ ان میں چھوٹے بھائی کا نام جان اور بڑے کا فلپ ہے۔“

بوڑھی بی بی تڑپ گئیں، بے اختیار شیبان کا ہاتھ پکڑ لیا اور عاجزی سے کہا۔ ”میں بائیس سالہ ریاضت کو تباہ و برباد نہیں کر سکتی۔“

جان نے پھر عاجزی سے کہا۔ ”میرے بچو! یہ کون ہے جو تمہیں باہر نکلنے سے روک رہا ہے؟“

شیبان کو بوڑھی بی بی کی باتوں پر یقین نہیں آیا، پوچھا۔ ”کیا وہ دونوں داغ“

جان نے جواب دیا۔ ”بجز مسیح کے کوئی نہیں۔ ماں تم واپس جاؤ اور میری بیس سالہ ریاضت کو خاک میں نہ ملاؤ۔“



ماں کی حالت تدار پر شیبان کو بھی رحم آگیا، ذرا ترشی سے پوچھا۔ ”مقدس! یہو۔  
یہ کیا بات ہے؟ کیا آپ دونوں اپنی ماں کو اس لئے نہیں دیکھ سکتے کہ ان بھی عورت ہے  
اور عورت پر نظر ڈالنا معصیت میں داخل ہے۔“

اندھے جان نے جواب دیا۔ ”ہاں، ماں کبھی عورت ہے، شبیہاں! تو میری ماں کو راضی کر کے والپن کر دے اور اس سے کہہ دے کہ ہم دونوں بھائی اپنی جاتیں تو دے سکتے ہیں لیکن ماں کی خاطر اپنی عبادت پر پائی نہیں پھیر سکتے۔“

شیبان کا دل کھٹکا ہو گیا، بولا "میرے بزرگ راہبوا! یہ آپ کا کیا دین ہے جو آپ کے اور آپ کی ماں کے درمیان حد جدائی بن کر کھڑا ہو گیا ہے۔ خدا کے لئے آپ ددنوں باہر نکلے اور بیس سالہ مفارقت کی آگ میں جھلسی ہوئی حد درجہ لائق تعظیم ماں کو سینے سے لگاتے۔ یہ آپ ددنوں کو ہو کیا گیا ہے؟"

اس بار جان کی جگہ فلیپ کی آواز سنائی دی۔ اس نے ڈلٹے ہوئے کہا۔ "شیباؤ جیب تو مذہب کی روت سے واقف نہیں تو پھر درمیان میں کیوں داخل دیتا ہے؟"

شیبان نے ادب سے جواب دیا۔ "میرے بزرگ راہبو! میرا خیال ہے میں نے ابھی تک کوئی غلط بات نہیں کی ہے۔ خدا کے لئے اپنے فیصلے پر نظر ثانی کیجئے اور اپنی ماں کو ان عورتوں میں نہ شامل کیجئے جن پر ایک نظر ڈالنا معصیت میں داخل ہے۔"

ماں نے شیبان کو دھکا دے کر ایک طرف کر دیا اور دروازے کو زور سے پیسے ہوتے کہا۔ "میں کہتی ہوں دروازہ کھول دو، اگر تم دونوں نے اب بھی دروازہ نہ کھولا تو میں اس سرکی ٹنگروں سے خود کو لہان کر لوں گی، پھر یا تو دروازہ کھلے گا یا میں مر جاؤں گی۔"

اندر سے فلپ نے درشت لہجے میں جواب دیا۔ "ہمیں اپنی ریاضت محبوب دروازہ نہیں کھلے گا۔"

شیبان نے محسوس کیا فلیپ بات پوری کر کے ہٹ گیا ہے۔  
 مان نے درد و انداز سے سر ٹکراتا شروع کر دیا، جس سے پیشانی کی جلد جگہ جگہ سے  
 پھٹنے لگی اور وہ انداز سے خون ایلنے، پھٹنے لگا۔ شیبان نے چیخ کر دونوں بھائیوں سے مدد  
 کی۔ ”میرے بزرگ راہبو! یہ آپ کیا کر رہے ہیں! مسیح نے تو دل آزادی سے متع کیا ہے نہ کہ  
 آپ دونوں اپنی ماں کا دل دکھا رہے ہیں، خدا کے لئے باہر آجائیے اور اپنی ماں کو صنبھالیئے  
 اندر سے جانے کے خواب دیا۔“ افسوس شیبان کہ ہم دونوں باہر نہیں آ سکتے ہیں  
 عبادت اور تقویٰ کا نہ یاں کسی حال میں بھی منظور نہیں۔ تم اس عورت کو روکو کہ خود کشی



داخل ہے۔“

شیبان نے کہا: ”پھر اب میں کیا کروں؟“

جان نے جواب دیا: ”میری ماں کا کفن دفن کر دو، اس کے بعد ہمارے پاس آؤ۔“  
شیبان نے کہا: ”لیکن میں کفن دفن کس طرح کروں گا، میں تنہا ہوں اور میرے پاس  
کفن دفن کے لئے کوئی کپڑا بھی نہیں۔“

اندر کچھ دیر کے لئے خاموشی طاری ہو گئی شیبان نے کہا: ”جان! تم نے میری بات  
کا جواب نہیں دیا۔“

پھر کوئی جواب نہیں ملا، شیبان ایک محضے میں بیٹھنے لگا تھا، اس کی کچھ سمجھ میں  
نہیں آ رہا تھا کہ کیا کرے اور کیا نہ کرے اچانک خانقاہ کا دروازہ کھلا اور کسی نے اندر سے  
دو چادریں پھینک دیں، اس کے بعد دروازہ پھر بند ہو گیا اور جان کی آواز سنائی دی۔ ”ا  
چادروں سے ماں کا کفن دفن کر دو، اور اس کام میں اُن آنے جانے والوں سے مرد لے  
جو ہمارے خانقاہ میں غلہ، سبزی اور پھل وغیرہ لے کر آیا کرتے ہیں۔“

شیبان نے دونوں چادریں اٹھالیں۔ یہ بالکل بوسیدہ تھیں۔ وہ چادریں  
کمر پھر بڑی بی کی لاش پر چلا گیا اور کسی مددگار کا انتظار کرنے لگا۔ کبھی گھنٹے بعد ادھر  
چند کاشتکار گزرے جو کسی گوشہ نشین کی دعا میں لے کر خوش خوش اپنے گھروں کو واپس جا رہے  
تھے۔ انہوں نے شیبان کی مدد کی اور مل جل کر کفن دفن سے ذرا غنت حاصل کر لی۔

شیبان کے دل پر اتنا بوجھ تھا کہ اس سے چلا بھی نہیں جا رہا تھا، وہ اپنے  
کو زبردستی کھینچ رہا تھا۔ اس نے ایک بار پھر دروازے پر دستک دی۔ کچھ دیر بعد  
اسے جان کی آواز سنائی دی۔ ”کیا کفن دفن سے فارغ ہو گئے؟“

شیبان نے جواب دیا: ”ہاں میں معصیت کی جڑ کوڑ میں میں دیا آیا، اب تو  
دروازہ کھول دو۔“

جان نے دروازہ کھول دیا۔ شیبان شکستہ دل سے خانقاہ میں داخل ہو گیا۔  
جان نے کہا: ”شیبان! تو میرے بھائی کے پاس چل۔ ہم دونوں نے تیرے لئے ایک  
فیصلہ کیا ہے۔“

شیبان نے جواب دیا: ”چلو، میں نے بھی ایک فیصلہ کر لیا ہے لیکن پہلے تم دونوں  
اپنا فیصلہ سنا دو، اس کے بعد میں اپنا فیصلہ بھی سنا دوں گا۔“

پھر یہ دونوں قلب کے روبرو جا کھڑے ہوئے۔ قلب انجیل مقدس کی تلاوت

رہا تھا۔

قلب نے بولے بغیر ہاتھ کے اشارے سے دونوں کو بیٹھ جانے کا حکم دیا۔ دونوں  
قلب کے سامنے بیٹھ گئے۔

تلاوت سے فارغ ہونے کے بعد قلب نے انجیل کو بوسہ دے کر رکھ دیا اور زیر  
لب کوئی مدعا مانگنے لگا۔ اس کی نظر میں شیبان پر ہلکی ہوئی تھیں اور ان نظروں میں شکایت  
تھی، نفرت تھی اور ایک قسم کی بیزاری تھی۔ دعا سے فارغ ہونے کے بعد قلب نے جان سے  
دریافت کیا: ”کیا تم نے میرا فیصلہ اس کے گوش گزار کر دیا؟“

جان نے جواب دیا: ”نہیں، بلکہ میں چاہتا ہوں کہ یہ فیصلہ آپ سنا دیں۔“  
قلب نے کچھ دیر کے لئے سکوت اختیار، شاید وہ فیصلے کے لئے پیرایہ بیان سوچ رہا  
تھا۔ پھر وہ کھنکارتا ہوا بولا: ”شیبان! کیا تجھے پہلے ہی یہ نہیں بتا دیا گیا تھا کہ عورت  
معصیت کی جڑ ہے اور اس کے سامنے شک سے حذر کرنا ہے۔“

شیبان نے جواب دیا: ”ہاں، مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ مجھ سے یہ کہا گیا تھا۔“  
قلب نے پوچھا: ”میں پوچھتا ہوں، اس کا نتیجہ پر کیا اثر ہوا؟“  
شیبان نے جواب دیا: ”ہاں مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ عورت معصیت کی جڑ  
ہے لیکن میں یہ نہیں مانتا کہ عورت اتنے مبالغے کی حد تک معصیت کی جڑ ہے۔“

قلب نے کہا: ”میں جانتا ہوں تو مسلمان ہے اور تو نے جس ماحول میں آنکھ کھولی  
ہے وہاں عورت کا یہ مطلب نہیں لیا جاتا۔“

شیبان نے بیزاری سے کہا: ”راہبو! میں تفصیل میں نہیں جاؤں گا، میں چاہتا ہوں  
تم جلد از جلد اپنا فیصلہ سنا دو۔“

قلب نے جواب دیا: ”آج ہم دونوں بھائی، اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ ہمارے لئے تیرا  
تربیت مشکل ہی نہیں ناممکن ہے، اس لئے یسوا فوس ہم تجھے یہ حکم دیتے ہیں کہ آج ہی ہمارا  
خانقاہ سے رخصت ہو جا۔“

شیبان کے ہونٹوں پر تلخ مسکراہٹ اُبھری اور غائب ہو گئی، بولا: ”راہبو! جو فیصلہ  
تم نے سنایا ہے وہی میرا بھی فیصلہ ہے۔ میں نے خود بھی یہ فیصلہ کر لیا تھا کہ میں آج ہی اس  
خانقاہ سے کہیں اور چلا جاؤں گا۔“

قلب نے پوچھا: ”مگر تو نے یہ فیصلہ کیوں کیا تھا؟“  
شیبان نے جواب دیا: ”اس لئے کہ تمہاری رہبانیت اور رہبانی تصورات اور



قیسے بڑے غلام اور چراتا ہی ہیں اور میں کہتی ہوں کہ وہ اس سفاک نہیں ہوں سکتا۔

اس کے بعد ان میں کوئی بات نہیں ہوئی شعیبان نے ان دونوں سے آخری بار مصالحت کرنا چاہا لیکن ان دونوں نے اپنے ہاتھ دودھ ہی مکھے اور شعیبان کو بالکل مایوس کر دینے کے لئے اپنی جگہ سے ہٹ کر دوسرے کاموں میں مشغول ہو گئے۔ شعیبان کو ان دونوں سے اس رافلائی کی توقع نہیں تھی وہ کچھ دیر حیرت زدہ ان دونوں کو دیکھتا رہا، اس کے بعد خانقاہ سے نکل گیا۔ اس کے نیکے ہی خانقاہ کا دروازہ اندر سے بند کر لیا گیا۔

شعیبان کے سامنے ایک کوئلہ پڑا ہوا تھا، کچھ سوچ کر اس نے کوئلہ اٹھالیا اور اس جگہ جا کھڑا ہوا، جہاں لکھا تھا۔

”ماہویا خدا کر دے! دو چاعتوں کی قرابت سے۔ ایک عورت سے۔ دوسرے پادریوں سے۔“

شعیبان نے اس پر غلط تفسیر پھیر دیا اور اس کے نیچے کوئلے سے لکھ دیا۔

”لوگو! خدا کر دے! ایسے ماہیوں سے جن کے سینوں میں محبت کا گداز نہیں اور جن کے دل سفاکی سے لبریز ہیں۔“

اب اسے پھر کسی ایسے مرشد کی تلاش تھی، جو ظالم اور سفاک دنیا سے نجات اس طرح دلا دے کہ اس کے دل اور دماغ بھی مطمئن اور پرسکون ہو جائیں اور خدا کا قرب بھی حاصل ہو جائے۔

وہ چہاڑوں کے دامن میں آباد لوگوں کی طرف چلا گیا اور ان سے یہ معلوم کرنے کی کوشش کی کہ ان کے علم میں کیا کوئی ایسا بزرگ موجود ہے جس کی بزرگی اور عظمت کا ان کے دل پر سکتہ بیٹھ چکا ہو اور بزرگ کے غیر معمولی واقعات کا ہر طرف چرچا ہو۔

اس نے ادھر ادھر گھومتے ہوئے ایک ایسی بستی کو دیکھا جس میں ایک چھوٹی سی سیڑھی کے پہلو میں ایک گرجا بھی تھا، گھر مٹی پر آباد اور گرجا دیوان تھا۔ اس نے ایک شخص سے پوچھا۔

”کیا اس بستی میں صرف مسلمان ہی رہتے ہیں؟“

اس شخص نے جواب دیا۔ ”نہیں، مسیحی بھی رہتے ہیں۔“

شعیبان نے پوچھا۔ ”پھر گرجا دیوان کیوں پڑا ہے؟“

اس شخص نے جواب دیا۔ ”یہاں ایک مسلمان درویش کی خانقاہ ہے۔ یہ درویش

نا صاحب کمال اور مقبول ہے کہ کبھی کبھی بادشاہ اور بہتے بڑے آمر بھی حاضری دیا کرتے

ہاں باتوں نے مسیحیوں کو کبھی متاثر کیا اور ان میں سے بیشتر مسلمان ہو گئے۔ جو مسلمان نہیں

کئے وہ بھی اتنے مغرب اور متاثر ہوئے کہ انہیں آبادین حقیقہ اور معبود محسوس ہوتا ہے۔“

شعیبان کو جستجو ہوئی، اور وہ ان بزرگ سے ملنے کے لئے بے چین ہو گیا۔ وہ رات اس نے مسیہ میں گزار دی، لیکن جب نمازیوں کو یہ معلوم ہوا کہ ان کی بستی میں ایک غریب الوطن آیا ہوا ہے تو ان میں سے ایک شخص نے اسے مہمان بنالیا اور فجر کی نماز کے بعد اسے اپنے گھر لے گیا۔

دو پہر کو کھانے کے دوران میزبان نے شعیبان سے سفر کی غایت پوچھی تو اس نے صاف بتا دیا کہ وہ کسی بزرگ کا دل کی تلاش میں نکلا ہے۔

میزبان نے مسکرا کر پوچھا۔ ”پھر کوئی بزرگ کامل ملا؟“

شعیبان نے جواب دیا۔ ”نہیں ابھی تک تو نہیں ملا لیکن میں بھی مایوس نہیں ہوں۔“

میزبان نے خوش ہو کر کہا۔ ”تب پھر تو خوش ہو جاؤ، تم اپنی منزل مراد کو پہنچے کیونکہ اس نواح میں ایک ایسے بزرگ موجود ہیں جن کی بزرگی اور کمال کا ایک زمانہ معترف ہے اور

بڑے بڑے حکمران ان کی خانقاہ کی چہ سائی کرتے ہیں۔ ہر وقت ان کے در پر طالبان مراد کا مجمع لگا رہتا ہے۔“

شعیبان نے جواب دیا۔ ”تب پھر میں بھی ان کے قدموں میں رہ پڑوں گا۔“

میزبان نے کہا۔ ”اللہ نے چاہا تو کل میں وہاں لے چلوں گا اور خانقاہ کی عظمت اور دیدار کا نظارہ کراؤں گا۔“

شعیبان نے وہ دن بہت اضطراب میں گزارا، اسے اپنی ماں بھی یاد آتی لیکن مال کے خیال کو بڑی بے دردی اور سختی سے جھٹک دیا۔ وہ امر اور حکمرانوں کے ظلم و تشدد سے بیزار ہو کر نکلا تھا اور طمانیت اور سکون کو تلاش کرتا پھر رہا تھا، اپنے مقصد میں کامیابی کے بغیر وہ کس طرح واپس ہو سکتا تھا۔ جب اس نے اپنے میزبان سے مسلمان بزرگ کی عظمت اور بڑائی کا والہانہ ذکر سنا تو اس کے مایوس دل میں ایک بار پھر امید کی شمع روشن ہو گئی۔

دوسرے دن علی القبلت میزبان اسے اپنے ساتھ لے کر روانہ ہو گیا، اسے ایک بار پھر کوہستانی سلسلے کی پڑی پڑی راہیں طے کرنا پڑیں۔ راستہ مختلف قسم کے پھلون اور پودوں کی ملی جلی خوشبو سے مہکا ہوا تھا، اور درختوں پر آٹھنے پھڑکنے والے پرندوں کی چہکارنے نے فضا

میں ترنم گھول رکھا تھا۔ شعیبان نے اپنے ساتھ اور آگے پیچھے بہت سوں کو چلتے دیکھا۔ اس نے میزبان سے پوچھا۔

”کیا یہاں کوئی اور بزرگ بھی رہتے ہیں؟“

”نہیں تو، مگر تم نے یہ سوال کیوں کیا؟“

شعیبان نے کہا۔ ”پھر یہ سب کہاں جا رہے ہیں؟ کیا انہی بزرگ کے پاس؟“



میزبان ہنسنے لگا اور اس کے حلق سے ایسی آواز نکلی جیسے پانی اٹھیلنے دقت مرق  
نکلتی ہے۔ اس نے جواب دیا۔ ”تم بہت عقلمند نوجوان ہو، تم نے صبح اندازہ لگایا، یہ  
سب وہیں، اتنی بزرگ کی خدمت میں جا رہے ہیں، کیا تم ان کے ہاتھوں اور کندھوں پر  
مان کی پوتلیاں اور گھڑیاں نہیں دیکھ رہے ہو؟“  
شیبان نے جواب دیا۔ ”دیکھ تو میں بھی رہا ہوں، لیکن ان پوتلیوں اور گھڑیوں  
کی کیا ہے؟“

میزبان نے کہا۔ ”ان بزرگ کے چار سومریہ ہر وقت ان کے پاس رہتے ہیں اور وہ  
ب عبادت و ریاضت میں مشغول رہتے ہیں ان حالات میں پروردگار اپنے چار سومریہوں  
پر حق میں مشغول رہنے کی وجہ سے کوئی کام نہیں کر سکتے اس لئے ہم سب نے ان  
کے کھانے پینے کی ذمہ داری اپنے سر لے لی ہے اور صبح و شام ان کے اور ان کے مریدوں کے  
کھانے پینے کا سامان پہنچاتے رہتے ہیں تاکہ وہ سب یک سوئی سے ذکر حق میں مشغول رہیں۔  
شیبان کے دل میں ان بزرگ کے خلاف ذرا سی سوغظی آگئی اس نے سوچا دوسرے  
محنت اور کمائی پر زندہ رہنے والا انسان ولی یا بزرگ کس طرح ہو سکتا ہے؟“  
ان بزرگ کی خانقاہ جبل لبنان کی ایک حسین وادی میں تھی۔ اس وادی کے  
پر حد نظر کو ہستی سلسلہ پھیلا ہوا تھا۔ یہاں انجیر، سیب، انگور اور زیتون کے درختوں  
پھیرا تھی، انہی کے بیچ میں ان بزرگ کی خانقاہ تھی اور خانقاہ کا سبز گنبد درختوں کے  
دور ہی سے نظر آ رہا تھا۔ میزبان نے اس گنبد کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ ”یاد رکھو  
خانقاہ کا سبز گنبد صاف نظر آئے لگا۔“

شیبان نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ معلوم نہیں کن خیالوں میں گھرا ہوا تھا۔  
کچھ ہی دیر بعد یہ دونوں خانقاہ کی حدود میں داخل ہو گئے۔ یہ وسیع الطویل  
حق خانقاہ کسی قدر کی طرح کھڑی تھی۔ خانقاہ ایک چہار دیواری کے اندر تھی اور یہ  
چار دیواری ہزار بارہ سومریہ گز میں پھیلی ہوئی تھی جب یہ دونوں خانقاہ کے دروازے  
پہنچے تو انہیں دروازے پر ہی روک لیا گیا، یہاں کچھ اور لوگ بھی پہلے سے کھڑے ہوئے  
تھے۔ شیبان نے چہار دیواری میں جھانک کر دیکھا، وہاں بہت سے گھوڑے سبزے پر  
رہے تھے اور گھوڑوں کے آس پاس لوگوں کا ہجوم تھا۔

شیبان کے میزبان نے خانقاہ کے دروازے سے کہا۔ ”لوگو! کیا بات ہے؟ آج  
پہلے تو یہاں کسی نے روکا نہیں تھا، پھر یہ آج تم لوگ کیوں روک رہے ہو؟“

ایک شخص نے جواب دیا۔ ”اندر حلب کا حکمران آیا ہوا ہے، حکمران کے ساتھ اس کے  
دریاد کی اور بعض دوسرے عہدیدار بھی ہیں، اس لئے پروردگار نے کچھ دیر کے لئے لوگوں  
کی آمد و رفت روک دی ہے۔“

شیبان نے صدر کے انداز میں کہا۔ ”لیکن میں تو اسی وقت ان کے پاس جانا چاہتا  
ہوں، تم پروردگار سے جا کر کہہ دو کہ ہم دونوں بھی ان سے عقیدت و احترام سے ملنے آئے ہیں  
اس لئے ہمارا راستہ نہ روکیں۔“

دربان نے تو اپنے والی نظر سے شیبان کی طرف دیکھا اور پوچھا۔ ”تم کہاں سے  
آئے ہو اور کیا کہتے ہو؟“

شیبان نے جواب دیا۔ ”میں بعلبک سے آیا ہوں اور وہاں میرا حکم چلتا ہے۔“  
دربان نے معنی خیز انداز میں سوال کیا۔ ”تو گویا تم بعلبک کے امیر ہو؟“  
شیبان، دربان کے تجسس اور تبدیلی سے مزے لے رہا تھا۔ جواب دیا۔ ”ہاں  
میں بعلبک کا امیر ہوں اور اگر میں تیرے ولی سے متاثر اور مرعوب ہو گیا تو ان کی خانقاہ کے لئے  
مستقل نذرانہ مقرر کر دوں گا۔“

اس جواب نے میزبان کو بھی چونکا کر دیا۔ جب دربان اندر چلا گیا تو میزبان نے  
شیبان سے متحیر لہجے میں سوال کیا۔ ”میرے دوست! کیا واقعی بعلبک کے امیر ہو؟“  
شیبان نے جواب دیا نہیں، لیکن میں نے یہ دروغ مصلحت آمیز قصداً بولا ہے۔  
میں یہ دیکھنا چاہتا ہوں کہ کیا یہ بزرگ واقعی امیر اور عزیز ہیں یا نہیں؟  
ہوا تو میں ان کی صحبت سے کہیں اور چلا جاؤں گا۔“

میزبان کو شیبان کی بات بری لگی، بولا۔ ”یہ قسم کسی باتیں کر رہے ہو؟ کیا تم نہیں  
جانتے کہ تمہاری باتیں بزرگ موصوف کے دل پر القا ہو چکی ہوں گی؟“

شیبان نے جواب دیا۔ ”ہو سکتا ہے۔ اگر ایسا ہوا تو میں ان کے قدموں میں وہ چڑھتا  
گا اور اس وقت تک چڑھتا ہوں گا جب تک خود بھی کسی لائق نہ ہو جاؤں۔“

میزبان خاموش ہو گیا لیکن اسے شیبان کی باتیں اچھی نہیں لگی تھیں اسے افسوس تھا  
کہ شیبان ایک ایسے بزرگ اور ولی کامل کے خلاف سوغظی میں مبتلا ہو گیا تھا، جس کا دور دور  
شہر تھا اور اس کے در پر حاضری دینے میں بڑے بڑے حکمران اور امراء تک خوش قسمت تھے اور  
سعادت سمجھتے تھے۔

دربان نے واپس آکر ان دونوں کو مطلع کیا کہ پروردگار نے فوراً ہی ملاقات مشکل



ہے، خدا توقف کرنا پڑے گا۔ وہ ان دونوں کو خانقاہ میں لئے چلا گیا۔ خانقاہ ایک گوشے میں بنی ہوئی تھی۔ خانقاہ سے متصل بہت سارے حجرے تھے جن میں اس بزرگ کے مرید رہتے تھے۔ خانقاہ اور حجروں کے ساتھ ایک میدان تھا، جس میں آٹھ دس گھوڑے اپنے مائیل کی معیت میں کھڑے گھاس کھا رہے تھے۔ ان کی دھنیں حرکت میں تھیں اور وہ بار بار بھر بھری لے رہے تھے۔ یہ دونوں، دربان کے ساتھ خانقاہ میں داخل ہو گئے۔ اس وقت پیر و مرشد صلب کے ایمر سے مستحضر اکرام پاؤں کر رہے تھے۔ انہوں نے ایک نگاہ غلط اندازہ شبان اور اس کے میزبان پر بھی نظر ڈالی لیکن ان دونوں سے مخفی طبع نہیں ہوئے۔

جب صلب کا حاکم اپنے ملازمین اور مصاحبین کے ساتھ رخصت کی احازت لے کر کھڑا ہوا تو ان کے ساتھ ہی مرشد بھی کھڑے ہو گئے اور حاکم سے کہا۔ ”یہ فقیر تیرے حق میں دعا کرتا ہے گا لیکن تیرا بھی یہ فرض ہے کہ تو ان کا خیال رکھ جنہوں نے دنیا کو لات مار دی ہے اور شب و روز اپنے رب کی بارگاہ میں اس کی مخلوق کے لئے امن و سلامتی کی دعائیں کرتے رہتے ہیں“

صلب کے حاکم نے پوچھا۔ ”اس خانقاہ کا بومیہ خرچ کتنا ہے؟“

دلی نے جواب دیا۔ ”یہی کوئی بیسچاس دینار بومیہ“

حاکم نے اپنے ایک آدمی کو حکم دیا۔ ”شاہ صاحب کو دیناروں کی دس پتیلیاں دے دی جاتیں“ اس کے بعد شاہ صاحب سے کہا۔ ”یہ کم ہیں لیکن صلب جا کر خانقاہ کا متعلق انتظام کر دیا جائے گا۔“

دلی نے جواب دیا۔ ”باباؤں یہ دیناروں کی پتیلیاں دیلیاں تو قبول کرنے سے رہا اور اگر انہیں ہمارے مرز بردستی مقبویا گیا تو میں اس حرکت کو کبھی بھی معاف نہیں کروں گا۔“

ایک مرید نے ان پتیلیوں کو اپنے قبضے میں لے لیا، بولا۔ ”واہ حضرت! یہ خوب رہی آپ نہیں لیکن ہم ضرور دین گے یہ امیر جو کچھ ہیں دے رہا ہے، خدا نے ہمارا رزق اس کے ذریعے بھجویا ہے کیونکہ وہ سیمع و بصیر ہے اور ہمارا حال سن بھی رہا ہے اور دیکھ بھی رہا ہے، اب اگر ہم حاکم صلب سے یہ پتیلیاں نہیں لیں گے تو کفرانِ نعمت کے مرتکب ٹھہریں گے۔“

دلی نے جواب دیا۔ ”بہر حال یہ پتیلیاں میں خود تو قبول کرنے سے رہا، تو لیتا ہے تو لے لے اور خبردار جو ان دیناروں کو مچھیرا اپنی ذات پر خرچ کیا۔ انہیں ان فقراء میں تقسیم کر دے جو خدا کے لئے دنیا کو چھوڑ چکے ہیں۔“

حاکم صلب نے عرض کیا۔ ”حضرت! مجھے کوئی نصیحت کیجئے“

دلی نے جواب دیا۔ ”جب تو خانقاہ سے باہر نکلے گا تو اس کی پیشانی پر میری نصیحت کو کندہ دیکھے گا، بس اس نصیحت کو جزوِ دعا بنالے۔“

حاکم صلب نے عاجزی سے درخواست کی۔ ”حضرت! وہ نصیحت تو بعد میں دیکھوں گا، کچھ زبانی بھی ارشاد فرما دیجئے یہ عاجز بہت احسان مند ہو گا۔“

دلی نے نہایت استغنا سے جواب دیا۔ ”اب تو بقتہ ہی ہے تو میری نصیحت دل پر کندہ کر لے۔ یاد رکھ، انسان کے حق میں نعمت، آرام سے بہتر، گمنامی، نام و نشان سے بہتر اور داد و دہش، قبولِ عطیات سے بہتر ہے۔“

پوری خانقاہ واہ وا، سبحان اللہ کی آوازوں سے گونج گئی۔ حاکم صلب نے قرط عقیقت سے دلی کا ہاتھ پکڑ لیا۔ اسے دونوں آنکھوں سے لگا کر بوسہ دیا اور اپنے مصاحبوں اور غلاموں کے ساتھ خانقاہ سے نکل گیا۔ دلی نے اپنی آنکھیں بند کر لی تھیں، گویا وہ مراقبہ میں چلا گیا تھا۔ کچھ دیر بعد جب وہ اپنے ہوش میں آیا تو اس نے اپنے مریدوں سے پوچھا۔ ”کیا اب میں آرام کر سکتا ہوں، میں بہت تھک چکا ہوں۔“

ایک مرید نے شبیان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے عرض کیا۔ ”حضرت! یہ شخص بعلبک سے آیا ہے اور خود کو بعلبک کا امیر کہتا ہے۔“

دلی نے شبیان اور اس کے میزبان پر ایک اچھٹی نظر ڈالی اور سوال کیا۔ ”تو واقعی بعلبک کا امیر ہے؟“

شبیان نے جواب دیا۔ ”ہاں میں جھوٹ نہیں بول رہا ہوں۔“

دلی نے حقارت آمیز لہجے میں کہا۔ ”پچھلے دنوں اسی خانقاہ میں بعلبک کا ایک امیر آچکا ہے، اس نے خانقاہ کو گمراہ قدرِ عطیہ بھی دیا ہے اگر تم بعلبک کے امیر ہو تو ادھر پھر وہ کون تھا؟“

شبیان گھبرا رہا تھا، بولا۔ ”وہ بعلبک کا امیر ہی ہو گا، لیکن اس وقت میں تم سے چند اہم باتیں کرنے آیا ہوں۔“

دلی نے طیش میں کہا۔ ”یہ تو کس لب و لہجے میں بات کر رہا ہے؟“

میزبان نے شبیان کا ہاتھ دبایا لیکن شبیان میرا اس کا کوئی اثر نہ ہوا، بولا۔ ”جناب پیر و مرشد! آپ نے حاکم صلب کو جو نصیحتیں فرمائی ہیں، اس سلسلے میں آپ سے چند باتیں کرنا چاہتا ہوں۔“

ایک طاقتور مرید نے شبیان کا گلا پکڑ لیا، بولا۔ ”شیطان کے بچے! پیر و مرشد جب



تجھے ہم کلامی کے شرف سے محروم رکھنا چاہتے ہیں تو تو ان سے خواہ مخواہ کیوں الجھ رہا ہے؟  
شیبان کی سانس رکنے لگی اور اسے کھانسی آگئی، بمشکل بولا۔ "میں دنیا کے  
ظلم و ستم سے بیزار اندامِ حیات سے گمبیزاں شخص ہوں اور روحانیت میں طمانیت اور  
سکون تلاش کر رہا ہوں، اب اگر میں یہاں سے بھی مایوس اور ناکام رہا تو یہی سمجھوں گا کہ  
اپنی مادی دنیا کی طرح فقرائے دنیا بھی پر فریب اور ریاکاروں کی ہے۔"

ولی نے پوچھا۔ "تو کیا چاہتا ہے؟"  
شیبان نے جواب دیا۔ "میں طمانیت چاہتا ہوں، میں سکون چاہتا ہوں، اگر  
اس خانقاہ میں یہ چیزیں ہیں تو مجھے مرحمت فرمائی جائیں، ورنہ میں کہیں اور کی راہ لوں گا۔"  
ولی نے بے نیازی سے کہا۔ "اگر تو پسند کرے تو اس خانقاہ کے حجرے میں تجھے  
بھی رکھا جاسکتا ہے۔"

شیبان نے جواب دیا۔ "اس عنایت کا شکریہ، لیکن قیام سے پہلے میں چند  
باتوں کی وضاحت چاہتا ہوں۔"  
ولی نے ناگواری سے شیبان کو گھورا، کہا۔ "کیا بات ہے؟ تو بڑا جتنی انسان معلوم  
ہوتا ہے؟"

شیبان نے جواب دیا۔ "پیر و مرشد! میں جتنی انسان نہیں ہوں، مگر جیسا کہ ابھی  
ابھی عرض کر چکا ہوں، میں اپنا گھر یا چھوڑ کر طمانیت اور سکون کی تلاش میں نکلا ہوں، میں  
تے ابھی ابھی آپ کی صحبت میں جو چند لمحے گزار رہا ہوں، ان میں چند باتیں کانٹے کی طرح دل  
میں چبھ گئی ہیں، اب اگر آپ نے ان کی وضاحت نہ فرمائی تو میں بہت پریشان رہوں گا۔"  
ولی نے خوش اخلاقی سے کہا۔ "ورنہ میں تجھے صحت مندوں کا، تو زیادہ  
فکر مند نہ ہو۔"

شیبان نے عرض کیا۔ "پیر و مرشد! یاد رکھو، یہ نصیحت ایک بار پھر ارشاد فرما  
دیجئے جو ابھی ابھی آپ نے حاکمِ صلب کو فرمائی تھی۔"

ولی نے جواب دیا۔ "شاید تجھے میری نصیحت بہت اچھی لگی ہے اور میرے دل میں اثر  
گئی ہے۔ اس کے بعد مکرانے ہوئے فرمایا۔ "اے شخص! میری اس نصیحت کو تو بھی اپنے  
دل پر کندہ کرے۔ یاد رکھ! اس حال کے حق میں محنتِ آدم سے بہتر گناہی، نام و نشان سے  
بہتر اور داد و دہن، قبو باءِ عیدت سے بہتر ہے۔"

اور ایک بار پھر خانقاہ کی فضا اور حسین کی آوازوں سے گونجنے لگی لیکن ان میں

شیبان کی آواز نہیں شامل تھی۔

شیبان کی خاموشی ولی کو بہت ناگوار گذری، درشت لہجے میں پوچھا۔ "تو  
کیوں خاموش ہے؟ کیا میری نصیحت تیری سمجھ میں نہیں آئی؟"

شیبان نے آہستہ سے جواب دیا۔ "میں یہ بات نہیں ہے پیر و مرشد! میں آپ  
کی نصیحت اور آپ کی عمل میں جو فرق محسوس کر رہا ہوں، اس نے مجھے حیرت زدہ کر کے  
میری زبان کو تالا لگا دیا ہے۔"

ولی نے ڈانٹ کر پوچھا۔ "آخر تو کہنا کیا چاہتا ہے اسے ملعون اور غیبتِ انسان؟"  
شیبان نے جواب دیا۔ "میں کچھ کہنا نہیں بلکہ کچھ جاننا چاہتا ہوں، آپ نے فرمایا  
ہے کہ انسان کے حق میں محنتِ آدم سے بہتر ہے لیکن عالم یہ ہے کہ اپنے مریدوں کے ساتھ ہی  
آپ بھی کچھ نہیں کرتے۔ پس آرام ہی آرام ہے جو آپ اپنے مریدوں کے ساتھ فرماتے رہتے ہیں؟  
مریدوں میں کھلبلی مچ گئی، میزبان نے گھبرا کر شیبان کو دہریں چھوڑ دیا اور خود  
خانقاہ سے باہر آ گیا۔ ولی نے شیبان کو غنیمتِ نظر سے دیکھا، جواب دیا۔ "تو کہتا ہے  
کہ ہم محنت نہیں کرتے، آدم کرتے ہیں، خدا میرے دل پر ہمیشہ مہر لگاتے ہیں، اوبید بخت  
نوجوان! یہ تو نے کیا کہہ دیا، میں اور میرے مرید دن رات اللہ اللہ کرتے رہتے ہیں، کیا یہ  
محنت نہیں ہے؟ بخدا یہ ایسی محنت ہے کہ بڑے بڑوں کا اس محنت کے خیال سے پرستہ  
پانی ہو جاتا ہے۔"

شیبان نے کہا۔ "لیکن میں اسے محنت نہیں سمجھتا، اسی طرح آپ کی نصیحت کا  
دورِ رجز و گناہی، نام و نشان سے بہتر ہے، میری سمجھ میں نہیں آیا، آپ اور آپ کے مرید  
بالکل گناہ نہیں، ہر طرف آپ ہی کا نام و نشان بکھرا ہوا ہے۔"

ولی نے خوش غصہ میں آواز دی۔ "ارے کوئی ہے جو اس گستاخ کی زبان بند کر دے؟"  
کئی طاقتور مریدوں نے شیبان کو پکڑ لیا لیکن شیبان کی زبان نہیں رکی، اس نے  
کہا۔ "پیر و مرشد! آپ مجھے خانقاہ سے نکلا دے سکتے ہیں لیکن میرے شبہات کا علاج نہیں کر سکتے۔  
کیا آپ کے پاس میرے اعتراضات اور شبہات کا کوئی اطمینان بخش جواب نہیں ہے؟ اگر میں یہاں  
بھی مایوس رہا تو مجبوراً اپنی جبر و تعدی کی دنیا میں واپس چلا جاؤں گا اور اس کے بعد میں جو  
کچھ بھی کروں گا، اس کا گناہ آپ کے نام بھی لکھا جائے گا کیونکہ آپ مجھے صبح ماہ دکھانے میں  
ناکام رہے ہیں۔"

ولی کا غصہ قدرے کم ہوا، بولا۔ "اے شخص! یہ بات صرف اتنی نہیں ہے کہ میں تجھے



مطمئن نہیں کر پا رہا ہوں بلکہ اصل بات یہ ہے کہ تو صوب کے سامنے ایسے خیالات کا اظہار کر رہے ہے جو میرے نیک دل اور پاک مزاج مریدوں میں انتشار اور خلقت پیدا کر سکتے ہیں، کیا تو نہیں جانتا کہ شیطان اسی طرح انسانی قلوب میں جگہ بناتا ہے؟

شیطان نے عرض کیا: ”تب پھر آپ کچھ دیر کے لئے اپنے مریدوں کو ادھر ادھر کر دیجئے تاکہ میں اپنے دل کے دوسووں اور اندیشوں کو دوسرے سکوں اور اپنی پوری زندگی آپ کے قدموں میں بسر کر دوں؟“

ولی نے اپنے مریدوں کو اشارہ کیا کہ وہ شیطان کو چھوڑ کر کچھ دیر کے لئے باہر چلے جائیں۔

مرید باہر چلے گئے۔ جب وہاں ولی اور شیطان تہاہرہ کئے تو ولی نے کہا: ”ہاں میرے بچے اب پوچھ تو کیا پوچھنا چاہتا ہے؟“

شیطان نے عرض کیا: ”یا پیر و مرشد! میں صرف یہ جانتا چاہتا ہوں کہ آپ کو یہ کہاں تک ریب دیتا ہے کہ کسی ایسی بات کی اپنے مریدوں کو نصیحت کریں جس پر آپ خود کاربند نہیں ہیں کیا ایسا کرنا مضحکہ تیر نہیں ہے؟“

ولی کو اس بات پر غصہ تو بہت آیا لیکن ضبط و تحمل سے کام لیا اور مسکرا کر کہا: ”پیر یا کچھ اور بھی کہتا ہے؟“

شیطان نے جواب دیا: ”آپ نے اپنی نصیحت کے غیسے جزو میں فرمایا کہ داد و جز قبول و طاعت سے بہتر ہے، میں جہاں جاؤں وہاں کہ اس مخالفہ میں کسی کو رہنے کیجئے کچھ بھی نہیں قبول و طاعت کے لئے اور امانتوں سے گارہ ہے آخر یہ کیوں ہے؟“

ولی نے جواب دیا: ”بیشک، لیکن تو نے یہ بھی دیکھ کہ اسے میں نے قبول نہیں کیا کہ ان دنیا دار کو میرے فقر میں تقسیم کر لیں گے، میں اس اقدت سے بڑی اذرت ہوں۔“

شیطان نے عرض کیا: ”اگر وہ دنیا دار آپ کے بقول اقدت ہی میں تو اس اقدت کو اپنے مریدوں میں کون جانتے دیتے ہیں؟“

ولی کو غصہ تو بہت آیا لیکن شیطان نے اسے بے بس انداز جواب کر دیا تھا۔ آخر اس نے بڑی نرمی سے سمجھا: ”میرے بچے! میرے دل میں خدشہ نے گھر کر لیا ہے میں نے تیرا فرض کر لیا شیطان نے کہا: ”یا پیر و مرشد! میں اس اقدت تک نہیں سمجھ سکتا کہ آپ“

آپ اس کی وضاحت بھی دہرتے چلیں؟

ولی نے ٹھہر ٹھہر کر کہا: ”میرے بچے! خناس ایک شیطان کا نام ہے اس کا گھر یہ ہوتا ہے کہ وہ دونوں میں دوسو سے پیدا کرتا ہے۔ صورت اس کی یہ ہوتی ہے کہ ہر دل میں دو دروازے ہوتے ہیں، ایک اوپر، دوسرا نیچے، اوپر کا دروازہ جسم سے متصل ہوتا ہے اور نیچے کا دروازہ خناس کا کام یہ ہوتا ہے کہ ان دونوں دروازوں کے اور گرد و مگڑی کا جال بناتا ہے کہ انسان اس کے قابو میں آجائے۔ پھر خطرات و دساروں باطل کو دل میں بھونکتا ہوتا ہے۔ خناس کی صورت اڈو ہے جیسی ہوتی ہے اور اس کی دم پر زہریلے کانٹے ہوتے ہیں اور ان ہی زہریلے کانٹوں سے وہ دل کو مسوم کرتا رہتا ہے جس سے دل سبباہ ہوتا پیدا ہوتا ہے۔“

شیطان کے لئے یہ انکشافات عجیب تھے وہ حیرت سے ولی کی تقریر سن رہا تھا۔ ولی دل میں خوش تھا کہ اس نے شیطان کو اپنی تقریر سے متاثر کر دیا تھا۔ اس نے کہا: ”ہاں سہاؤ دیکھی لگا دیا اور کہا: ”اور جب انسان طعام یا خاثر اور قہر متلوک کھاتا ہے اور اس کے ساتھ ہی غفلت بھی اختیار کرتا ہے اور کاہلی، بے توجہی اور بے رغبتی سے عبادت کرتا ہے تو یہ چیزیں خناس کے لئے غذا کا کام کرتی ہے اور ان سے خناس قریب ہوتا ہے جس سے اس کی ضرر و ممانی بڑھ جاتی ہے۔“

شیطان نے خوفزدہ ہو کر دریافت کیا: ”اور اس خناس کو ہلاک کس طرح کیا جاسکتا ہے؟“

ولی نے جواب دیا: ”توبہ و استغفار، پاسِ انفاس، ذکر و فکر اور مراقبے سے خناس کو سخت نقصان پہنچتا ہے جس سے یہ کمزور ہونے لگتا ہے، دل میں صفائی اور نوزائیت پیدا ہونے لگتی ہے۔ جس دم کی حرارت سے دل کی چربی پگھلنے لگتی ہے جس سے خناس مضطرب اور کمزور ہوتا ہے اور بالآخر جب تصفیہ قلب ہوتا ہے تو خناس ہلاک ہو جاتا ہے۔“

شیطان خاموش ہو گیا اور بے بسی سے ولی کی صورت دیکھنے لگا۔ ولی کو یہ خوش فہمی ہوئی کہ شیطان پر اس کا جادو چل چکا ہے اور اب وہ سرکشی نہیں اختیار کرے گا، اس لئے اس نے دل رکھنے کے لئے کہا: ”میرے بچے! تو فکر نہ کر اور ملول نہ ہو، میں تجھے اپنے مریدان باصفا کے سپرد کرتا ہوں۔ تو ان کے ساتھ رہ، اللہ نے چاہا تو میں تیرے دل میں تیرے دل میں موجود خناس کو بہت جلد ہی ہلاک کر دوں گا۔“

شیطان نے جواب دیا: ”پیر و مرشد! جس خناس کی آپ بات کر رہے ہیں وہ



میرے دل میں آئیں ہے، ہاں آپ کے اور آپ کے مریدانِ باصفی کے دلوں میں ضرور پڑا ہو گا۔  
 پا کر قرب ہو گیا ہے، اس لئے میرا مشورہ ہے کہ پہلے آپ سے ہلاک کریں، اس کے بعد  
 دوسروں پر توجہ دیں۔ رہا میں، تو میں نے یہ فیصلہ کر لیا ہے کہ درویشی کی زندگی شاید  
 مجھے نہیں دے گی اس لئے میں اپنے گھر چلا جاؤں گا اور دنیا کے دوسرے مسائل  
 کی طرح زندگی گزار دوں گا۔“

دلی ایک دم برہم ہو گیا، چیخ کر حکم دیا۔ ”ارے کوئی ہے جو اس گستاخ کو اٹھ  
 کر باہر پھینک دے، یہ نہیں ٹھیک ہو سکتا اس کا مرض لا علاج ہے۔“  
 دلی کی آواز سن کر کئی مریدانہ داخل ہوئے اور انہوں نے شبیان کو دلچسپ  
 کسی نے سر پکڑا، کسی نے ٹانگیں، کسی نے ہاتھ اور کسی نے پشت اور اس طرح اسے اٹھاتے  
 ہوئے وہ خانقاہ کے باہر نکل گئے اور اسے چھوٹی سی پگڑی پر بھینک کر اندر چلے  
 گئے۔ یہاں میزبان کھڑا اس کا انتظار کر رہا تھا۔ میزبان کو اپنی آنکھوں پر یقین نہیں  
 آیا۔ وہ شبیان کے پاس گیا اور پوچھا۔ ”خیریت تو ہے دوست! تیرے ساتھ یہ کیا  
 سلوک ہوا؟“

شبیان کی کمر میں بڑی چوٹ آئی تھی، وہ بیٹھ کر کمر اٹھتے لگا، بولا۔ ”دوست  
 جو شہروں میں ہے، وہی خانقاہوں میں، جو بادشاہوں اور حکمرانوں کے دربار اور  
 انتظام میں ہو رہا ہے، وہی خانقاہوں، دلیوں اور مرشدوں کی مجلسوں میں ہو رہا ہے۔  
 نہ تو درباروں میں ہے نہ خانقاہوں میں۔ پھر میرا جیسا انسان کہاں جاتے؟“  
 میزبان نے ترش روئی سے کہا۔ ”افسوس کہ تیری باتوں نے پروا مرشد کے دل  
 اعتبار بھی اٹھا دیا ہوگا، جسے تو خوش آئی اور خود غریبی سے بے گھر رہا ہے وہ تیرے  
 کا قدرے، قدرے۔“

میزبان نے بھی اس کا ساتھ چھوڑ دیا، شبیان ایک بار پھر یکہ و تہارہ کہہ  
 وہ خانقاہ کے سامنے کھڑا سوچ رہا تھا کہ اب وہ کیا کرے اور کہاں جاتے؟  
 شبیان آنکھ کر رہ گیا، گھر واپس جاتے کو جی نہ چاہتا تھا اور درویشی میں جو  
 کچھ دیکھا تھا اس سے بڑی مایوسی ہوئی تھی۔ بڑے غور و فکر کے بعد اس نے یہ فیصلہ  
 کیا کہ جس ماہ پر درویشی نہیں چل رہے ہیں، وہ خود چل کر دکھا دے گا۔ وہ تزلزلہ  
 اور شدید مجاہدے سے وہ طہانیت اور سکون خود حاصل کرنے کی کوشش کرے گا۔  
 کی تلاش میں اس نے راہوں، مجوسیوں اور درویشوں کی خانقاہوں کی جب سائی کی ہے

یہ بہت بڑا فیصلہ تھا، اس فیصلے میں دنیا کی نفی شامل تھی اور اس نفی پر اس کی درویشی  
 کی اساس قائم تھی۔ اس نے پورے یقین اور اعتماد سے یہ طے کر لیا تھا کہ دلی کی نفیوت  
 پر عمل کر کے درویشی میں اصلی مقام حاصل کر کے دکھا دے گا۔  
 اس نے جبل لبنان میں خوب گھوم پھر کر اپنے لئے ایک ایسی جگہ پسند کر لی،  
 جو اب تک غیر آباد تھی اور آبادی ذرا فاصلے پر تھی، اس نے یہیں اپنی کٹیڈال لی،  
 دیواریں میر کی کھڑکیں اس نے یہ کٹیڈال ایک ایسے گھیرے درخت کے نیچے بنائی تھی  
 کہ چھت کا کام درخت کے سائبان سے لیا جائے۔ اس نے اپنی روڑی کے لئے یہ  
 طے کیا کہ قریب کے کسی باغ میں محنت مزدوری کر لیا کرے گا اور اس سے جو کچھ مل  
 جائے گا اس سے اپنا کام چلائے گا۔  
 اس نے لکڑی کے ایک تختے پر کوئلے سے موٹا موٹا لکھا۔  
 ”انسان کے حق میں محنت آرام سے بہتر، گناہی، نام و نشان سے بہتر اور درد  
 دلش، قبولِ عطیات سے بہتر ہے۔“

وہ ہر روز صبح روزی کی تلاش میں نکل جاتا اور کسی کھیت یا باغ میں کام کر  
 کے جو کچھ پاتا، اس سے اپنا پیٹ بھرتا۔ وہ ہر وقت اس فکر اور کوشش میں رہتا کہ  
 کوئی حرام کا لقمہ خلق سے نہ آئے۔ کچھ ہی عرصے بعد اس نے اپنے میر کی کے تجربے پر چھت  
 بھی ڈال دی اور کیسوی اور بے نیازی سے اللہ اللہ کہنے لگا۔ اس کے زہد و ریاضت کا  
 چرچا ہونے لگا اور عقیدت مندوں کی آمد شروع ہو گئی۔ اب شبیان کو بڑی مشکل کا  
 سامنا کرنا پڑ رہا تھا۔ وہ ہر عقیدت مند کو یہی سمجھاتا کہ اسے شہرت اور نمود سے نفرت  
 ہے اس لئے وہ کسی کو نہ تو مرید بنائے گا اور نہ ہی اپنے آسن پاس مہرنے کی اجازت دے  
 گا۔ شروع شروع میں تو اس کا یہ اثر ہوا کہ اس کے عقیدت مند اس کے پاس جاتے ہوئے  
 ڈرتے رہے لیکن پھر انہوں نے شبیان کی ڈانٹ پھٹکار کی پروا نہ کی اور اس کے دروازے  
 پر میلہ سالگانا شروع کر دیا۔ اس کی کچھ سمجھ میں نہ آتا تھا کہ ان سے پیچھا کس طرح چھڑا  
 دے گناہی، جسے وہ عزیز رکھتا تھا، اس سے چھین چکی تھی اور اس کا نام و نشان  
 جبل لبنان کو پھلتا تک درخشش تک پہنچ چکا تھا اور قمرِ خلافت اس کے شہرے سے  
 گونجنے لگا تھا۔  
 اس کے پاس جو بھی آتا کچھ نہ کچھ نذرانہ ضرور لاتا لیکن یہ کچھ بھی قبول نہ  
 کرتا اور یہی کوشش کرتا کہ ہر آنے والے کو اپنے پاس سے کچھ نہ کچھ دے دے، مگر کسی



سے کچھ قبول نہ کرے۔ اگر پاس کچھ نہ ہوتا تو کوئی پھل ہی دے دیتا۔ چنانچہ پانچ سال کے اندر ہی اس کا اتنا شہرہ ہو گیا کہ اس سے پہلے کے فقرا اور درویشوں کے کاروبار بہت بڑا اثر پڑا۔ وہ دور دور تک ایک بے غرض درویش کی حیثیت سے مشہور ہو چکا تھا۔

ایک دن، صبح پہر کو اس کے پاس چند گھڑ سوار آئے اور انہوں نے شیبان کو مطلع کیا کہ خلیفہ ہشام بن عبدالملک آپ کی زیارت کو حاضر ہونے والا ہے۔

شیبان نے خستہ لہجے میں جواب دیا۔ ”تم لوگ خلیفہ سے جا کر کہہ دو کہ وہ میری زیارت کو ہرگز نہ آئے کیونکہ میں حکمرانوں سے حذر کرتا ہوں۔“

ایک گھڑ سوار نے کہا۔ ”یہ دوسرا ہماری اتنی مجال کہاں کہ یہی بات امیر المومنین سے کہہ سکیں۔ وہ آتے گے اور ضرور آتے گے، اس لئے آپ سے درخواست ہے کہ امیر المومنین کو ناراض نہ کیجئے وہ آپ کی یہ سرکیوں کی کٹیا، شاندار خانقاہ میں تبدیل کر سکتے ہیں۔ بس آپ کا ذرا سا اشارہ کافی ہو گا۔“

شیبان نے جواب دیا۔ ”مجھے اپنی یہ سرکیوں کی کٹیا بہت عزیز ہے، دیرینہ عریض سنگی خانقاہ پر قہر کا گمان ہونے لگتا ہے اور فقراء کو قصر اس نہیں آئے۔“

دوسرے گھڑ سوار نے درشت لہجے میں کہا۔ ”یہ کیسا درویش ہے جو امیر المومنین سے کمر ہائے دالانہ اسے یہ بات معلوم ہوتی چاہئے کہ یہ جس جگہ کٹیا ڈالے بیٹھا ہے۔ امیر المومنین ہی کی زمین ہے، امیر المومنین کی زمین پر بیٹھ کر امیر المومنین سے ہی حذر کرنا دماغی فتور نہیں تو اور کیا ہے۔“

شیبان کو غصہ تو بہت آتا لیکن وہ تزکیہ نفس اور عجاہدے سے غصے کو دبا چکا تھا چنانچہ اس وقت بھی صبر و ضبط سے کام لیا اور نرمی سے جواب دیا۔

”اے شخص تو نے یہ کس طرح کہہ دیا کہ یہ زمین امیر المومنین کی ہے، زمین تو اللہ کی ہے۔ امیر المومنین یہ زمین کہاں سے لاتے تھے؟“

گھڑ سوار جب واپس جانے لگے تو اس نے پھلوروں سے ان کی ضیافت کی اور ایک بار پھر انہیں منع کیا کہ وہ امیر المومنین کو یہاں نہ آنے دیں۔ ان معمولی گھڑ سواروں کو اتنا اختیار کہاں تھا کہ وہ ہشام بن عبدالملک کو شیبان کا صحیح جواب پہنچا دیں لیکن

ایک نے ہمت کی اور خلیفہ کو شیبان کا جواب پہنچا دیا۔ ہشام کے چہرے کا رنگ بدلا گیا، بول۔ ”اس درویش کی اتنی ہمت کہ امیر المومنین کو ٹھکرا دے۔ میں اس سے سمجھوں گا۔“

ہشام نے دوسرے ہی دن شیبان کے پاس جانے کا منصوبہ بنالیا۔ دمشق سے جبل لبنان میں داخل ہونے والی شاہراہ، جو شیبان کی کٹیا سے ذرا

دور ایک اور ہی طرف چلی جاتی تھی، ہشام بن عبدالملک اور اس کی سپاہ کے گھوڑوں سے روکری جا رہی تھی، کچھ راہوں سے اٹھنے والے گرد و غبار کے بگولے آسمان کی طرف

محو پرواز تھے جس سے میلوں دور یہ اندازہ لگایا جاسکتا تھا کہ کوئی غیر معمولی شخصیت اپنے حشم و خدم کے ساتھ حالت کوچ میں ہے۔ شیبان نے بھی اس گرد و غبار کو دیکھتے ہی اندازہ

لگالیا کہ ہشام بن عبدالملک اس سے ملنے کے لئے بڑھ چلا آ رہا ہے۔ پہلے تو اس کو ذرا خوف سا محسوس ہوا، پھر ہمت کر کے اپنی جگہ اور اپنے موقف پر اڑا رہا، بجائے اس

کے کہ وہ خلیفہ کا احترام کرتا اس سے خود کو گریزاں محسوس کرنے لگا۔ وہ خلیفہ کی آمد سے پہلے اپنی کٹیا سے مل جانا چاہتا تھا لیکن یہ سوچ کر باز رہا کہ خلیفہ سے کیوں ڈرا جائے ہر بات

صاف صاف، بے جھجک، دلیری سے اس کے رویہ کو دکھائی دے رہی تھی۔ اس کے مذاحوں اور عقیدت مندوں نے مبارک یاد دی کہ خدائے شیبان کی عبادت

اور ریاضت کو قبول کیا اور دنیا کے سب سے بڑے حکمران کو اس کی خدمت میں حاضری پر مجبور کر دیا۔ ان میں سے بعض نے یہ مشورہ بھی دیا کہ جب امیر المومنین اپنی ارادت اور عقیدے

کا اظہار کریں تو شیبان ان سے کہے کہ اس کی کٹیا کو شاندار خانقاہ میں بدل دیا جائے لیکن شیبان کو یہ ساری باتیں بے معنی اور فضول لگ رہی تھیں۔

ہشام کا ہر اول دستہ پہلے ہی آگیا اور اس نے شیبان کو مطلع کیا کہ فتور می درم بعد ہی امیر المومنین قدم در نجہ فرمانے والے ہیں۔ شیبان نے بے زاری سے کہا۔ ”لیکن میں

امیر المومنین سے بخوشی نہیں مجبوراً ملوں گا اور یہ بات میں نے امیر المومنین کے ان آدمیوں کو پہلے ہی بتا دی تھی، جو چند دن پہلے امیر المومنین کی آمد کی اطلاع دینے آئے تھے۔“

خلیفہ کے نمائندے نے شیبان کو ڈرانے کی کوشش کی، بولا۔ ”امیر المومنین کی درشت مزاجی مشہور ہے وہ جس شخص پر ناراض ہوتے ہیں، اسے سزاوارتہ دیتے ہیں اس لئے امیر المومنین کے سامنے ادب اور احترام کا خاص خیال رکھیے گا۔“

شیبان نے کوئی جواب نہ دیا۔ کچھ دیر بعد ہشام بھی وہیں پہنچ گیا، شیبان کے مذاح اور ارادت منداہر اور صفا گئے۔ ہشام کے آدمیوں نے کٹیا کے سامنے اور اس پاس گھوڑے چھوڑ دیئے جنہیں ان کے ساتھیوں اور دوسرے خدمتگاروں نے سنبھال لیا۔ ہشام کے ساتھ اس کا



حاجب غالب قاضی محمد بن صفوان اور کاتب سالم پیش پیش تھے۔ کھیا میں داخلے پہلے ہشام ادا اس کے ساتھیوں کی نظر اس قول پر پڑی جس میں محنت کو آرام سے گناہ کو نام و نشان سے اور داد و بخش کو قبول عطیات سے بہتر بتایا گیا تھا۔ ہشام نے اپنے ذہن سے پوچھا۔ ”یہ کیا خیال ہے۔ کیا یہ صوفی اپنے ان اقوال پر پورا اتر رہا ہو گا؟“

حاجب نے قدرے پس و پیش سے جواب دیا۔ ”بظاہر تو ایسا مشکل نظر آتا ہے کیونکہ صوفی محنت نہیں کرتا، یہی گناہی اور شہرت تو اس کے پاس شہرت تو ہے مگر گناہ کا کوئی سوال نہیں پیدا ہوتا، کیونکہ ہم اس کی شہرت ہی سن کر یہاں تک آتے ہیں کہ ہا تو کاتیسرا جزو کہ داد و بخش قبول عطیات سے بہتر ہے، تو اس کا بھی تجربہ ہو جائے گا لیکن فی الحال میں یہی کہہ سکتا ہوں کہ صوفی کے پاس دینے کے لئے ہوتا ہی کیا ہو گا، ہاں لینے کے لئے امکان ہے لیکن مل جائیں گے۔“

ہشام نے مسکرا کر خوش کا انداز کیا۔ بولا، ”غالب! تو درست کہتا ہے۔ یہی وجہ کا درد لالہ عقل کی کسوٹی پر پورے اترتے ہیں؟“

ہشام کچھ دیر تک کھیا کے باہر کھڑا اس بات کا منتظر رہا کہ سفیران کثیر سے نکل کر اس کا استقبال کرے تاہیں اس میں اسے مایوس ہوئی، اس میں اپنے حاجب سے کہا گیا ہے، ”صوفی میرے استقبال کے خاطر کھیا نہیں کیا ہے، میں اس سے ملاقات کرنے آیا ہوں۔“

حاجب نے جواب دیا، ”امیر المومنین! اس اندراج کے بتائے ہوئے کہ باہر المومنین میرے استقبال کے منتظر کھسکے ہیں۔“

انہما کہ کہ حاجب اندراج کیا اور سفیران کو خلیفہ کی آمد کی اطلاع دی۔

سفیران نے مکتوب جو کئے بغیر جواب دیا تو وہ باہر کیوں کھڑا ہو گیا، اندر کیوں نہیں آتا؟ حاجب نے کہا، ”کیا آپ نہیں جانتے کہ ہشام بن عبد الملک امیر المومنین ہیں اور آپ بھی مسلمان ہیں، اس شخص سے وہ آپ کے بھی امیر المومنین ہیں اور آپ پر ان کا احترام اور استعجال واجب ہے۔“

سفیران نے جواب دیا، ”ہاں! میں نے اس دنیا کو لٹ مار دی جہاں خلیفہ اور امیر المومنین ہوتے ہیں، جا، ہشام سے کہہ دے کہ جب اس کے دوست سے جملہ زبان تک کا زور دے کر لیا ہے تو اب چہ قدم لگے؟“

حاجب نے کہا، ”حضرت! میں نے امیر المومنین سے وعدہ کیا ہے کہ ان کے استقبال کے لئے آپ کو کھیا سے لے کر پہنچ رہا ہوں، اس وعدے کا پاس کیجئے اور میری شرم رکھ لیجئے۔“

سفیران نے جواب دیا، ”افسوس کہ میں تیری یہ نحو اہش نہیں لوری کر سکوں گا تو اکیلے

باہر واپس جا اور امیر المومنین سے کہہ دے کہ اپنے انتظار میں میرا مزید وقت نہ ضائع کریں۔“

حاجب نے پوچھا، ”تو آپ کا یہ آخری اور قطعی فیصلہ ہے؟“

سفیران نے جواب دیا، ”ہاں! یہ میرا آخری اور قطعی فیصلہ ہے۔“

حاجب کھیا سے نکل گیا اور ہشام کو مطلع کیا۔ ”امیر المومنین! مجھے تو یہ صوفی انتہائی بہر اخلاق اور بے ادب معلوم ہوتا ہے کہتا ہے کہ جب امیر المومنین دمشق سے یہاں تک آگئے ہیں تو اب مزید چند قدم چلنے میں کون سا امر مانع آرہا ہے؟“

ہشام مسئلے میں آگیا، اسے سفیران کی اہمیت کا کچھ اندازہ ہو رہا تھا، اس نے آہستہ سے بے خیالی میں کہا، ”تو اس صوفی کے یہ تیور ہیں! ابھی بڑی بات کہہ دی؟“

حاجب نے جواب دیا، ”جی امیر المومنین! امیر خلیل سے کہ یہ لوگ بڑے مردم شناس ہوتے ہیں اور اس طرح بے نیازی اور بے غرضی کا اظہار کر کے وہ کچھ حاصل کر لیتے ہیں جو غرض مند کے اظہار کے لئے نہیں حاصل کیا جا سکتا۔“

ہشام نے اپنے قاضی محمد بن صفوان سے پوچھا، اب مجھے کیا کرنا چاہیے؟ اس صوفی سے ملاقات کروں یا واپس چل جاؤں؟“

قاضی نے جواب دیا، ”امیر المومنین جیسے دنیا ہی چھوڑ دی ہو اس سے آداب دنیا پر تھے کی توقع فصول ہے، چھوڑ کر صوفی سے ملے بغیر نہیں واپس ہونا چاہیے۔“

ہشام اپنے ساتھیوں کو لے کر کھیا میں داخل ہو گیا، سفیران نے ابھی جگہ پر کھڑے ہو کر ان کا استقبال کیا، ہشام ادا اس کے ساتھیوں نے سفیران کو سلام کیا، سفیران نے سلام کو جواب دیکر کہا۔

صلیہاں! فرمائیے فقیر کی کھیا کیسے یاد آگئی؟“

ہشام نے کہا، ”میں نے کھیا کے باہر چند اقوال سنے، کیجئے ہیں، کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ آپ خود اس پر کس حد تک کا رتہ ہیں؟“

سفیران نے جواب دیا، ”ہشام! میں نے اس کے تینوں اجزاء پر کار بند رہنے کی کوشش کی ہے اور میرا خیال ہے کہ ابھی تک نصف اجزائی اس پر پورا اترے ہوں۔“

ہشام نے پوچھا، آپ کی گزر انفات کس طرح ہوتی ہے؟“

سفیران نے جواب دیا، ”میں کھیتوں اور باغیچوں میں محنت مزدوری کر کے اپنا پیٹ پالتا ہوں اور کسی کے گھر دست و پا کرتا نہیں رہتا۔“

ہشام نے کہا، ”آپ نے نام و نشان اور شہرت پر گمان کی ترجیح دی ہے حالانکہ میں دیکھ رہا ہوں کہ آپ گمان و گمان میں نہیں اور آپ کی شہرت دور دور تک پہنچ چکی ہے، یہ کیا بات ہے؟“



مشیمان نے جواب دیا: یہ شہرت اور ناموری لوگوں نے میری مرضی کے خلاف بخش دی ہے  
 وہ لوگوں کو میرا ایسا یہ حال ہے کہ میں کسی کو مرید نہ سمجھتا ہوں۔

ہشام نے کہا: آپ کا تیسرا قول یہ ہے کہ داد و دمشق، قتل و عطیات سے بہتر ہے حالانکہ یہاں  
 میں دیکھ رہا ہوں کہ اس کشمکش میں کسی کو دینے کے لئے کچھ نہیں دیتے۔ لینے کے لئے ہر طرف احتیاج ہی احتیاج  
 نظر آ رہا ہے۔ ان حالات میں آپ اپنے تیسرے قول پر کس طرح عمل کرتے ہیں؟

مشیمان نے اٹھ کر ایک منی کے مرتبان سے آٹھ دس سیب نکال کر ہشام اور اس کے ساتھیوں  
 کے سامنے رکھ دیئے۔ بولا۔

”صاحبان! اس وقت میرے پاس یہی کچھ ہے، خوش ذرائع؟“

ہشام کو کامل ہوا لیکن مشیمان کے اصرار نے مجبور کر دیا اور ہشام اپنے ساتھیوں سمیت سیب  
 کھانے لگا۔ جب یہ لوگ سیب کھا چکے تو مشیمان نے کہا: میرے پاس ان سیبوں کے علاوہ کچھ  
 بھی نہیں، جو پیش کر دوں؟

ہشام نے کہا: میں جانتا ہوں آپ کی ہر کی کشتیا کو بہترین خانقاہ تہذیبی کر دوں۔

مشیمان نے جواب دیا: میں اس کی اجازت نہیں دوں گا، میں یہیں بہت خوش ہوں۔  
 ہشام نے کہا: میں جس جذبہ عقیدت سے یہاں آیا ہوں، آپ کے انکار سے اس کو ٹھیس  
 پہنچے گی۔

مشیمان نے جواب دیا: نہیں ایسا نہیں ہو سکتا، اگر آپ نے میرے لئے رشتگی اور خوش نما  
 خانقاہ بنوادی تو آپ ہی رہے گا کیونکہ میں کہیں اور چلا جاؤں گا۔  
 ہشام نے سختی سے کہا: یہ کیا بات ہے کہ آپ صوفی ہونے کے باوجود بد اخلاقی سے پیش  
 آتے ہیں؟

مشیمان نے جواب دیا: میں بد اخلاقی سے نہیں پیش آتا، یہ تو تہام لگا ہوا ہے تو چاہتا  
 ہے کہ قصرِ خانقاہ بنو کر میری عبادت و ریاضت اور تقویٰ پر پانی بھر دے لیکن میں اس سے  
 بچنا چاہتا ہوں اور اس احترام اور گریز کو تو میری بد اخلاقی کہہ رہا ہے۔ ہشام یہ قہری طرے سے تہمت ہی  
 نہیں ظہر بھی ہے میرا دل نہ دکھائے۔

ہشام نے کہا: میں دمشق سے یہ فیصلہ کر کے نکلا ہوں کہ آپ کو کچھ نہ کچھ دے کر رہوں گا۔  
 مشیمان نے جواب دیا: تیری مقصدت اور میرے اعتدالات محمد و داد و عاصی ہیں پس  
 نے تو مجھے کیا دے سکتا ہے؟

ہشام نے صاحب سے کہا: غالب سے اتنے دینا دے دیتے کہ یہ باغیوں اور کھینڈوں کی خفت

مشیمان نے جواب دیا: میں کچھ بھی قبول نہیں کر دوں گا، تیری یہ کوشش فضول ہے۔

ہشام نے گرم ہو کر کہا: تو کیا دردِ دیش ہے کہ میری دل آزمائی کئے چلا جا رہا ہے اگر تیرے  
 اہموں کا اتنا ہی پامند اور عامل ہے تو مجھ سے کچھ لینے کی بجائے مجھے کچھ عطا کر دے کیونکہ تو نے کچھ نکلا  
 ہے کہ داد و دیش قبول عطیات قبول بہتر ہے عطیات قبول نہیں کرتا تو نہ کرنا داد و دیش تو کرنا۔

مشیمان نے جواب دیا: میں تم لوگوں کی خدمت میں کچھ بھلا اور پیش کر سکتا ہوں اس سے زیادہ  
 کہ تو میں استطاعت دکھتا ہوں نہ مقصدت؟

ہشام نے غصہ کرنا کہا: جب تجھ میں کچھ دینے کا مقصدت یا استطاعت نہیں ہے تو تو نے یہ اتنا برا  
 قول کیوں کچھ رکھا ہے؟

مشیمان نے جواب دیا: یہ قول میرے لئے ہی نہیں، سب کے لئے ہے تیرے لئے، تیرے  
 ساتھیوں کے لئے، دنیا کے شتم انسانوں کے لئے؟

ہشام نے صاحب سے پوچھا: اس دردِ دیش کی باتوں میں تلوار کی کاٹ ہے، اب میں کیا کر دوں؟  
 صاحب نے جواب دیا: اگر تجھے امیر المؤمنین کی خشکی کا خیال نہ ہو تا تو میں کشمکش و عاصی ہوں نہ مقصدت اور  
 اور امیر المؤمنین کو داپس جانے کا مشورہ دیتا۔

ہشام نے صاحب کی بات پر کوئی توجہ نہ دی، بلکہ قاضی ابن صفوان سے پوچھا: ابن صفوان! میں  
 تیرے کہنے پر اند آیا ہوں اب تو یہ بتاؤ کہ اس گھر سے اور مغرب و صوفی سے کس طرح پیش آیا جائے؟  
 قاضی نے جواب دیا: امیر المؤمنین! میرے خیال میں فقیروں سے الجھا مزاج نہیں ہے، اس لئے  
 انہیں ان کے حال پر ہی چھوڑ دیا جاتا ہے۔

ہشام نے درشت لہجے میں کہا: ابن صفوان! تو نے مجھے ذلیل کر لیا ہے اس لئے میں تجھے معاف نہیں  
 کر دوں گا کیونکہ اگر میں اپنے صاحب کو کہنا مان لیتا تو اس وقت اتنا ذلیل نہ ہونا پڑتا۔  
 قاضی نے مشیمان کی غصہ مندگی، عاجزی سے بولا: پرو مشر! میری عزت اہم در کھ بیٹھے درد  
 امیر المؤمنین مجھے معاف نہیں کریں گے۔

مشیمان نے پوچھا: بول میں کیا کر دوں کہ ہشام مجھے معاف کر دے؟  
 قاضی نے ہشام کی طرف دیکھا۔ ہشام نے کہا: میں تجھے کچھ دینا چاہتا ہوں، بول کیا لینا پسند  
 کرے گا؟

مشیمان نے جواب دیا: ہشام! ایک زمانہ واقف ہے کہ میں عطیات قبول نہیں کرتا لیکن آج  
 میں تیرے قاضی کی خاطر ایسا ہی قبول تو کرتا ہوں اور تیرا کوئی بھی عطیہ قبول کرنے پر تیار ہوں۔



مقام نے اعلان کیا: صوفی کو دو ہزار دینار تمہارے لئے جائیں اور خانقاہ سنبھلی تعمیر کی جائے۔

ان سے مانوس ہوتے ہیں کافی دقت لگے گا۔

اس نے چپ چاپ اپنی اس جگہ کو خیر باد کہا اور دمشق کے شمال میں سایہ شکن پہاڑ قاصیوں کی راہ لی۔ یہاں بھی بڑے بڑے غارتھے اور یہاں بعض غاروں میں انبیاء علیہم السلام اور بزرگانِ صالحین کی یادگاریں اور قبریں تھیں۔ یہیں مغارۃ الدّم نامی غار بھی ہے جس کی نسبت کہا جاتا ہے کہ قایل نے یہاں اپنے بھائی ہابیل کا خون بہایا تھا۔ یہاں خون کا ایک ایسا نشان بھی موجود ہے جس کے لئے یہ مشہور کر دیا گیا ہے کہ یہ ہابیل کا خون ہے جو خشک ہو گیا ہے۔ یہیں ایک ایسا پتھر بھی موجود ہے جس کی بابت کہا جاتا ہے کہ اس سے قایل نے اپنے بھائی ہابیل کا سر بھٹا تھا۔ ششیان کو اس سے اچھی جگہ نہیں مل سکتی تھی اس لئے اس نے یہیں کٹیائے جانے کا ارادہ کر لیا۔ ششیان نے جبل قاصیوں میں داخل ہوتے ہی مقاماتِ مقدسہ کی زیارت کی، اس کے بعد اس نے محسوس کیا کہ وہ ترکیہ و فلسطین اور مجاہد کے لئے اس سے مہتر جگہ نہیں پا سکتا تھا۔

اس نے یہاں بھی محنت اور مزدوری سے اپنی روزی کمانا شروع کر دی۔ اس نے اپنے لئے نگرہی کا مکان بنایا جس پر کسی قسم کا رنگ و روغن نہیں تھا، یہاں بھی ارادت مندوں میں اضافہ ہونے لگا اور شہرت چاروں طرف پھیلنے لگی۔ اس بار اس نے جس جگہ کٹیائے تھے یہ جگہ پہاڑی ہوتے ہوئے بھی مسطح تھی اور اس سے ذرا فاصلے پر ایک چشمہ رواں تھا۔ یہاں بھی انجیر، سیب، انگور اور پستے کے درختوں کی بھرمار تھی۔

یہاں کچھ ہی مدت بعد یہ سچہ رہ بھی ہوا کہ اس کے پرانے ارادت مندوں نے اسے تلاش کر لیا اور اس کے پاس حاضری دیتے لگے۔

ایک دن سہ پہر کو جب وہ لڑی کٹیائے میں داخل ہوا تو اس نے اپنی کٹیائے کے پیچھے ایک دھری کٹیائے دیکھی۔ ششیان کا خیال تھا اس جیسا کوئی ڈر اور دلش بھی شاید اس کے پڑوس میں آ گیا ہے۔ اس کو جستجو تو نہیں تھی لیکن ایک دن اچانک جو اس نئی کٹیائے کی طرف دیکھا تو حیران رہ گیا یہ بڑی شاندار کٹیائے تھی اور اسے پوری نگرہی اور احاطہ سے کارنگر دلا اور مزدوروں سے بخویا گیا تھا۔ اس کی چھت کو اس طرح پانچ گیارہ ہتھاکہ بارش میں پانی کا ایک قطرہ بھی نہیں ٹپک سکتا تھا۔ جب یہ کٹیائے تیار ہوئی تو ایک ادھیڑ عمر شخص نے ششیان کی خدمت میں حاضری دی اور عرض کیا: ”حضرت! میں آپ کی خدمت میں پہنچے ہی حاضری دیتے والا تھا لیکن پھر میں نے یہ سوچا کہ پہلے سر چھپانے کے لئے جگہ بنا دوں، اس کے بعد آپ کے نیاز حاصل کروں۔“

ششیان نے جواب دیا: ملاقات کمزوری مہربانی، ورنہ اس دنیا میں کس کے پاس

ششیان کے دل پر ایک جھوٹ لگی، آج اس کا اصول، اس کا پندار، ٹوٹ چکا تھا۔ جب غلیظ داپس جانے لگا تو اس نے عاجزی سے کہا: حضرت میرے لئے کوئی نصیحت؟ ششیان نے شکستہ دل سے کہا: اقتدار اور اختیار کے بے جا استعمال سے گریز، عورت کی افراط اور تفریط سے بچو، عفتیاء کر کے انفراد اور اختیار کی سب سے بڑی خرابی اسی عفتیاء سے ہے! جب یہ لوگ جانے لگے تو اس نے قاضی کو چودہ سے بلوایا اور دو ہزار دیناروں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا: ”یہ دو ہزار دینار میرے نہیں تیرے ہیں کیونکہ انہیں میں نے تیری خاطر قبول کیا تھا، اس وقت تو ہشام کے ساتھ دمشق واپس جا، لیکن پھر کبھی تنہا آکر دوبارہ دو ہزار دینار دے گا تو واپس لے جا، یہ میرے پاس تیری امانت ہیں۔“

قاضی شرمناک حاضری جواب دیا: ”نہیں میں ان دیناروں کو نہیں لے سکتا۔“ سن چھٹے کہا: ”اور میں ان دیناروں کو رکھ نہیں سکتا، اگر تو نہیں لے گا تو بعد میں انہیں ہشام کو واپس کر دوں گا۔“

قاضی نے کہا: ”اگر آپ ایسا کرینگے تو امیر المومنین کی خفاگی مول لیں گے اور پتہ نہیں غلط میں وہ کیا کر سکتیں؟“

ششیان نے کہا: ”تب پھر تو انہیں قبول کر لے۔“ قاضی نے پس و پیش سے کہا: ”پر درمشت! بات صرف اتنی سی ہے کہ اگر میں آپ سے یہ دو ہزار دینار لے بھی لوں گا تو اس کا علم کسی نہ کسی طرح امیر المومنین کو بھی ہو جائے گا اور آخر کار میں کسی عتاب کا شکار ہو جاؤں گا۔“

ششیان نے جواب دیا: ”یہ بات کسی تیسرے کو جب معلوم ہی نہ ہوگی تو ہشام تک کس طرح پہنچے گی؟“

بہر حال بدرجہ مجبوری قاضی کو یہ دو ہزار دینار قبول کرنا پڑے اور بعد میں ششیان نے خود کو اتنا ہلکا پھلکا محسوس کیا گویا اس کے سر پر ایک پہاڑ آگرا تھا، جسے اس نے تار پھینک کا ہتھکڑا ہشام کے چلے جاتے کے بعد ششیان کو فکر ہوئی کہ اب ہشام کے آدمی آئیں گے اور اس کی کٹیائے کو قسطنطنیہ خانقاہ بنا کر چلے جائیں گے جبکہ وہ خلیفہ کا احسان نہیں لینا چاہتا تھا۔ اس نے سوچا کہ یہ جگہ ہی چھوڑ دینا چاہیے۔ وہ ایک بار پھر نقل مکان پر مجبور ہو گیا تھا۔ اسے اس بات کا انسوس تھا کہ یہاں جو لوگ آتے تھے وہ ان سے بہت مانوس ہو گیا تھا، ادب اب وہ جس جگہ جا کر



اتحاد وقت ہے کہ اپنی ذات کے علاوہ کسی اور پر توجہ کر سکے ؟

پڑوسی نے پوچھا۔ ”حضرت یہ جو اقوال آپ نے اپنی کتیا کے باہر لکھ رکھے ہیں کیا پر آپ عمل بھی فرماتے ہیں ؟“

شیبان نے جواب دیا۔ ”حتی الوسع، حتی المقدور، خدا قول و عمل کے تضاد کی شرما سے محفوظ رکھے“

پڑوسی نے کہا۔ ”حضرت ! اس میں کچھ میری طرف سے اضافہ فرمالیں“

شیبان نے پوچھا ”وہ کیا ؟“

پڑوسی نے جواب دیا۔ ”اپنے اقوال کے نیچے لکھ دیجئے، تجربہ تاہل سے بہتر ہے“

شیبان کو شبہ گزرا کہ پڑوسی اس پر طنز کر رہا ہے کیونکہ اس نے ابھی تک مشاوری نہیں کی تھی۔ پڑوسی شیبان کی خاموشی کا مطلب سمجھ گیا، لہذا میں آپ سے مذاق نہیں کر رہا ہوں، ایک حقیقت بیان کر رہا ہوں۔“

شیبان نے جواب دیا۔ ”میں تیرا یہ قول نہیں سمجھ سکتا کیونکہ میں تاہل پر تجربہ کی بڑا اور بہتری ثابت نہیں کر سکتا“

پڑوسی نے شیبان کا زیادہ وقت نہیں لیا، چلا گیا، لیکن اسے دوسرے دن یہ معلوم ہوا کہ پڑوسی نے اس کی مرضی کے خلاف اس کے اقوال کے نیچے موم لٹا کر دیا تھا۔

”تجربہ تاہل سے بہتر ہے“

شیبان کو پڑوسی کی یہ حرکت ناگوار گزری۔ اس کے قول کے نیچے کسی اور کا اپنا قول لکھ دینا اس کے لئے لوگوں کو خطرناک بات سمجھتی کہ وہ اس کی صداقت کو ثابت نہیں کر سکتا تھا اور جس کی صداقت وہ ثابت نہ کر سکتا وہ اس کی ذمہ داری کس طرح قبول کر سکتا تھا۔ اس نے

پڑوسی کا قول مٹا دیا اور اس کا انتظام کرنے لگا کہ وہ آئے تو اس کو منع کر دیا جاتے کہ وہ آئندہ اپنا کوئی قول اس کے پتے قول کے آس پاس نہ لکھے، لیکن پڑوسی نہیں آیا۔ دو دن بعد

وہ خود ہی پڑوسی کے در پر پہنچ گیا اور دستک دی، لیکن اندر سے کسی مرد کی جگہ عورت کی آواز سنائی دی۔ ”کون ؟“

شیبان چکر لگا، دی دلی آواز میں پوچھا۔ ”کی کوئی مرد اندر نہیں ہے ؟“

کسی دوسری لڑکی نے آواز سنائی۔ ”آواز نے آپس میں کہا۔“ ”ماں یہ تو اپنے صوفی جی کی آواز معلوم ہوئی ہے۔“

شاید رات یہ دونوں عورتیں دروازے کے پاس ہی آجکی تھیں۔ ایک عمر رسیدہ زنانہ

آواز نے پوچھا۔ ”پرورشند ! آپ کسے پوچھ رہے ہیں ؟“

شیبان نے ہنسی آواز میں پوچھا۔ ”کیا اندر کوئی مرد نہیں ہے ؟“

جواب ملا۔ ”نہیں ان سے آپ کو کام کیا ہے ؟“

شیبان نے پوچھا۔ ”لیکن دو دن پہلے تو اس میں ایک صاحب موجود تھے، وہ کہاں چلے گئے ؟“

عورت نے جواب دیا۔ ”ماں دو دن پہلے بے شک یہاں تھے لیکن اب وہ چلے گئے اور پتہ نہیں اب وہ کب واپس آئیں گے اور کون جانے کہ واپس آئیں گے بھی یا نہیں !“

کسی لڑکی نے کہا۔ ”ماں ! صوفی جی کو ساری باتیں بتا دو“

شیبان کے کان میں ایک غصے بعد کسی لڑکی کی مترنم آواز پڑی تھی۔ اس کا سارا وجود ہل گیا اور پورے جسم میں سرور و کیف سا دور گیا۔ اس لمحے اسے دونوں راہبوں کا قول یاد آ گیا، جس میں عورتوں اور پادریوں سے دور رہنے کی تلقین کی گئی تھی، وہ شاید بھاگ

کھڑا ہوتا لیکن فوراً ہی اسے اپنے مسلمان ہونے کا احساس ہوا اور اسلام میں عورتوں سے حذر کرنے کی تلقین نہیں کی گئی ہے۔ پھر بھی وہ اپنے قابو میں نہیں تھا، بیشکل پوچھا۔ ”کیا میں معلوم کر سکتا ہوں کہ آپ کے خاندان کا مرد کہاں چلا گیا اور کیوں چلا گیا ؟ اور اب آپ لوگوں کی

کفالت کون کرے گا ؟“

غالباً لڑکی کی ماں نے کہا۔ ”ناک ! تو اندر جا، میں بات کرتی ہوں۔“ اس کے بعد

شیبان سے کہا۔ ”حضرت ! جیسا کہ میں نے بتایا کہ میرا شوہر چلا گیا ہے اور میں نہیں معلوم کہ وہ کب آئے گا اور یہ کہ وہ آئے گا بھی یا نہیں۔ رہا اس کہنے کی کفالت کا مسئلہ تو اللہ مالک ہے۔“

شیبان نے زیادہ جستجو نہیں کی کیونکہ رسول اللہ کا یہ قول اسے یاد تھا کہ ”میں نے جب عورت سے بات کی تو اس نے خود میں یہ تبدیلی محسوس کی کہ اس کا سکون تباہ ہو چکا تھا اسے اپنے بڑے بیوی سے بڑی ہمدردی ہو گئی تھی، کسی ارادے کے بغیر وہ یہ سوچنے لگا کہ ان غریب عورتوں کا کیا حشر ہو گا ؟ کسی مرد کے بغیر کام کس طرح

چلے گا ؟ اس دن عبادت اور مراقبہ میں بھی اسے یہی خیال شاتابا۔

رات کو جب وہ تہجد کی نماز پڑھ رہا تھا تو ذہن میں طرح طرح کے سوالات ابھرتے

لگے۔ اس نے کئی بار کوشش کی کہ ان پر اگندہ اور فضول سوالوں سے بچھا چھڑکے لیکن ناکام رہا اس رات عبادت میں بھی وہ مرہ نہیں آیا۔ رات نیند بھی صحیح طرح نہیں آئی، اور جب سو یا تو

خواب بھی عجیب عجیب سے نظر آتے رہے۔ صبح فجر کی دو رکعت کے دوران اس نے سوچا کہ



اگر پڑوسی داپس نہ آیا تو ان عزیز عورتوں کا کیلئے گا، پھر اس سوال کو اس خیال نے رد کر دیا کہ یہ تیرا مسئلہ نہیں ہے تو خواہ مخواہ سوچ سوچ کر ہلکان ہو رہا ہے لیکن اس لمحے اسے رسول اللہ کی وہ حدیثیں یاد آ گئیں جن میں آپؐ نے پڑوسیوں کے بارے میں اتنی ہدایتیں کی تھیں کہ یہ شبہ پیدا ہو گیا تھا کہ پڑوسیوں کو کہیں دہشتے میں بھی شامل نہ کر لیا جائے۔ ان حدیثوں کی مدد سے اس پر یہ فرض ہو گیا تھا کہ پڑوسی کی عدم موجودگی میں وہ ان دونوں عورتوں کا خاص خیال پیدا ہوتا اور دوسرا اسے رد کر دیتا۔ یہاں تک جب اس نے سلام پھیرا تو اس دہم نے اسے پریشان کرنا شروع کر دیا کہ اس کی نماز نہیں ہوتی۔

اس دن وہ گھیسوں پر بھی نہیں جاسکا، پڑوس کا خوبصورت اور مضبوط کھانا نما مکان اس کی گھٹیا کی پشت پر تھا، دونوں کی پشتیں ایک دوسرے سے ملی ہوئی تھیں اور پڑوسی نے پشت کی مضبوطی پر کوئی خاص توجہ نہیں دی تھی کیونکہ اس کے خیال میں یہ جھڑپ شیبان کی وجہ سے بالکل محفوظ تھا۔ شیبان نے اپنی گھٹیا کوندہ سے بند کر لیا اور اندر کے عقبی حصے سے دوسری طرف دیکھنے کی کوشش کرنے لگا۔ میر کی دڑوؤں سے دوسری طرف کا سب کچھ نظر آ رہا تھا۔ اس نے ایک چالیس پینتالیس سالہ عورت کو کچھ پکارتے ہوئے دیکھا لیکن وہ اس لڑکی کو دیکھتا چاہتا تھا، جسے اس عورت نے نائلہ کہہ کر مخاطب کیا تھا اور جس کی مترجم آواز نے اس کے کانوں کے راستے دل اور پھر بلورے جسم میں ایک دس ایک کیف سا گھول دیا تھا لیکن وہ لڑکی کہیں بھی نظر نہ آئی۔ ایسا لگتا تھا جیسے اس گھر میں اس ایک عورت کے سوا کوئی رہتا ہی نہ ہو۔

اچانک عورت نے آواز دی۔ "نائلہ تو اندر کیا کر رہی ہے ذرا ادھر میرے پاس تو آ۔"

جواب میں نائلہ کی مترجم سے لہریز آواز سنائی دی۔ "آئی ماں، ابھی آئی۔"

اس کی آواز نے شیبان کے جسم میں سستی سی دھڑادی اور دل زردہ زردہ سے دھڑکنے لگا۔

اسی لمحے گھٹیا کے در پر کسی نے دستک دی۔ شیبان کو کسی کی اس بے موقع آمد پر سخت غصہ آیا، وہ ہارستور لڑکی کو دیکھنے میں منہمک رہا، کسی نے زور زور سے دستک دینا شروع کر دی، اور نائلہ تھی کہ ابھی تک آپس آئی تھی۔ شیبان نے باؤں و مخوامتہ گھٹیا کا دروازہ کھولا، سامنے اس کے کھیت کا ایک دوسرا مرد ور کھڑا تھا، اس نے کہا۔ "حضرت! آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے؟ آج آپ کام پر نہیں پہنچے کوئی خاص بات؟"

شیبان نے بے دلی سے جواب دیا۔ "آج میری طبیعت کام پر راجع نہیں تھی، اس لئے نہیں پہنچا، کوئی خاص بات نہیں ہے۔"

مزدور نے کہا۔ "کھیت کے مالکان کو الگ فکر تھی، انہوں نے مجھ سے کہا کہ میں آپ کی خیریت معلوم کر آؤں، چنانچہ میں آ گیا۔"

شیبان نے یرستور بے دلی سے کہا۔ "ہاں میری طبیعت تو بالکل ٹھیک ہے بس کام کرنے کو جی نہیں چاہا۔"

مزدور چپ ہو گیا، شیبان باتوں کو طول نہیں دینا چاہتا تھا، وہ چاہتا تھا کہ جلد از جلد داپس چلا جائے لیکن مزدور اس طرح اطمینان سے بیٹھ گیا کہ اٹھنے کا ارادہ ہی نظر نہ آتا تھا۔ شیبان کو یہ قلبی دکھ پہنچ رہا تھا کہ افسوس اگر نائلہ ماں کے پاس آئی بھی ہوگی تو وہ اسے نہیں دیکھ سکے گا، وہ پھر اپنی جگہ واپس جا بیٹھے گی۔ اسے مزدور پر غصہ آ رہا تھا۔ جو اٹھنے کا نام ہی نہیں لے رہا تھا۔ اس نے مزدور سے پوچھا۔ "مجھ سے کوئی اور کام؟"

مزدور نے جواب دیا۔ "آپ سے کام تو کوئی نہیں، معلوم نہیں کیوں آپ کی صحبت میں بڑا جی لگتا ہے اور اٹھنے کو دل ہی نہیں چاہتا۔"

شیبان نے کہا۔ "ایسی تو کوئی بات نہیں اور پھر میری وجہ سے تم اپنا نقصان کیوں کرو، جاؤ اور محنت مزدوری کر کے بیوی بچوں کا پیٹ پالو۔"

مزدور پر اس نصیحت کا کوئی خاص اثر نہ ہوا، بولارہ "حضرت! لوگوں کو حیرت اس بات پر کہ آپ نے نورجوانی میں دنیا چھوڑ دی، یہ بڑا مشکل کام ہے۔"

شیبان نے نائلہ کی کوشش کی، بولارہ "اس میں کمال کی کیا بات ہے بس میرا دل دنیا سے بیزار ہو گیا اور میں نے دنیا چھوڑ دی اور یہ کام ہر وہ شخص کر سکتا ہے جسے خدا کی توفیق حاصل ہو جائے۔"

مزدور نے انکسار اور عقیدت سے عرض کیا۔ "حضرت! میرا دل بھی دنیا سے اچھا ہو چکا ہے اور آج کئی دن سے میں یہ سوچ رہا ہوں کہ آپ ہی کی طرح دنیا کو لات مار دوں اور آپ کے قدموں میں آ رہوں، اس لئے آج میں نے بھی کام نہیں کیا اور آپ کے پاس چلا آیا۔"

شیبان کو اور زیادہ غصہ آیا۔ یہ مزدور تو اس کے حق میں بلاتے بے دماغ ہو گیا تھا، شیبان نے اسے نصیحت کی۔ "یرے بیوی بچے ہیں اس لئے تو دنیا کو ترک کرنے کا اپنے دل میں خیال تک نہ لانا۔ اس وقت کام پر واپس جا اور محنت مزدوری سے حق نہ چرہ یرے سر پر بڑی دھڑے داریاں ہیں۔"



مزدور نے اصرار کیا۔ ”حضرت! آپ کچھ بھی کہیں، میں یہیں آپ کے پاس ہوں گا اور آپ کا خدمت کروں گا، آپ کی پیادری باتیں سنوں گا۔“

سشیان نے دیکھے لب و لہجے میں کہا۔ ”لیکن میں تجھے یہ مشورہ نہیں دوں گا کہ تو آج میری طرح چھٹی ہی کرنا چاہتا ہے تو اپنے یہ فرصت اور فراغت کے لمحات اپنے ہی ہاتھوں میں گزرا کر کیونکہ تیرا یہ عمل بھی عبادت ہی میں شمار کیا جائے گا۔“

لیکن مزدور پر ان باتوں کا کوئی اثر نہ ہوا، بولا۔ ”بیوی بچوں میں پینس کر رہا ہوں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ آدمی اگر اللہ سے کو لگنے کی نیت رکھتا ہو تو اسے شادی نہیں کرنا چاہیے۔“

سشیان نے جواب دیا۔ ”یہ تو کسی باتیں کر رہا ہے، جب تک آدمی شادی نہیں کرتا۔ ادھر اور رہتا ہے، اب تم بھی کو دیکھ لو، میں معلوم نہیں کیا ہوں لیکن اپنی جگہ یہ بھی معلوم ہے کہ میں ایک ادھر انسان ہوں اور اس وقت تک ادھر رہا ہوں گا جب تک میری شادی نہیں کروں گا۔“

مزدور نے حیرت سے کہا۔ ”واہ جناب! یہ آج کیسی باتیں کر رہے ہیں آپ؟“ سشیان نے جواب دیا۔ ”میں جو کچھ بھی کہہ رہا ہوں خلوص اور ایماندارانہ سے کہہ رہا ہوں۔“

مزدور نے سشیان کے احترام میں زیادہ الجھنا مناسب نہیں سمجھا۔ سشیان نے بے رخی سے کہا۔ ”میں آرام کرنا چاہتا ہوں، اب تم اپنے گھر جاؤ۔“ مزدور کھسیانا ہو کر کھٹکے سے نکل گیا لیکن وہ سوچ رہا تھا کہ آج یہ سشیان کو یہ کیا گیا ہے۔

سشیان نے کتیا کو اندر سے بند کر لیا اور دوبارہ عقبی حصے سے دوسری طرف جھانکنے لگا، لیکن اب وہاں نہ ماں تھی نہ اس کی بیٹی، دونوں ہی اندر چلی گئی تھیں۔ وہ مزدور کو برا بھلا کہنے لگا۔ وہ بڑی دیر کھڑا نائلہ کے باہر نکلنے کا منتظر رہا لیکن وہ نہیں نکلی یہاں تک کہ پاؤں جواب دے گئے اور وہ آنکھیں بند کر کے چٹائی پر لیٹ گیا۔ کچھ دیر تک وہ نائلہ کے تصور ہی میں کھویا رہا لیکن پھر اس کے وجود میں نہ رہا و تقویٰ پیدا ہو گیا اور اپنی تقویٰ دیر پہلے کی حرکتوں پر نادم اور شرمسار ہو گیا اس کا دل گھبرا یا اور خود پر رعت ملامت کرنے لگا اس نے سوچا دونوں ماہب پرچ ہی کہہ رہے تھے کہ عورتوں سے حذر کرنا چاہیے۔

ظہر کی نماز میں دو ایک بار پھر نائلہ کا خیال آیا لیکن اس نے قابو پالیا اور اپنا دھیان زبردستی اللہ کی طرف رکھا لیکن اس جبر اور زبردستی میں بھی نائلہ کے خیال کی جھلکیاں آتی جاتی رہیں، نماز پڑھ چکنے کے بعد وہ سجدے میں گر کر روتے لگا اس کی سیاہ وارہی آنسوؤں سے تر ہو گئی۔ وہ روتے روتے کہنے لگا۔ ”اے میرے رب! مجھے لغزش سے بچا اور نائلہ کا خیال دل سے دور کر دے، مجھ سے میری بیٹائی چھین لے کہ میں نائلہ کو دیکھ ہی نہ سکوں، میری سماعت چھین لے کہ میں اس کی آواز ہی نہ سن سکوں، میرے پیروں کی توانائی نائلہ کے روتے کہ میں نائلہ کی جستجو ہی نہ کر سکوں۔“

مناجات کے بعد اسے سکون سا آ گیا۔

رات کو عشاء کے بعد کسی نے کتیا کے در پر دستک دی، سشیان نے پوچھا۔ ”کون ہے؟“ باہر سے جواب ملا۔ ”حضرت! میں ہوں نائلہ کی ماں، دروازہ کھولے۔“

سشیان کا دل ایک بار پھر دوسرے دھڑکا، مگر اس نے دل پر قابو پانے کی کوشش کی، پوچھا۔ ”اس وقت میرے پاس کیوں آئی ہو؟“

عورت نے خوشامردانہ کہا۔ ”دروازہ تو کھولے۔“

سشیان کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ دروازہ کھولے یا نہ کھولے۔ عورت نے خوشامردی۔ ”حضرت! خدا کے لئے دروازہ کھولے میں بہت پریشان ہوں سشیان نے دروازہ کھول تو دیا لیکن یہ فیصلہ بھی کر لیا تھا کہ وہ اس عورت کو سختی سے منع کر دے گا کہ اس کے پاس آئندہ نہ آتے۔“

دروازہ کھلتے ہی عورت اپنی بیٹی نائلہ کے ساتھ اندر داخل ہو گئی۔ سشیان نائلہ کی جھلک دیکھتے ہی بدحواس ہو گیا اندر کمزور کو کا چراغ جل رہا تھا۔ سشیان نے چراغ کی کمزور روشنی میں نائلہ کو بہر چراغی طرح دیکھنے کی کوشش کی، نائلہ نے بھی اسے ایک نظر دیکھا اور شرما کے گردن جھیکا لی۔

سشیان نے ان دونوں کو چٹائی پر بیٹھا دیا اور خود ان دونوں کے سامنے ایک پتھر پر بیٹھ گیا۔

کچھ دیر دونوں کی طرف سے خاموشی رہی، عورت کتیا کا چائزہ لیتی رہی اور نائلہ نے مستقل ”مر جھکا لیا۔ سشیان چوری چھپے نائلہ پر نظریں ڈال کر مہم جاتا۔

چانک عورت نے شک تیا کہا۔ ”پر دمر شد! میں ایک دکھیا عورت ہوں، میرا شوہر بڑا ہی ہے یا کچھ اور میں نہیں جانتی۔ وہ اگر دیر پتھر خود کو اس عہد کا بہت بڑا روحانی آدمی



ظاہر کرتا ہے۔ وہ کہتا ہے مجھ پر ایسا ہوتا ہے کبھی یہ کہتا ہے کہ اس کے پاس فرشتے آتے ہیں۔ وہ دیتے صاف دیکھتا ہے میں اس کی باتوں سے عاجز آتی ہوں تھی اور ہم دونوں میں ان باتوں پر اکثر دیشتر جھگڑا بھی ہوتا رہتا تھا۔

شعبان نے پوچھا: ”تم دونوں کے یہاں آنے کا کیا سبب ہوا؟“

عورت نے جواب دیا: ”وہی تو میں بتا رہی ہوں۔ ایک دن فجر کی نماز پڑھ کر وہ سو گیا اور کچھ دیر بعد جرمیدار ہوا تو کہنے لگا، خدا نے مجھے حکم دیا ہے کہ اپنی بیوی اور بیٹی کو کسی دیرانے میں چھوڑ آؤ، اور ان دونوں کو اس وقت تک دیرانے میں رہنے دو جب تک خدا دوبارہ یہ حکم نہ دے کہ انہیں گھر واپس لے آؤ، چنانچہ وہ خدا کے حکم کی تعمیل میں ہم دونوں کو اس دیرانے میں چھوڑ گیا۔“

شعبان نے کہا: ”خدا نے اسے یہ حکم کیوں دیا؟“

عورت نے جواب دیا: ”یہ نہیں، لیکن میرا شوہر یہ کہتا تھا کہ یہ اس قسم کا حکم جیسا حضرت ابراہیم کو دیا گیا تھا۔“

شعبان نے انہیں سے کہا: ”لیکن یہ ظاہر ہے کہ خدا اپنے بندوں پر ظلم نہیں کرتا اس میں بھی اس کی کوئی سمجھوتہ ہوگی۔“

عورت نے جواب دیا: ”میں نہیں جانتی کہ اس میں خدا کی کیا مصلحت ہے۔ معلوم نہیں مجھے یہاں کب تک رہنا ہوگا، یہ سوچ سوچ کر میرا دل ہوتا ہے کہ اگر آپ نہ ہوتے مارے ڈر کے ہم دونوں کا حشر کیا ہوتا۔“

شعبان نے جواب دیا: ”ڈرنے کی کوئی ضرورت نہیں، آپ دونوں اللہ سے نوا ساری مشکل آسان ہو جائے گی۔“

عورت نے اپنی بیٹی نانکھ سے کہا: ”تو سر جھکائے کیا بیٹھی ہے، اب پیر و مرشد ہمارے عزیز اور سر پرست ہیں، ان سے کیا مرنا مانا۔“

نانکھ نے سر جھکا دیا اور شعبان سے نظریں جو لین تو گویا بجلی سی کو نہ گئی، شعبان کو پسینہ آ گیا۔

عورت کچھ دیر بیٹھ کر واپس جانے لگی تو ماں کے اشارے پر نانکھ نے کہا: ”میرے گزارش ہے کہ جب تک ہم لوگ آپ کے پڑوسی ہیں، آپ کے کھانے کا بندوبست ہم کر دیا، شعبان نے تکلفاً جواب دیا: ”اس کی کوئی ضرورت نہیں۔ میرے لئے کسی زحمت

میں پڑنے کی کوئی ضرورت نہیں۔“

عورت نے اصرار کیا: ”جین پیر و مرشد، نانکھ جو کچھ کہہ رہی ہے، درست کہہ رہی ہے، آپ کا پیر و مرشد ہمارے لئے باعث برکت ہے۔ میں آپ کی یہ بات نہیں مانوں گی۔“

وہ دونوں چلی گئیں لیکن شعیان کو پیریشانی میں ڈال گئیں۔ نانکھ اس کے دل و دماغ پر مستولی ہوئی جا رہی تھی۔ نانکھ کے آنے، شرمائے اور مترنم آواز سے دس گھولے تک

سادہ یا تین دل و دماغ میں مرتسم ہو گئی تھیں اور یہ کسی ادا سے اور توجہ کے بغیر ہو رہا تھا۔ شعیان کا کسی کام میں دل ہی نہیں لگ رہا تھا۔ نصف شب کے بعد جب وہ آہی کے لئے

کھڑا ہوا تو اس کا دل اچانک تھا، اس نے بڑی کوشش کی کہ اپنی سابقہ یکسوئی واپس لے آئے لیکن ناکام رہا۔ جب وہ سجرے میں سیان رہی الا علیٰ کہہ رہا ہوتا تو تصور میں نانکھ

کھڑی حکمران ہی ہوتی۔ اس نے اپنے ان سجدوں اور نمازوں کے عوض پھر سے عبادت شروع کی اور اس بات کی کوشش کی کہ نیت نماز سے لے کر رکوع و سجود اور سلام تک اللہ کے سوا

نانکھ کا خیال تک نہ آئے لیکن اس بار بھی ناکامی ہوئی اور نانکھ کا پیکر خیال اس کے دل و دماغ پر طاری رہا۔ اس جہد و جہد میں رات ختم ہو گئی اور فجر طلوع ہوئی۔ اس نے فجر کی نماز

کے لئے نماز تازہ وضو کیا اور دیر تک شیطان پر ملا جمل پڑھنے کے بعد فجر کی نماز شروع کی، لیکن اس نے فوراً ہی یہ محسوس کر لیا کہ شیطان نانکھ کے ذریعے اس کی تباہی کے درپے ہے۔

نماز کے بعد اسے اپنی حالت پر رونا آ گیا۔ وہ مصیقت پر ہی آنکھیں بند کر کے لیٹ گیا۔ شدت جذبات سے اس کی آنکھیں سیمڑ آئیں اور وہ رونے لگا۔ اس کے ہونٹ لرزنے

لگے اور بڑی رقت سے دعا مانگی گئی: ”رب العالمین! میں تیرا کمزور اور مجبور بندہ ہوں۔ یہ نانکھ کو بھیج کر تو نے مجھے کس آزمائش میں ڈال دیا۔ میں تجھ سے کسی قسم کی رعایت نہیں چاہتا

لیکن فی الحال اتنا کرم کر کہ میرے ان سجدوں کو بھی مشرف قبولیت بخش، جو نانکھ کے تصور سے آلودہ ہوں۔ میرے رب! مجھے اس عذاب سے نکال اور صبح راستہ دکھا، بتا کہ ان حالات میں

میں، میں کیا کروں؟“

ابھی وہ مناجات سے فارغ بھی نہ ہوا تھا کہ باہر سے عورت کی آواز سنائی دی۔

”پیر و مرشد! صبح کا کھانا میں بھیجوں گی۔ نانکھ تیار کر رہی ہے۔ آپ نہ پکڑتے گا۔“

شعیان نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اس وقت اس میں اتنی اہمیت نہیں تھی کہ وہ کوئی جواب دیتا۔ چپ چاپ پڑا رہا۔ عورت جواب نہ پا کر یہ سوچ کر واپس چلی گئی کہ شاید

پیر و مرشد کی آنکھ لگ گئی۔



کھیت پر کام کرنے والوں نے اچھی طرح محسوس کر لیا کہ ششیان کسی انتشار کا شکار ہے وہ اپنے ساتھیوں سے الگ تھلگ چپ چاپ کام میں لگا رہا۔ شام کو اجرت لی اور سیدہ کٹیا میں جانے کے بجائے بے مقصد ادھر ادھر گھومتا، عصر مغرب کی نماز میں بھی راہ میں پڑھ لیں، رات کے اندھیرے میں جب وہ کٹیا میں داخل ہوا تو مکان سے برا حال تھا۔ اس نے چراغ جلا لیا۔ اپنے ساتھ کچھ پھل لیتا آیا تھا۔ انہیں کھا کر عشاء کے لئے وضو کیا اور مصیٰ پر کھڑا ہو گیا۔ کٹیا کا دروازہ کھلا رہ گیا

نماز سے فارغ ہونے کے بعد جب وہ مصیٰ سے اٹھا تو اسے اپنی چٹائی پر نائکہ اور اس کی ماں بیٹھی دکھائی دیں۔ نائکہ کے ہونٹوں پر تبسم تھا اور وہ ششیان کو بڑے غور سے دیکھ رہی تھی۔ ششیان کے ضبط و احتیاط کا پیمانہ لبریز ہو گیا۔ اس نے مسکراتے ہوئے پوچھا: "ارے یہ تم ہو! خوب! کب آئیں؟"

نائکہ کی ماں نے جواب دیا: "ابھی ابھی آئی تھیں اور یہ آپ صبح بتائے بغیر کہاں چلے گئے تھے؟"

ششیان نے کہا: "شاید آپ کو یہ بات نہیں معلوم کہ میں محنت مزدوری کر کے گز بسر کرتا ہوں۔ میں کام پر چلا گیا تھا؟"

نائکہ کی ماں نے شکایتاً کہا: "لیکن ہم دونوں نے آپ کا بڑا انتظار کیا۔ آپ کا کھانا ابھی تک دکھلے، شاید آپ نے ابھی تک ہمیں اپنا نہیں سمجھا؟"

ششیان نے جواب دیا: "یہ بات نہیں ہے میں آپ دونوں کو اپنا ہی سمجھتا ہوں لیکن آپ میرے کھانے کی ذمہ داری اپنے سر نہ لیں، کیونکہ یہ بات مجھے پسند نہیں ہے؟"

عورت نے پوچھا: "آخر پسند کیوں نہیں ہے؟"

ششیان نے جواب دیا: "اس لئے کہ میں نے خود کو اللہ تعالیٰ کے حق میں ہرگز نہیں ہے اور اپنے سارے کام اپنے ہاتھ ہی سے کرنا چاہتا ہوں، آپ دونوں کا قیام عارضی ہے اور مجھے زندگی بھر یہیں رہنا ہے اس لئے میں آپ کے سہارے رہ کر خود کو ضائع نہیں کر سکتا۔"

نائکہ کی ماں کو ششیان کی باتیں ناگوار گزریں، بیٹی کا ہاتھ پکڑ کر کھڑی ہو گئی، بولی: "نائکہ چل اپنے گھر چلیں، میں پیر و مرشد کو ناراض نہیں کر سکتی، میں نے ان کے وجوہ کو یہ غنیمت جانا تھا لیکن ان کی اس وقت کی باتوں سے مجھے یہ اندازہ ہوا کہ آدمی کو ماحول کیلئے کیا بتا دیتا ہے، لوگ دیرانیوں میں رہ کر وحشی ہو جاتے ہیں۔ انہیں آدمیوں کی صحبت سے ڈرنا یا انہیں محسوس ہونے لگتی ہے، اب میں پیر و مرشد کو کبھی کوئی تکلیف نہ دوں گی؟"

نائکہ نے ماں سے کہا: "لیکن پیر و مرشد نے جو بات کہی ہے اس میں فقر اور عاجزی پائی جاتی ہے۔ مجھے تو ان کی بات میری نہیں لگتی۔ پھر آپ کیوں برا مان گئیں؟"

ماں کو اور غصہ چڑھا، نائکہ کا ہاتھ چھوڑ دیا اور کٹیا سے جاتی ہوئی بولی: "اگر تو یہاں بیٹھنا چاہتی ہے تو بیٹھ، میں جی؟"

نائکہ اس کے پیچھے دوڑی اور بولی: "ماں! تم مجھے کس کچ پاس چھوڑے جا رہی ہیں بھی ساتھ چلوں گی؟"

ماں نے جواب دیا: "لیکن..... میں نے جو فیصلہ کیا ہے اپنے لئے کیا ہے، تو اس خشک پیر کے پاس بیٹھ اور ان کے وعظ سنتی رہ کیونکہ دین و دنیا انہی وعظوں سے سدا سرتے ہیں؟"

ماں چلی گئی، بیٹی ششیان کے پاس ہی بیٹھی رہی، ششیان نے بتی کی بو بڑھائی جس سے روشنی بڑھ گئی۔ اس نے نائکہ کی ماں کی عدم موجودگی میں نائکہ کو اچھی طرح دیکھا اور اس نے پیر

منجا کو نائکہ جیسی حسین لڑکی اس نے پہلے کبھی نہیں دیکھی، ہیضوی چہرے پر بار بار دھنکی بڑی بڑی آنکھیں، ناک ستوان، دانت چھوٹے چھوٹے، آنکھوں میں ایک خاص ہلکے اور کشش! اس نے بڑی

اداسے پوچھا: "کیا آپ امین بیچ پت غیر سمجھتے ہیں؟"

ششیان نے جواب دیا: "نہیں تو، ایسی کوئی بات نہیں۔ بات صرف اتنی سی ہے کہ میں خود کو کاہل یا بے عزت نہیں بنانا چاہتا میں تم لوگوں پر بار نہیں بنانا چاہتا؟"

نائکہ نے کہا: "ایک ذرا سی بات میں آپ کہاں تک چلے گئے؟ آپ نے ہمارا دل توڑ دیا میری ماں پہلے ہی بڑے دکھ چھیل چکی ہیں۔ اب یہاں آپ نے بھی انہیں اذیت پہنچائی نہیں آپ سے درخواست کروں گی کہ انہیں دکھ نہ پہنچائیں، ان کا دل نہ توڑیے آپ کو جو زیادتی کرنی ہو، میں حاضر ہوں، شوق سے کیجئے؟"

ششیان کے وہم و گمان میں بھی یہ بات نہیں تھی کہ نائکہ اس سے یوں بے تکلف ہو کر بات کرنے لگے گی۔ وہ کچھ دیر بڑی محبت سے نائکہ کی صورت دیکھتا رہا، نائکہ نے بھی

ششیان کی دانتنگی کو محسوس کر لیا کچھ دیر تک جواب نہ پا کر بولی: "آپ نے میری بات کا جواب نہیں دیا؟"

ششیان نے جواب دیا: "نائکہ! میں تیری باتوں کا کیا جواب دوں؟ میں تیری ماں تو

کیا کسی کا بھی دل نہیں دکھا سکتا۔ نائکہ! میں صوفی ہوں اور صوفی دل کو خدا کا گھر کہتے ہیں، پھر ایک صوفی خدا کے گھر کو کوئی نقصان نہ پہنچا سکتا ہے۔ میں نے جو کچھ کہا اپنی انا کی خاطر

کہا، میں مشابہ لقمہ اپنی خلق سے نہیں اتار سکتا؟"



نائلہ نے کہا: "میں آپ کو کس طرح یقین دلاؤں کہ میرے گھر کا کھانا مشتبہ نہیں ہے؟" کہتی ہوں، میری بات پر یقین کیجئے۔

مشعبان نے کہا: "اچھا جیل، میں نے تیری بات کا یقین کر لیا، بتا تو کیا چاہتی ہے؟" نائلہ نے جواب دیا: "میں چاہتی ہوں کہ میری ماں خوش رہے، ہشاش بشاش رہے اور یہ اس صورت میں ممکن ہے جب آپ میری ماں کا دل نہ توڑیں۔" مشعبان نے ہتھیار ڈال دیئے، بولا: "نائلہ! تو کہتی ہے تو میں مانے لیتا ہوں،

اپنی ماں سے کہہ دے، اگلے سے میں تیرے ہی گھر میں کھاؤں گا لیکن اب ایک شرط میری بھی قبول کر لے۔"

نائلہ نے بڑے تیکھے انداز میں سر ہلا کر ترجمہی نظر دلوں سے مشعبان کی طرف دیکھا، پوچھا: "وہ کیا بات، کون سی شرط؟"

مشعبان نے جواب دیا: "اب میں جو کچھ بھی کر لوں گا تیرے حوالے کر دیا کروں گا۔ اس سے کھانا لپکا کمرے کا اور ہم تینوں مل کر کھایا کریں گے۔"

نائلہ نے کہا: "تجویز تو اچھی ہے لیکن ماں کی منظوری ضرور ملے۔"

مشعبان نے کہا: "تب پھر جا اور اسی وقت منظوری حاصل کر لے، میں تیرا انتظار کروں گا۔"

نائلہ نے شوخی سے پوچھا: "کیا اس طرح آپ مجھے بھگانا چاہتے ہیں؟"

مشعبان نے جواب دیا: "نہیں تو بلکہ میں یہ چاہتا ہوں کہ اگر تو یہ خبر اپنی ماں کو پہنچا دے گی تو اس کا غم بڑکا ہو جائے گا اور وہ خوش ہو جائے گی۔"

نائلہ کھڑی ہو گئی، بولی: "اچھا میں جاتی ہوں اور ماں کو خوشخبری سنائے دیتی ہوں لیکن ایک بات یاد رہے، وہ یہ کہ میں ابھی واپس بھی آؤں گی اور آپ سے بہت ساری باتیں کروں گی۔"

مشعبان اسے منع نہیں کر سکا کہ رات کو وہ عبادت کرتا ہے اس لئے اب وہ واپس نہ آئے لیکن نائلہ چلی گئی اور مشعبان اس سے کچھ بھی نہ کہہ سکا کیونکہ اب وہ ذرا سہم گیا تھا۔ اسے ڈر تھا کہ اگر کہیں خدا نخواستہ اس کی کوئی نجات نائلہ کو بھی ناگوار گزری تو وہ بھی اپنی ماں کی طرح روٹھ کر چلی جائے گی۔

رات کے سنکے میں کچھ کھڑے کھڑے آنسوؤں کی آواز میں سکوت کو تہ دبا کر رہی تھیں بہتہ کا وقت بھگا چلا آ رہا تھا۔ وہ مٹھے پر بیٹھا تھا اور معلوم نہیں مناجات میں کیا کچھ کہہ

رہا تھا۔ ایک بار پھر اس کی داڑھی بھیگ گئی۔ دل پر رقت یوں طاری تھی کہ خلق سے اس کی آواز تک نہیں نکل رہی تھی۔

نائلہ اپنی بشارت ماں کا ہاتھ پکڑے ہوئے کتیا میں واپس آئی اور مشعبان کا شکریہ ادا کرنے لگی۔ ماں کا بھی خوشی سے عجب حال تھا، وہ بار بار یہی کہے جا رہی تھی: "دہی تو میں کہوں کہ ایک صدی کسی انسان کا دل کیسے توڑ سکتا ہے۔ یہ لوگ تو خلق و محبت کے مجسمے ہوتے ہیں۔"

دونوں مشعبان کے سامنے بیٹھ کر اس کی مدح و ستائش میں لگ گئیں اور مشعبان اپنے انجام کو سوچ سوچ کر کانپنے لگا۔ تہجد کا وقت آ گیا لیکن وہ دونوں نہیں ٹپیں۔ نماز کی طرف اس کی طبیعت ہی نہیں راغب ہو رہی تھی، یہی دل چاہتا تھا کہ نائلہ اس کے سامنے بیٹھی رہے اور وہ اس کی صورت دیکھتا اور آواز سن رہا۔

چند ہفتوں میں اس کی یہ حالت ہو گئی کہ وہ ان دونوں سے بالکل بے تکلف ہو گیا۔ نائلہ اور اس کی ماں کو مشعبان کا تقریباً زیادہ پسند نہیں تھا۔ دونوں اس سے بحث کرنے لگتیں۔ شروع شروع میں تو اس نے خود کو حق بجانب ثابت کرنے کے لئے بڑی دلیلیں دیں لیکن بعد میں اچھٹا اور بحث کرنا چھوڑ دیا۔ نائلہ ان دونوں کی بحث میں بہت کم حصہ لیتی۔ ایک بحث تو نائلہ کی ماں سے ہوتی تھی اور مشعبان کو اس سے کوئی خوف نہیں محسوس ہوتا تھا لیکن ایک بحث دل کے اندر جاری تھی۔ نفسِ امّارہ اور نفسِ نواامہ برسرِ پیکر رہتے۔ نفسِ امّارہ کہتا: "نائلہ کی ماں ٹھیک ہی تو کہتی ہے۔ ہر چیز اعتدال میں ہو تو اچھی لگتی ہے نہ افراط اچھی ہے نہ تفریط۔"

اسے رسول اللہ کا قول یاد آیا: "خیر الامور اوسطها" معیارِ رومی سب سے بہتر ہے۔ لیکن نفسِ نواامہ کہتا: "یہ خیر الامور اوسطها پہلے کیوں نہیں یاد آیا تھا۔ نائلہ کو دیکھ کر کیوں یاد آیا؟"

نفسِ امّارہ ترغیب دیتا: "یہ دنیا اور اس کے متعلقات یوں ہی نہیں پیدا کئے گئے ہیں، یہ انسان کے لئے ہیں، آدمی کو ان سے حفظ اٹھانا چاہیے۔ لطفِ اندوز ہونا چاہیے۔" لیکن کمزور نفسِ مزاحمت کرتا، کہتا: "مشعبان! تو غلط ماہ پر جا رہا ہے تو دنیا کی طرف لوٹ رہا ہے۔"

ان جارحانہ اور مدافعانہ سوچوں کی کشمکش نے اسے ہلکان کر دیا۔ وہ بے اختیار چیخ اٹھتا: "میرے راہبو! تمہارے سن قول کی صداقت آہستہ آہستہ آج ظاہر ہو رہی ہے۔"



مشیان نے جواب دیا۔ "اللہ سے ملنے کا درس لینے آیا تھا، وہ مجھ سے پوچھ رہا تھا کہ خدا کو کس طرح تلاش کرے، میں نے اسے صاف صاف بتا دیا کہ اسے تو ابھی تک میں خود بھی نہیں پا سکا، پھر تجھے اس کا کیا پتہ بتاؤں، جا اپنا کام کر، اور ایک ایسے کام میں اپنی عمر عزیز ضائع نہ کر، جس کا صلہ یقینی نہ ہو۔"

نائلہ نے شوخی سے کہا۔ "اب آپ باتیں بڑی اچھی کرنے لگے ہیں۔" مشیان نے بھی شوخی سے کام لینا چاہا، بولا۔ "نائلہ! یہ سب کچھ تیری بدولت نائلہ نے پوچھا۔" کیا سچ ہے؟

مشیان نے افسردگی سے گردن جھکا لی، بولا۔ "نائلہ! میں ایک بد نصیب انسان ہوں، اور اس وقت میں ایک ایسے دور رہا ہوں جس کے ایک طرف سنان اور میری شکل کیا دیکھ رہا ہے، میں کیا کہہ رہا ہوں، غور سے سن، اپنی عمر اور زندگی کو خواہ مخواہ ترک ہے جب میں اس مرکز پر دو در تک کچھ دیکھنے کی کوشش کرتا ہوں تو کچھ نظر ہی نہیں ضائع نہ کر۔ میں عبادت سے منع نہیں کرتا لیکن اس کی زیادتی سے منع کرتا ہوں۔ جس راز آتا، اس راہ کے پیش رو یہ بتاتے گئے ہیں کہ اگر اس پر ایک سوئی اور اعتماد سے چلتے رہو تو دولت کی زیادتی جو مردوں کا ڈر پیدا کر دیتی ہے، اسی طرح نہ ہر دقتوں کی زیادتی شیطان ایک نہ ایک دن کسی ایسی منزل پر ضرور پہنچ جاؤ گے جہاں قرب الہی حاصل ہو جائے گا اور اس کا ڈر پیدا کر دیتی ہے۔ آج کل جو اس مصیبت میں مبتلا ہوں۔ ایک عذاب ہے جسے جھیل رہا ہوں۔ دو در پہلے کی طرف لے جاتی ہے جس پر بلا کی پہل پہل ہے، رفتیں ہیں اور اپنے حجر بات کی روشنی میں تجھے یہ مشورہ دیتا ہوں کہ قناعت اختیار کر، ہر قسم کی قناعت ہمالہ دوسری طرف جو کچھ ہے غیر یقینی اور مشتبہ ہے معلوم نہیں کیوں، ادھر کچھ دنوں سے یہی سوچ رہا ہوں کہ کیا میں نے اپنے لئے صحیح راستے کا انتخاب کیا ہے؟"

نائلہ نے بے چینی سے سوال کیا۔ "پھر اس کا کیا جواب ملا؟" مشیان نے جواب دیا۔ "ابھی کوئی جواب نہیں ملا، اندر ایک جنگ جاری ہے معلوم نہیں اس کا کیا جواب ملے۔"

نائلہ نے کہا میں زیادہ گہرائی میں تو نہیں جا سکتی لیکن اتنا ضرور کہوں گی کہ آدمی کو بالکل جنگی نہیں ہونا چاہیے۔"

مشیان کو نائلہ کی بات سے دکھ پہنچا، نائلہ زہد و تقویٰ کو اتنا برا سمجھتی ہے، اس نے کہا۔ "نائلہ! کیا میں تجھے جنگی دکھائی دیتا ہوں؟ کیا میں انسان نہیں نظر آتا؟"

نائلہ نے جواب دیا۔ "یہ بات نہیں ہے، بلکہ میں تو یہ کہتی ہوں کہ آپ کو دین اور دنیا کو ساتھ ساتھ رکھنا چاہیے۔ ذرا سوچئے تو اگر پوری دنیا آپ کی اتباع میں دنیا کو ترک کر دے تو دنیا کا حال کیا ہو جائے؟ دنیا کی ترقی رک جائے اور دنیا کی ساری چہل پہل ختم ہو جائے۔ جلد

کہ عورتوں سے حذر کرو۔ آؤ دیکھو نائلہ نے مجھے کتنا ادا اس اور بدحواس کر دیا ہے۔ میری لذت آہ ذرا ہی چھین لی ہے۔ میرے دل میں ایک اور ہی کسک پیدا ہو گئی ہے۔ میرا دل کہہ رہا ہے کہ میں اللہ اللہ اللہ ہی نہیں کرتا، بلکہ اب وہاں سے نائلہ نائلہ کی آوازیں آنے لگی ہیں معلوم نہیں میرا انجام کیا ہو گا؟"

اس کشمکش میں جب ایک شخص اس کے پاس اس لئے آیا کہ مشیان اسے کچھ نصیحت کرے اور بتائے کہ وہ کس طرح اس دنیا سے بچھا چھڑا کر محض اللہ کا ہو رہے تو اس نے اس کو منع کیا، بولا۔ "اے شخص! دالیں جا، دنیا تیرا انتظار کر رہی ہے یہ راہ، جس پر میں چلا رہا ہوں، بڑی کٹھن ہے اور شاید بے مزہ بھی۔ اپنی زندگی بر باد نہ کر۔ میری جیسی زندگی ہر کس کو اس نہیں آتی۔"

اس کا ارادت مند اس کی صورت دیکھتا رہ گیا۔ مشیان نے مزید کہا۔ "یہ تو ہوں، اور اس وقت میں ایک ایسے دور رہا ہوں جس کے ایک طرف سنان اور میری شکل کیا دیکھ رہا ہے، میں کیا کہہ رہا ہوں، غور سے سن، اپنی عمر اور زندگی کو خواہ مخواہ ترک ہے جب میں اس مرکز پر دو در تک کچھ دیکھنے کی کوشش کرتا ہوں تو کچھ نظر ہی نہیں ضائع نہ کر۔ میں عبادت سے منع نہیں کرتا لیکن اس کی زیادتی سے منع کرتا ہوں۔ جس راز آتا، اس راہ کے پیش رو یہ بتاتے گئے ہیں کہ اگر اس پر ایک سوئی اور اعتماد سے چلتے رہو تو دولت کی زیادتی جو مردوں کا ڈر پیدا کر دیتی ہے، اسی طرح نہ ہر دقتوں کی زیادتی شیطان ایک نہ ایک دن کسی ایسی منزل پر ضرور پہنچ جاؤ گے جہاں قرب الہی حاصل ہو جائے گا اور اس کا ڈر پیدا کر دیتی ہے۔ آج کل جو اس مصیبت میں مبتلا ہوں۔ ایک عذاب ہے جسے جھیل رہا ہوں۔ دو در پہلے کی طرف لے جاتی ہے جس پر بلا کی پہل پہل ہے، رفتیں ہیں اور اپنے حجر بات کی روشنی میں تجھے یہ مشورہ دیتا ہوں کہ قناعت اختیار کر، ہر قسم کی قناعت ہمالہ دوسری طرف جو کچھ ہے غیر یقینی اور مشتبہ ہے معلوم نہیں کیوں، ادھر کچھ دنوں سے یہی سوچ رہا ہوں کہ کیا میں نے اپنے لئے صحیح راستے کا انتخاب کیا ہے؟"

اس گفتگو کے دوران میں نائلہ آگئی، بولی۔ "ماں نے کہا ہے کہ باہر سے آنے والے بڑی زحمت ہوتی ہے، کیا یہ بہتر نہیں ہے کہ آپ اپنی کٹیا کے عقب میں ایک دروازہ کھول لیں تاکہ آنے والے میں آسانی رہے؟"

مشیان نے جواب دیا۔ "بیشک، بیشک۔ تو جیسے کہتی ہے۔"

اس کے ارادت مند نے نائلہ کے قیامت خیز حسن کو دیکھ کر مشیان کی باتوں کا لہجہ باب سمجھ لیا۔ اس نے جاتے جاتے طنزاً کہا۔ "صوفی! جس عذاب کا تو نے ذکر کیا تھا، اس نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا، اب شاید یہ کٹیا اس لائق نہیں رہی کہ لوگ یہاں سے زہد و تقویٰ کا درس لے کر جاتیں؟"

ارادت مند چلا گیا لیکن جاتے جاتے مشیان کو وہ ضرب لگائی کہ وہ بڑی دیر تک تھماتا رہا۔ اس کے جاتے ہی نائلہ نے پوچھا۔ "یہ شخص کیا کہتا تھا؟"



جہاد اور ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کا رجحان ہی ختم ہو جائے گا۔

شیبیان نے عاجز آکر کہا۔ ”نائلہ! میں تجھ سے بحث نہیں کروں گا۔ ہو سکتا ہے تو ٹھیک کہتی ہو لیکن میں اپنی اس زندگی کو ترک نہیں کر سکتا، میں نے یہ زندگی طہانیت اور سکون کی خاطر اختیار کی ہے۔“

نائلہ نے لاپرواہی سے کہا۔ ”آپ کی مرضی، آپ کو کوئی مجبور تو کر نہیں سکتا۔“  
شیبیان کو حیرت تھی کہ اس کے پاس نائلہ تنہا کیوں آجاتی ہے اور اس کی ماں اس کی اجازت کیوں دے دیتی ہے۔ اس نے کہا۔ ”نائلہ! میری ماں کہاں ہے؟“  
نائلہ نے جواب دیا۔ ”گھر میں۔ آج کل وہ بہت اداس رہتی ہیں، انہیں اس دنیا میں ذرا بھی اچھا نہیں لگتا، ہر وقت باوا کی واپسی کی دعائیں مانگتی رہتی ہیں۔“  
شیبیان نے پس دپیش سے پوچھا۔ ”تجھ سے ایک سوال کروں نائلہ؟“  
”ضرور کیجئے۔ میں نے منع کب کیا ہے؟“

شیبیان نے کہا۔ ”میری ماں میرے جیسے مجبور کے پاس تنہا ہی نہیں تجھے بھیجے کیوں دیتی ہے؟“

نائلہ نے جواب دیا۔ ”صرف اس لیے کہ وہ آپ کو ایک دیا مندار انسان سمجھتی ہیں اور انہیں یقین ہے کہ آپ سے کوئی ناڈیا حرکت سرزد نہیں ہو سکتی۔“

شیبیان ایک دم سنبھل گیا۔ وہ اپنے دل کے چور سے گھبرا رہا تھا، معلوم نہیں کب یہ چور کوئی ہنگامہ برپا کر دے۔ وہ اپنے دل کی کیفیت سے اچھی طرح واقف تھا، جب اسے ناڈ کی زبان یہ معلوم ہوا کہ اس پر اس کی ماں اندھا اعتقاد رکھتی ہے تو وہ سنبھل گیا اور اس نے نائلہ کے بارے میں احتیاط کی روشنی اختیار کی لیکن اب اسے ہر محاذ پر شکست ہو چکی تھی۔

کٹیا کے اندر ایک چھوٹا سا در پیدا کر کے ایک نئی مادہ آمدورفت قائم کر لی گئی۔ اسے راستے سے وہ خود برائے نام جاتا لیکن نائلہ اور کبھی اس کی ماں برابر آتی جاتی رہتیں۔ اب شیبیان کی نازیں بھی قضا ہونے لگیں۔ تہجد کی پابندی بھی ختم ہو گئی، جب کبھی وہ اپنی پھلی زندگی کا اس زندگی سے موازنہ کرتا تو اس کے دل پر ایک چوٹ سی لگتی۔ نائلہ نے اس کا سب کچھ پوشیدہ رکھا اور اب بھی معلوم نہیں کس گھات یا کس تاک میں تھی۔

ایک دن وہ اتنا گھبراہٹا کہ اس نے پانچوں وقت کی نمازیں پڑھ کر تہجد ادا کرنے کا مستقل ارادہ کر لیا۔ اس رات جب نائلہ اور اس کی ماں اس کی کٹیا میں داخل ہوئیں تو وہ ان دونوں سے بالکل نہیں بولا۔ وہ دونوں اس کی چٹائی پر بیٹھ گئیں۔ شیبیان ان کی موجودگی کو

نظر انداز کرنے کے وضو کرتے لگا۔

نائلہ نے پوچھا۔ ”کیا بات ہے آپ چپ چپ کیوں ہیں؟ طبیعت تو ٹھیک ہے؟“  
شیبیان نے مختصر جواب دیا۔ ”ٹھیک ہوں تہجد پڑھنے جا رہا ہوں۔“  
نائلہ کی ماں نے کہا۔ ”ہم دونوں تو آپ کے پاس باتیں کرنے آتے تھے۔“  
شیبیان کچھ بھی نہ بولا، بس وضو کرتا رہا۔ وضو کر چکنے کے بعد وہ منسلک پران کھڑا ہوا۔  
نائلہ نے پوچھا۔ ”بیمبھٹوں یا پھلی جاؤں؟“  
شیبیان نے پھر کوئی جواب نہ دیا۔

اس بار نائلہ کی ماں نے کہا۔ ”آخر آپ بول کیوں نہیں رہے؟ جواب کیوں نہیں دیتے؟“  
شیبیان پھر بھی چپ رہا اور منسلک پر نیت باندھ کر کھڑا ہو گیا۔  
نائلہ کی ماں نے بد مزگی سے کہا۔ ”یہ انہیں ہو گیا گیا ہے؟ مجھے تو یوں محسوس ہو رہا ہے گویا ان پر کسی قسم کا دوسرا پڑ گیا ہے۔“

نائلہ نے جواب دیا۔ ”نہیں، میرا خیال ہے طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔“  
ماں نے کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔ ”تب پھر ہمارا بیٹھنا بیکار رہے۔ چلو چل کر آرام کریں۔“  
نائلہ نے کہا۔ ”اگر آپ آرام کرنا چاہتی ہیں تو شوق سے آرام کریں لیکن میں ابھی کھڑا دیر بیٹھوں گی۔“

ماں نے جلتے ہوئے کہا۔ ”اچھا میں تو جیتی ہوں لیکن تو بھی یہاں زیادہ دیر نہیں رکتے گی۔“

شیبیان ان دونوں کی باتیں سن رہا تھا جس سے اس کی یکسوئی اور خشوع و خضوع میں فرق آ رہا تھا، لیکن جب اسے یہ معلوم ہوا کہ ماں جا چکی ہے اور نائلہ تنہا بیٹھتی اس کی منظر پر تو اندر ایک بھونچال سا آگیا۔ جسم میں سنسناہٹ سی دوڑ گئی اور ایک پڑ لطف اور لذت بے چینی پیدا ہو گئی۔ اب اس سے تہجد بھی نہیں پڑے جا رہی تھی بیشکل آٹھ رکعت پڑھ سکا اور سلام پھیر کر نائلہ کی طرف مڑ گیا، نائلہ اس پر نظر پڑ جاتے ہوئے تھی، ددلا کی نظریں جو لپٹیں تو دونوں ہی ایک ساتھ مگڑا دیئے، نائلہ نے پوچھا۔ ”ابھی کتنی دیر اور انتظار کرنا پڑے گا؟“

شیبیان نے جواب دیا۔ ”بس ذرا دیر اور، میں ابھی فارغ ہوا جاتے ہوں۔“  
نائلہ نے کہا۔ ”اگر اب آپ نے ذرا دیر اور لگا لی تو میں سوئے چلی جاؤں گی۔“  
شیبیان نے کھڑے ہو کر نیت باندھتے ہوئے کہا۔ ”بس ابھی آیا۔ تو ابھی جاتے



گی نہیں، سمجھی!“

اس کے بعد وہ نماز پڑھنے لگا اور نائلہ جہاں بیٹے لگی۔

حبیب دعوہ دہر کوٹ کے بعد ششیان نماز سے فارغ ہو گیا اور دعا مانگ کر نائلہ کے پاس آگیا۔ آتے ہی پوچھا۔ ”کیا بات ہے نائلہ؟ تجھے نیند کیوں نہیں آ رہی؟“  
نائلہ نے جواب دیا۔ ”اشووس کہ میں آپ سے سچ نہیں بول سکتی۔ دراصل اپنے پر سے میں ڈرتی ہوں کہ کہیں یہ آپ کو نالاعنہ نہ کر دے۔“

ششیان کا دل دھک دھک کرنے لگا، بولا۔ ”نہیں نائلہ، تو مجھ سے محبت ڈا اور جوابات بچے بچے کہہ دے۔“

نائلہ نے پوچھا۔ ”آپ خدا شناسی میں تو زندگی بتاتے دے رہے ہیں لیکن انسان شناسی کی طرف کوئی توجہ نہیں دیتے اور اسے میں اپنی بد نصیبی کے سوا اور کیا کہہ سکتی ہوں؟“  
ششیان نے غور سے کہا۔ ”نائلہ! تو اپنے دل کی ہر بات بے تکلفی سے کہہ سکتی ہے میرا بالکل برا نہیں مانوں گا۔“

نائلہ نے کہا۔ ”میں آپ کے پاس کیوں آتی ہوں، کبھی اس پر بھی غور کیا آپ نے؟“  
ششیان نے جواب دیا۔ ”میں نے اسے کبھی اس لائق ہی نہیں سمجھا کہ اس پر غور کروں۔“

نائلہ نے آذر دگی سے کہا۔ ”وہی تو میں کہہ رہی ہوں کہ ویرانے کی زندگی نے آپ کو اس لائق ہی نہیں رکھا کہ آپ ان چھوٹی چھوٹی مگر بڑی معنی خیز باتوں پر غور کر سکیں۔ اس وقت تو میں چند باتیں کر کے چلی جاؤں گی لیکن آپ سے یہ کہتی جاؤں گی کہ آپ مجھ پر غور کریں، میری ایک بات کو سمجھنے کی کوشش کریں۔“

ششیان نے جواب دیا۔ ”اگر تو کہتی ہے تو میں ان باتوں پر غور کروں گا اور تجھے سمجھنے کی کوشش کروں گا لیکن اگر تو اشاروں میں بھی اپنا معنوم واضح کر دے تو میں تیرا شکر گزار ہوں گا۔“  
نائلہ نے کہا۔ ”بس چلتے چلتے میں ایک بات کہہ جاؤں گی، اگر اس کے بعد بھی میری باتیں آپ کی سمجھ میں نہ آئیں تو میں آپ کی عقل اور ذہانت پر فخر بڑھادوں گی۔“

ششیان نے بے چینی سے کہا۔ ”تو کچھ کہہ تو سہی۔ اب میں اتنا نا سمجھ بھی نہیں ہوں کہ تیری کوئی بات بھی نہ سمجھ سکوں۔“

نائلہ نے آہستہ آہستہ بڑے کرب سے کہا۔ ”میں آپ کے پاس آتی ہوں اور گھنٹوں اور ادھڑکی باتیں کرتی رہتی ہوں، میری ماں کو اسی پر اعتراض ہے وہ کہتی ہیں کہ جب یاد آئیں

گے اور میرے معمولات دیکھیں گے تو انہیں سخت غصہ آئے گا۔ میری ماں کہتی ہیں کہ ایک خشک زاہد کے پاس ہے ہی کیا جو کوئی اس سے دل لگائے لیکن میں یہ جواب دیتی ہوں کہ زاہد خشک کے پاس اور کچھ ہوتا ہے ہو لیکن دیانت، بھولپن، سچائی، نیکی اور تقویٰ تو ہے اور جس کے پاس یہ چیزیں ہوں، اسے اور کیا چاہیے۔“

ششیان در پردہ اپنی تعریفیں سن سن کر بہت خوش ہو رہا تھا۔ پوچھا۔ ”پھر تیری ماں نے کیا کہا؟“

نائلہ نے جواب دیا۔ ”وہ کیا کہتی، مجبور ہو گئیں، بولیں۔“ نائلہ! تو جان اور تیرا کام جانے۔ میں تیرے معاملوں میں دخل نہیں دوں گی جو تیرے دل میں آتے کرتی رہ۔“

ششیان نے ہنس کر کہا۔ ”نائلہ! بخدا تو بڑی دلچسپ باتیں کرتی ہے۔ میری طبیعت خوش کر دی۔“

نائلہ چپ ہو گئی اس نے کوئی جواب نہیں دیا۔ ششیان بالکل اس کے قریب چلا گیا، بولا۔ ”انہوں نے اور کیا کہا؟ سننے میں آیا ہے کہ۔۔۔“

نائلہ نے بات کاٹ دی، بولی۔ ”وہ اور کیا کہیں! بس ہر وقت یہی کہتی رہتی ہیں کہ ششیان ابھی بالکل خام مال کی طرح ہے اس میں وہ مضبوطی اور بے رخی نہیں ہے جو اس عمر کے نوجوان میں ہونا چاہیے۔ وہ یہ بھی کہتی ہیں کہ کبھی کبھی آپ پر کسی قسم کا دورہ بھی پڑ جاتا ہے اور آپ گفت و شنید بند کر کے اپنے کاموں میں منہمک ہو جاتے ہیں۔“

ششیان نے ذرا ٹک کر جواب دیا۔ ”نائلہ! یہ مجھ پر تہمت ہے کہ میں آدم ہزار ہوں، یہ بھی تہمت ہے کہ میں کسی ایسی بیماری کا شکار ہوں، جس میں انسان ہر دورے پڑنے لگے ہیں لیکن خود تو دیکھ لے کہ میں کس بیماری میں مبتلا ہوں، بات صرف اتنی سی ہے کہ میں جب بھی خدا کے دربار میں جانے والا ہوتا ہوں تو دنیا کے کسی بھی آدمی کی یاد راہ نہیں کرتا، یہی صورت حال آج بھی پیش آتی اور میں نے تم دونوں کو نظر انداز کر دیا۔“

نائلہ نے کہا۔ ”میں اس فضول بحث کو نہیں چھیڑتی۔ میں آپ سے اتنا ضرور کہوں گی کہ کسی نوجوان کو یہ بات نہیں زیب دیتی کہ وہ کسی لڑکی سے اظہار محبت کی توقع کرے پہلے عموماً مرد ہی کی طرف سے ہو قہر، لیکن اس لڑکی کی بے بسی تو ملاحظہ کیجئے جس کو کوئی نوجوان اظہار عشق پر مجبور کر رہا ہو۔“

ششیان کا سر جھکا گیا، بات صاف ہوتی جا رہی تھی لیکن ششیان میں اب بھی اتنی ہمت نہیں تھی کہ وہ نائلہ کے سامنے اس طرح کھل کر بات کر سکتا۔ اس کی زبان میں اب بھی



لکنت تھی۔ اس کا گلاب بدستور رہا تھا، اس کی قوت گویا بیستور سلب تھی۔ نانک نے کچھ دیر تو جواب کا انتظار کیا لیکن جب کوئی جواب نہیں ملا، تو مایوسی سے کہنے لگی: ”حال ہی میں کیوں یاد کرتے لگے، آپ تو خدا کی تلاش میں سکون حاصل کر چکے ہیں لیکن میں کیا کروں؟ ایسے ہیں کہ پتہ نہیں ہمیں یہاں سے کب جانا پڑ جائے، ماں یہاں سے یزار ہیں اگر بار بار میں تو عبادت ہی کو ایک رسمی سی چیز سمجھنے لگی ہوں۔“

”تو، ماں تب بھی چلی جاتی تھی۔ آپ اس بل بیٹھے کو ذرا بھی غنیمت نہیں سمجھتے؟“  
 ششیان نے رگڑ کر کہا: ”نانک! جیسا کہ تو نے مجھے بتایا کہ تیری ماں مجھے عبادت کو ایک رسمی چیز کہہ رہی ہے تبھی اسی نہیں کہنا چاہیے؟“  
 سچی، دیانترار، نیک اور متقی سمجھتے تھے، میں ایک محترم انسان ہوں، ہو سکتا ہے میں غلط نہ ہوں لیکن کم از کم لوگ مجھے ایسا سمجھتے تو ہیں، میں محترم بن کر ایک عذاب میں مبتلا ہو گیا ہوں، دل آرزو دن اور تمناؤں سے میرے سینے میں لوگوں کے احترام نے لٹے مر رہے مگر یہاں اب میں اپنے دل کی بات کسی سے اگر کہنا بھی چاہوں تو نہیں کہہ سکتا، کیونکہ میں محترم ہوں اور ایک محترم کو اس قسم کی باتیں نہیں کرنا چاہئیں۔“

نانک نے جڑ بڑھ کر کہا: ”یہاں کون سی دیتا بیٹھی ہے، یہاں میں ہوں یا آپ ہیں، میں آپ کو محترم کے علاوہ بھی کچھ سمجھتی ہوں، اگر کوئی بات آپ ذرا سے نہیں کہہ سکتے تو دوسرے کہتے ہوئے شرماتے ہیں تو میرے کان ہی میں کہہ دیجئے۔“  
 ششیان نے نانک کو کنکھنوں سے دیکھتے ہوئے پوچھا: ”کہہ دو؟“  
 نانک نے کہا: ”بالکل، یہ تامل کیوں؟“

ششیان نے شرماتے ہوئے کہا: ”معلوم نہیں، میں جب بھی کچھ کہنا چاہتا ہوں تو قوت گویا بیستور جواب دے جاتی ہے۔“  
 نانک نے کہا: ”اہمیت کیجئے، بہادر بنئے، یہ بزدلی ہے کہ آدمی اپنے دل کی بات کرتے ہوئے بھی ڈرے۔“

ششیان نے کپکپاتے ہاتھوں کو نانک کی طرف بڑھادیا، بولا: ”نانک! واللہ وہ تو ہے جس نے میرے اور خدا کے درمیان کھڑے ہو کر ایک دیوار سی جائل کر دی ہے اور تو ہے جس نے پہلی بار مجھے ایک ایسی لذت سے آشنا کیا، جس سے اچھی کوئی اور لذت نہیں نانک میرے نہاں خانہ مدول میں خدا کے ساتھ ہی ایک بت بھی موجود ہے اور وہ بت ہے تیری ذات۔“

نانک نے کسی قدر شرم کر سر جھکا لیا۔ ششیان پھر بولا: ”تو نہیں جانتی نانک کہ جب سے میں نے تجھے دیکھا ہے، مجھ میں زبردست انقلاب آ گیا ہے۔ نانک! میں تجھے یہ بات کسی طرح بتاؤں کہ تیرے بغیر میرا کسی کام میں دل ہی نہیں لگتا۔“

نانک نے شوخی سے کہا: ”اپنے تقویٰ کا خیال کیجئے اور اتنا بڑا جھوٹ نہ بولیں۔ آپ نے کچھ دیر تو جواب کا انتظار کیا لیکن جب کوئی جواب نہیں ملا، تو مایوسی سے کہنے لگی: ”حال ہی میں کیوں یاد کرتے لگے، آپ تو خدا کی تلاش میں سکون حاصل کر چکے ہیں لیکن میں کیا کروں؟“

ششیان نے دروں گال تپتھپاتے، بولا: ”نانک! تو یہ کہہ کر تو بہ! یہ تو کیا کہہ رہی ہے ششیان نے رگڑ کر کہا: ”نانک! جیسا کہ تو نے مجھے بتایا کہ تیری ماں مجھے عبادت کو ایک رسمی چیز کہہ رہی ہے تبھی اسی نہیں کہنا چاہیے؟“

نانک نے جواب دیا: ”ہر وہ کام رسمی ہو جاتا ہے جو عادتاً کیا جاتے اور جس میں عقل نہ استعمال کی جاتے۔“  
 اگر کوئی دوسرا ہی بات کہتا تو ششیان اس پر برس پڑتا لیکن نانک اس کی کڑی بن گئی تھی۔ بات ٹالتا ہوا بولا: ”خیر اب اس موضوع کو بند کر۔ میں تجھ سے الجھنا نہیں چاہتا اب یہ بتا کہ ہم دونوں کا ہو گا کیا؟“  
 نانک نے جواب دیا: ”آپ تو منازل سلوک طے کرتے رہیں گے اور میں اپنی ماں کے ساتھ یہاں سے چلی جاؤں گی۔“

ششیان نے اپنا سر پکڑ لیا، بولا: ”میرے لئے یہ خیال ہی سوہاں روح بنا ہوا ہے کہ تو ایک نہ ایک دن مجھے چھوڑ کر چلی جائے گی اور میں تمہارا جاؤں گا۔“  
 ”اگر آپ یہ نہیں چاہتے تو اس کا کوئی علاج کریں۔“  
 ”بتا، کیا علاج کروں؟“

”یہ بھی کوئی بتانے کی بات ہے، میری ماں موجود ہے، اس سے بات کر لیجئے۔“  
 ششیان نے کچھ سوچتے ہوئے کہا: ”میں تیری ماں سے بات کروں؟ کیا بات کروں؟“  
 نانک کو غصہ آ گیا، جھنجھلا کر بولی: ”یعنی ابھی تک آپ کا دل گوگو کی حالت میں ہے اور آپ یہ بھی نہیں جانتے کہ کیا بات کی جائے؟“

ششیان نے کہا: ”نانک! میں دیتا ہے ایک کٹا ہوا انسان ہوں۔ میں دنیا والوں کے آداب اور رسوم بھی بھول گیا اور ایک یہ بات بھی ہے کہ میں تیری ماں سے جس موضوع پر بات کروں گا، کیا وہ سن کر سنائے میں نہیں آجائے گی؟ کیا وہ مجھ پر ہنسنے لگیں؟ یہی سوچ سوچ کر میں پریشان ہو رہا ہوں، خدا مجھ پر رحم کرے۔“

نانک نے افسوس کیا: ”تب پھر قصہ ختم سمجھئے۔ میں اپنی ماں کے ساتھ واپس چلی جاؤں گی۔“

ششیان نے خوشامدی: ”نانک! مجھے خوفزدہ نہ کر۔ کچھ سوچنے کا موقع دے۔“



نائلہ نے جواب دیا۔ ”سوچ لیجئے لیکن سوچنے میں اتنا وقت نہ گزار دیجئے گا  
میں یہاں سے چلی جاؤں اور آپ سوچتے ہی رہ جائیں۔“  
شبیان نے عاجزی سے کہا۔ ”نائلہ! مجھے خوفزدہ نہ کرو۔ مجھے درد نہ  
کا موقع دے۔“

دوسری طرف سے نائلہ کی ماں بھی آگئی۔ وہ آنکھیں ملتی ہوئی بولی ”یہ اتنی  
گئے تم ان سے کیا باتیں کر رہی ہو؟“

نائلہ نے گھبرا کر جواب دیا۔ ”میں آنے ہی والی تھی ماں، میں اٹھنے ہی والی تھی  
ماں نے نائلہ کو سمجھایا۔ ”نائلہ! میں جانتی ہوں کہ یہ دیر نہ ہے اور یہاں دو  
ٹوک اور طرز و طعن کرتے دلے نہیں ہیں لیکن میں تو موجودہ ہوں اور تیرے باپ کے ساتھ  
جواب دے بھی ہوں، اس لئے میرا مشورہ ہے کہ تو احتیاط کر اور یہاں خلوت میں زیادہ  
وقت نہ دیا کر۔“

شبیان کے دل پر چوٹ سی لگی کہ نائلہ کی ماں یہ اس زہر دقت کوئی اس پر اعتنا  
تہیں کر رہی ہے۔

ماں نائلہ کو لے کر چلی گئی اور وہ جس انداز میں لے گئی تھی، اس میں جھنجھلاہٹ  
تھی، غصہ تھا، براہی تھی، ناراضی اور عدم اعتمادی تھی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ شبیان کا  
دل اس سے خاصا متاثر اور غمگین ہوا۔ وہ غمزدہ چٹائی پر لیٹ گیا، لیکن اس وقت اس  
سینے میں ایک آگ سی لگی ہوئی تھی، اس آگ میں یہ غم بھی شامل تھا کہ نائلہ زبردستی اس  
گئی ہے اور یہ غم بھی کہ نائلہ کی ماں شبیان پر اعتماد نہیں کرتی اور شاید وہ نائلہ کو نہ  
حاصل کر سکے۔

اس نے پوری رات کروٹیں بدل بدل کر کاٹ دی۔ اس کے دل میں کسک ہو رہی تھی  
بیشیم اٹھ رہی تھیں اور نائلہ کے قصور کے ساتھ بیٹھا بیٹھا درد ہو رہا تھا، مستقبل میں بڑے  
تاریکی ہی تاریکی تھی۔ پوری رات کروٹیں بدلنے کے بعد اس نے علی الصبح بستر چھوڑ دیا اور  
کیا اور فجر کی نماز ادا کی اور اس کے بعد وہ بے قصور دے ارادہ کو ہستانی سلسلوں میں نکل گیا  
وہ میوؤں کے باغ میں گھس گیا، اس باغ میں وہ مزدوری کر چکا تھا۔ باغ کے مالک نے جب  
شبیان کو باغ میں داخل ہوتے دیکھا، تو بہت خوش ہوا کیونکہ وہ شبیان کے زہر  
تقوے سے بہت متاثر تھا۔ شبیان نے باغ کے مالک کو نہیں دیکھا، اس لئے وہ ایک  
درخت کی جڑ میں تنے سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا اور نائلہ کی آمد کے بعد پیش آنے والے واقعات

پر غور کرنے لگا۔ اسے اپنی حالت پر بڑا رونا آیا۔ نائلہ نے اس کو کہیں کا بھی نہ رکھا تھا۔ وہ  
آنکھیں بند کر کے گڑ گڑایا اور خدا سے دعا مانگی کہ وہ اس کے دل سے نائلہ کی محبت نہ اٹل  
کر دے۔ وہ تقویٰ کو نہیں ترک کر سکتا تھا بلکہ تقویٰ کی خاطر نائلہ کو چھوڑ سکتا تھا۔

باغ کا مالک اس کے پیچھے آکھڑا ہوا اور اس کی حالت زار پر غور کرتا رہا۔ اچانک  
شبیان کو بھی یہ احساس ہوا کہ اس کے پیچھے کوئی موجود ہے۔ اس نے پیچھے مڑ کر دیکھا اور بلاغ  
کے مالک کو دیکھ کر کھڑا ہو گیا۔ باغ کے مالک نے اسے زبردستی بٹھا دینا چاہا اور پوچھا ”حضرت  
میرے لائق کوئی خدمت ہے؟“

شبیان نے جواب دیا۔ ”میرے بھائی! تو ذرا یہ تو بتا کہ تجر و بہتر ہے یا تاہل ہے؟“  
باغ کا مالک اس سوال پر چکر اٹھا، بولا۔ ”حضرت! آج آپ یہ کیسا سوال کر رہے  
ہیں؟ میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔“

شبیان نے جواب دیا۔ ”میرے دوست! میرے ساتھی! میں بوجھ رہا ہوں کہ  
تاہل بہتر ہے یا تجر و؟“

باغ کے مالک کو شبیہ گزرا کہ شاید شبیان کا دماغ چل گیا ہے ورنہ ایسی بہنکی  
بہنکی باتیں نہ کرتا۔

وہ کچھ دیر باغ ہی میں رہا۔ باغ کے اس ستارے میں بھی نائلہ کی یاد آئے کر دت کی اور  
وہ آہستہ آہستہ اس کا نام لے کر لطف و لذت حاصل کرنے لگا۔ دوپہر کے بعد وہ باغ سے بھی نکل  
گیا اور بے مقصد ادھر ادھر گھومتے پھرتے لگا۔ شام سے ذرا پہلے اپنی کٹیا میں داخل ہوا۔ یہاں اس  
کے ارادت مندوں کا اجوم کھڑا تھا۔ اجوم اسے دیکھ کر خوشی سے پھولا نہ سمایا۔ شبیان نے ان  
سب پر ایک سرسری نظر ڈالی اور پوچھا۔ ”تم لوگ کیوں آتے ہو؟“

اجوم نے جواب دیا۔ ”آپ کی دعاؤں اور زیارت کے لئے۔“

شبیان کچھ دیر کے لئے ان سب کے ملنے کھڑا ہو گیا، بولا۔ ”تم سب آج مجھے جی  
بھر کے دیکھ لو، مجھے شبہ ہے کہ شاید آج کے بعد میں تمہیں نہ نظر آؤں، رہا دعا کا مسئلہ تو  
میں جہاں کہیں بھی ہوں گا تمہیں دعاؤں دیتا رہوں گا۔“

اس وقت نائلہ اپنے گھر سے نکلی اور اجوم کے پیچھے گمزدہ کرکٹ کے در پر آکھڑی ہوئی  
اور تھکاتہ شان سے شبیان سے پوچھا۔ ”آپ کہاں جا رہے ہیں؟ کیا مجھے چھوڑ کر یہ کس  
طرح ممکن ہے؟“

شبیان نائلہ کو دیکھ کر پریشان ہو گیا اور اسے اپنے ادا سے میں تو نزل محسوس



ہوا۔ ہجوم نے نائلہ کو عجیب شک و شبہ سے دیکھا۔ ششیان نے گہرا کمر جواب دیا۔ "نائلہ ہوتے رگا۔ اس وقت تو یہاں کیا لینے آئی ہے؟ کیا یہاں آنے سے پہلے اپنی ماں سے اجازت لے لی تھی یا خود مری سے چلی آئی ہے؟"

نائلہ نے جواب دیا۔ "جناب والا! میں اپنی مرضی کی مالک ہوں اور میں نے اپنی ماں سے صاف صاف کہہ دیا ہے کہ آپ کے معاملے میں ان کا کوئی حکم بھی نہ مانوں گی۔" ششیان نے آہستہ سے پوچھا۔ "اور اپنے باپ کو کیا جواب دے گی؟" نائلہ نے جواب دیا۔ "جواب دینا میرا کام ہے، میں کوئی اچھا سا جواب باور رکھتی ہوں۔"

ششیان نے جھنجھلا کر کہا۔ "میں تجھے پہلے ہی چکا ہوں کہ میں ایک محترم انسان ہوں، لیکن جب لوگوں کا جذبہ احترام کسی طرح مجروح ہو جاتا ہے تو وہ اسی قسم کی باتیں کرنے لگتے ہیں۔" نائلہ نے سہم کر دہرا کر دیا۔ "اب میں ان باتوں کا خیال رکھوں گی۔ مجھے اپنی غلطی پر افسوس ہے۔"

ششیان نے پوچھا۔ "تیری ماں کہاں ہے؟" نائلہ نے جواب دیا۔ "گھر میں، اندر موجود ہیں۔"

ششیان نے کہا۔ "میرے خلوت کمرے میں آنے پر تیری ماں کو اعتراض ہوتا ہے اس لئے تو یہاں نہ آیا کر۔" نائلہ بگڑ کر کھڑی ہو گئی، بولی۔ "اگر آپ کو میرا آنا ناگوار گذرتا ہے تو میں جاتی ہوں اور اب کبھی نہیں آؤں گی۔" ششیان نے نرمی سے جواب دیا۔ "ناگوار مجھے نہیں تیری ماں کو گذرتا ہے؟"

نائلہ نے غمزہ لہجے میں کہا۔ "آپ خود تو میری طرف آتے نہیں، مجھے ہی آنا پڑتا ہے، اب آج سے نہیں آؤں گی۔"

ششیان کی مرضی یہی تھی کہ نائلہ چلی جائے، لیکن جب نائلہ بگڑ کر چلی گئی تو اسے اپنے آپ پر اور ساتھ ہی ہجوم کے ان لوگوں پر برا غصہ آیا جنہوں نے نائلہ اور خود اس پر فقرے بانیان کی بھین۔ اسے اپنی قابل احترام ذات سے نفرت ہونے لگی۔ وہ سوچتا، دنیا میں کوئی کچھ کرے، لوگ اس پر ہجوم کی شکنیں میں معترض نہیں ہوتے لیکن ایک صوتی کا کیا گناہ ہوتا ہے کہ لوگ ہجوم در ہجوم انگشت نمایاں کرنے لگتے ہیں۔ اسے تصوف سے پڑھنے لگی لیکن دوسرے ہی لمحے کسی نے دل میں کہا۔ "ششیان! بات وہ نہیں ہے جو تو سوچ رہا ہے بلکہ بات یہ ہے کہ

ہجوم نائلہ کو دیکھ کر کسی اور ہی شک و شبہ میں پڑ گیا۔ ششیان بھی ہجوم کے شبہ کو محسوس کر رہا تھا۔ اس نے نائلہ سے کہا۔ "نائلہ! تو اندر چلی جا، میں ابھی آتا ہوں۔" نائلہ اندر چلی گئی۔ اس کے جاتے ہی ششیان نے ہجوم سے پوچھا۔ "کیا تم لوگ نے میرا دیلا کر لیا؟" چند نوجوان ارادت مندوں نے نظرا کر کہا۔ "دیلا کر لیا نہ صرف آپ کا، بلکہ آپ کی ان کا بھی۔"

ششیان کے پاؤں میں لرزش آگئی لیکن وہ ہمت کئے کھڑا رہا۔ کسی نے ہجوم سے کہا۔ "یارو! تم کس کی بات کر رہے ہو؟ میں نے لوگوں سے ہے کہ یہ پیر آج کل اس لوہے کے عشق میں مبتلا اپنے اللہ کے بجائے اس لڑکی کی تابعداری کر رہے کسی طرف سے اور آواز آئی۔" اللہ رحم کرے اور اسے اور اس کے تقویٰ اپنی پناہ میں رکھے۔"

لیکن کہ دت مند نے ان دونوں کو ڈانٹ دیا۔ "ظالمو! خدا کے غضب سے ڈرو اور اس بزرگ نوجوان پر کوئی ایسی تہمت نہ لگاؤ جس کے بارے میں تم کوئی یقین اور اعتماد سے نہ کہہ سکو۔"

ششیان کو ان آوازوں نے اور زیادہ دل برداشتہ کر دیا۔ ہجوم سے کہا۔ میں ایک عاجز و درماندہ انسان ہوں اور میں نے کبھی بھی یہ دعویٰ نہیں کیا کہ میں کوئی متقی اور دین دار ہوں۔ میں تو ایک گناہگار انسان ہوں اور میری آپ سید سے یہ درخواست ہے کہ خدا کے لئے میرا تعاقب نہ کریں، مجھے تنہا چھوڑ دیں۔" یہ کہہ کر ششیان اندر چلا گیا۔ ہجوم کچھ دیر تو وہیں کھڑا رہا لیکن پھر منہ



ہر کام میں خدائی مصلحت ہوتی ہے اور شاید خدایہ نہیں چاہتا کہ تیری عبادت اور ریاضت نائلہ کے ذریعے خاک میں مل جائے۔ اس طرح خدا تجھ کو تنبیہ کر رہا ہے؟

سشیان جس ذہنی ابتلا اور آزمائش میں پھنسا ہوا تھا، اس نے دل دماغ پر ایک تاریکی سی مسلط کر دی تھی، وہ اپنی کٹیائے نکل کر قاسیوں کی پہاڑیوں میں ایک ایسی کھنڈ تلاش کرنے لگا، جس میں وہ یکسوئی سے مراقبہ کر سکتا۔ وہ نائلہ سے اس صورت میں پرکھتا تھا کہ کیا تو نائلہ چلی جاتے اور نائلہ نہیں جاتی تو وہ خود کہیں ردپوش ہو جائے۔ یہ دوسری صورت اختیاری تھی اس لئے اس نے اس پر کاربند ہونے کا فیصلہ کر لیا۔ وہ یکسوئی مراقبہ کے لئے کسی گوشے کی تلاش میں مارا مارا پھرتا رہا۔ یہیں مغارة الدم نامی غار بھی ہے۔ کہتے ہیں دنیا پہلا قتلہ یہیں ہوا تھا اور قاسیوں نے ہمارے کا خون اسی غار میں بہایا تھا۔ وہ مغارة الدم میں جا ہو گیا۔ یہاں ایک پہاڑی چٹان پر خون کا سیاہ دھبہ اب بھی موجود تھا اور یہیں ایک بہت بڑا پتھر ہے جس سے ہابیل ہلاک کیا گیا تھا۔ سشیان خون کے دھبے اور پتھر کے درمیان بیٹھ کر روتے لگا۔ وہ جڑی برکت سے کہہ رہا تھا۔ "انوس کہ انسان مظلوم و گول ہے۔ یہ اپنے آپ پر خود ظلم کرتا ہے۔"

اس کے بعد وہ اس غار میں رہنے لگا اور کٹیا واپس جانے کا خیال ہی دل سے نکال دیا۔ نائلہ اس پر جو دبا لالہ رہی تھی سشیان اس سے کانپ رہا تھا، وہ اپنے آپ پر لعنت ملاست کرتا کہ آخر اسے ہو کیا گیا تھا، اسے پہلے کیوں نہیں ہوش آیا۔ وہ مغارة الدم میں پورے دنیلے سے قطع تعلق کر کے گوشہ نشین ہو گیا۔ یہاں اسے بہت زیادہ خوشی محسوس ہو رہی تھی، ایک ایسی خوشی جو کسی انسان کو چور دن اور لیٹر دن سے اپنا مال و زرعی کے حاصل ہوتی ہے۔ دس دن تک وہ مغارة الدم ہی میں ردپوش رہا، پیاس لگتی تو وہیں کے ایک چشمے سے پیاس بجھاتا، بھوک لگتی تو وہیں کی جڑی بوٹیاں کھا کر معدے کو تسلی دے لیتا۔ ان دس دنوں میں بھی وہ ایک خطرہ برابر محسوس کرتا رہا۔ نائلہ اسے یہاں بھی یاد آتی رہی۔ ابتدائی چند دنوں میں تو اس کی یاد خیال کی طرح آتی اور نکل گئی لیکن اس کے بعد اس خیال میں شدت آنے لگی۔ نائلہ اس کے ذہن اور اعصاب پر چھپاتی چلی گئی۔ اس کا چلنا پھرنا باتیں کرنا، مسکراتا، شوخی سے جواب دینا، اس کا قیامت آسا سراپا، غرضیکہ نائلہ کی ایک چیز یاد آئے لگی۔ اس کے تصور میں مراقبہ سے زیادہ لذت ملنے لگی۔ نائلہ کی جدائی اور اس کے دھکے سشیان کو یہ یاد کرنا شروع کر دیا کہ اس کے دل میں نائلہ نام کی جس لڑکی کا بت چاگزیں ہو گیا ہے وہ مراقبوں اور غاروں کی عزت نشینی سے نہیں نکالا جاسکتا۔ اس کی

قازیں، اس کے وظیفے، اس کے اوراد، ایک نائلہ کے سامنے مجبوراً دیے بس تھے۔ زہر و تقوے کی صفیں وہ ہم برہم اور ہی تھیں اور دس بارہ دن کی جدائی میں اس کا یہ حال ہو گیا تھا کہ ان لوگوں کے پیچھے پھر سوتے میں وہ سر دیا میں پھر پھر کر نائلہ کا نام لیا کرتا۔ جاگتا تو بہت قادم ہوتا اور خدا سے توبہ و استغفار کرتا۔ ٹھیک پندرہ دن بعد اس نے ہتھیار ڈال دیئے اور وہ اپنی کٹیائے کی طرف مراجعت کرنے پر آمادہ ہو گیا۔ اس نے مغارة الدم پر ایک الوداعی نظر ڈالی اور اپنی کٹیائے کی طرف روانہ ہو گیا۔ اس خوف اور اندیشے سے اس کا دل دھک دھک کر رہا تھا کہ اس دوران کہیں نائلہ اپنی ماں کے ساتھ واپس نہ چلی گئی ہو، اور جب وہ رجائی انداز میں یہ سوچتا کہ نائلہ موجود ہوگی اور اسے اپنے ساتھ اچانک دیکھ کر اس کا خوشی سے کیا حال ہو جائے گا؟ تو اسے ایک عجیب سی لذت حاصل ہوئی۔ اس طرح وہ یہ بھی سوچتا کہ ممکن ہے نائلہ موجود ہی نہ ہو اور کہیں چلی گئی ہو، اس منقہ سوچ سے وہ لرز جاتا اور دل و دماغ استقامت گہرائیوں میں ڈوب جاتے۔

جیسے جیسے وہ اپنی کٹیائے کے قریب پہنچ رہا تھا، اس کے دل کی حرکت تیز ہوتی جا رہی تھی اس نے دیر ہی سے اپنی کٹیائے کے سامنے ایک چھکڑا کھڑا دیکھا، چھکڑے کے آگے ایک ابلق گھوڑا جتا ہوا تھا۔ اس کا دل اور زیادہ زور سے دھڑکنے لگا۔ جب وہ اپنی کٹیائے کے درپر پہنچا تو اس نے چھکڑے پر نائلہ اور اس کی ماں کو بیٹھے دیکھا، آگے کو چوان کے متصل وہ آدمی بیٹھا تھا جسے اس نے اس دن دیکھا تھا، جب نائلہ اور اس کی ماں یہاں آئی تھیں اور یہ شخص انہیں بے یار و مددگار چھوڑ کر غائب ہو گیا تھا۔ اس نے چھکڑے کی طرف دیکھا اور پھر نائلہ کی صورت دیکھنے لگا۔ نائلہ اسے دیکھتے ہی چھکڑے سے اتر پڑی اور غلط خوشی میں سشیان کا ہاتھ پکڑ کر کٹیائے کی طرف بڑھی بے اختیار پوچھا۔ "جناب! آپ کہاں چلے گئے تھے؟"

سشیان نے جواب دیا۔ "نائلہ! میں بہت دیر چلا گیا تھا اور اتنے دنوں پہی موشش کرتا رہا کہ تجھے بھولنے میں کامیاب ہو جاؤں لیکن مجھے اعتراف ہے کہ میں اس میں ناکام ہوا۔ نائلہ نے کہا۔ "لیکن اب میں اپنے گھر واپس جا رہی ہوں، میرا باپ مجھے لینے آیا ہے؟" سشیان نے بڑے دھکے سے پوچھا۔ "کیا واقعی؟ کیا تو رک نہیں سکتی؟" نائلہ نے جواب دیا۔ "میں اپنے والدین سے یہ کس طرح کہہ سکتی ہوں کہ آپ دونوں جاؤ، میں یہیں رہوں گی؟"

نائلہ کی ماں نے آواز دی۔ "نائلہ تو وہاں کیا کر رہی ہے؟ چل دیر ہو رہی ہے؟"



نانکھ نے جواب دیا۔ "ماں! میں ابھی چلتی ہوں، کیا آپ اللہ کے اس برگزیدہ بندے سے آخری ملاقات نہیں کریں گی؟"

ماں نے دودھ سے جواب دیا۔ "میں اس وحشی صوفی سے نہیں ملوں گی، یہ تو کچھ بتائے بغیر ہی چلا گیا تھا، پھر میں کیوں ملوں؟"

ششیان نے نانکھ سے کہا۔ "میری ماں! اگر مجھ سے نہیں چاہتی تو اسے مجبور نہ کر مجھ سے ناماخذ ہے، تو اپنے طود پر یہ سوچ کہ تو یہاں کس طرح رک سکتی ہے؟"

اس دوران نانکھ کا باپ بھی ان دونوں کے پاس پہنچ گیا۔ ششیان کو سلام کرتے ہوئے نانکھ سے کہا۔ "کیا بات ہے، تو چلتی کیوں نہیں؟" پھر ششیان سے پوچھا۔ "مختصر بڑا آپ تو بخیریت ہیں؟ آپ کہاں چلے گئے تھے؟"

ششیان نے جواب دیا۔ "میں جس کی تلاش میں کٹیا سے نکلا تھا، اسے نہیں پایا اور اس کے آسمان پر جو کچھ مجھے حاصل تھا، اسے بھی گنوا دیا۔"

نانکھ کے باپ نے چھکڑے والے سے کہا۔ "اے کوچوان! تو ہمارا انتظار کر۔"

نانکھ نے بڑی عاجزی سے باپ سے درخواست کی۔ "بادا جان! کیا ایسا ممکن ہے کہ میں کچھ دنوں کے لیے یہاں رہ جاؤں، رک جاؤں؟"

نانکھ کے باپ نے جواب دیا۔ "نانکھ! یہ کس طرح ممکن ہے کہ ہم سب تو چلے جائیں اور تو یہیں رہ جائے؟"

ششیان نے کہا۔ "آخر تم لوگ جاؤں رہے ہو؟ ہمیں کیوں نہیں رہ جاتے؟"

نانکھ کی ماں نے دودھ سے جواب دیا۔ "بڑی مشکل سے تو واپسی نصیب ہو رہی ہے اور تو کہتے ہو ہم یہیں کیوں نہیں رہ جاتے؟"

نانکھ کے باپ نے یسوی کو ڈانٹ دیا۔ "زبان دراز عورت! چپ ہو جاؤ ورنہ میں سے گستاخی نہ کر۔"

نانکھ نے درخواست کی۔ "بادا جان! کیا ہم چند دنوں کے لیے رک نہیں سکتے؟"

باپ نے جواب دیا۔ "نانکھ! میں دو چار دن تو رہ سکتا ہوں، اس کے بعد مجھے نظر واپس ہو جانا ہے۔"

نانکھ نے عاجزی سے کہا۔ "چلے دو چار دن ہی سہی، اس کے بعد میں بھی چلی چلوں گی۔"

لیکن نانکھ کی ماں نے پھر مخالفت کی، بولی۔ "میری سمجھ میں نہیں آتا کہ تم لوگ

اس آدمی کے بارے میں متاثر کیوں ہو؟ مجھے تو یہ شخص ذرا بھی پسند نہ آیا۔"

نانکھ کے باپ نے پھر ڈانٹا۔ "میں کہتا ہوں تو اپنی زبان بند کرے گی یا نہیں؟"

نانکھ کی ماں آپے سے باہر ہو گئی۔ "تم لوگ اس وحشی کو جو چاہو سمجھو اور جیسی عرت چاہو کر دیکھیں میں اسے بالکل پسند نہیں کرتی کیونکہ یہ آدمیت کی بات کرتا ہی نہیں۔"

ششیان کو نانکھ کی ماں کی باتیں بڑی گراں گزر رہی تھیں لیکن نانکھ کی وجہ سے برداشت کرنا پڑ رہی تھیں، نرمی سے بولا۔ "اے عورت! تجھے ضرور میری کسی بات سے تکلیف پہنچی ہے، اس لیے میری درخواست ہے کہ تو چند دن میرے قریب رہ، تاکہ میں تیرے دل سے کدورت و نفرت کی وہ گرد و غبار دودوں، جس نے تجھے شاکہ اور بیزار کر رکھا ہے۔"

نانکھ کے باپ نے چھکڑے والے کو حکم دیا۔ "سامان اتار دیا جائے، ہم چند دن رہ کر کوچ کریں گے۔"

اسی وقت چھکڑے پر سے سامان اتار دیا گیا اور نانکھ اپنے والدین کے ساتھ پھر اپنے عارضی مکان میں چلی گئی۔ اس کے بعد نانکھ کے باپ نے ششیان کے پاس حاضری دی اور کہا۔ "مرد بزرگ! میں نے آپ کو بہت ستایا، اب اس کی میں معافی چاہتا ہوں اور اس پر دل سے سزائے ہو۔"

ششیان نے کہا۔ "مجھے تو یاد نہیں پڑتا کہ آپ نے مجھے ستایا ہے، آپ نے میرے کب ستایا؟"

نانکھ کے باپ نے جواب دیا۔ "میں نے اپنی بیوی اور بیٹی کو آپ کے پردوں میں چھپو دیا اور میں نے سنا ہے کہ میری عدم موجودگی میں آپ نے ان دونوں کا بڑا خیال رکھا، کیا یہ کوئی معمولی بات تھی؟"

ششیان نے عاجزی سے کہا۔ "نہیں یہ بات نہیں ہے۔ میں نے جو کچھ کیا اپنا فرض سمجھ کر کیا، اس میں کوئی جبر نہیں شامل تھا۔"

دو دنوں بڑی دیر تک یوں ہی باتیں کرتے رہے۔ دوسرے دن صبح نانکھ کا باپ کہیں چلا گیا، نانکھ چپ چاپ ششیان کے پاس چلی آئی اور اُمید صورت بنا کر ششیان سے کہنے لگی۔ "ششیان! تمہیں اپنے اس ڈھونڈنے میں کچھ ملا؟ کچھ حاصل ہو یا یوں ہی چکر لگا کر واپس آگئے؟"

ششیان نے جواب دیا۔ "یہ تو کہہ رہی ہے نانکھ؟ میں نے مفارقات میں جا کر یہ محسوس کیا کہ خدا تو ہر جگہ موجود ہے اس کے لیے کسی غار یا دیرانے میں بیٹھنا ضروری

۴۳

۴۲

Courtesy www.pdfbooksfree.pk



نہیں، میں نے تیرے پاس سے جا کر سخت غلطی کی تھی؟

نانکھ نے شوخی سے پوچھا۔ ”اب تو ہمیں جاؤ گے کہیں؟“

”نہیں؟“ شعیان نے جواب دیا۔ ”اب میں کہاں جاؤں گا؟“ پھر فدا اثر ماکریات پوری کی۔ ”میرا خیال ہے کہ آپ مجھے اپنے دل کی بات چھپانا نہیں چاہیے، کہہ دینا چاہیے اگر تو اجازت دے تو میں کچھ عرض کروں؟“

نانکھ نے کہا۔ ”میری طرف سے اجازت ہے؟“

شعیان نے کہا۔ ”نانکھ! جب رسول اللہ نے مرد کے لئے عورت کو جائز قرار دیا ہے تو کوئی اور یا میں اسے کیوں مستزاد کروں! مجھے خدا کو مت دکھانا ہے اور رسول اللہ سے شرمندگی نہیں اٹھانا ہے اس لئے میں اتباع رسول میں شادی بھی کر سکتا ہوں اور یہ کام شاید اتنا مشکل بھی نہیں ہے؟“

نانکھ نے جلدی جلدی پلکیں جھپکاتیں، پوچھا۔ ”پھر کس سے شادی کر رہے ہو؟“ شعیان نے آنکھیں بند کر لیں اور آہستہ سے جواب دیا۔ ”میں کس سے شادی کر رہا ہوں؟ یہ سوال مت کر بلکہ یہ کہہ کہ وہ کون ہے جو مجھ سے شادی کر رہی ہے۔ مجھ سے جو بھی شادی کرنے کو کہے گی، میں کر لوں گا۔ انکار نہیں کروں گا؟“

نانکھ کو بے اختیار ہنسی آگئی، بولی۔ ”شعیان! معاف کرنا، میں تمہارا نام لے رہی ہوں، تم بہت بھولے ہو! کیسی سادہ لوحی سے باتیں کرتے ہو، یعنی تم کو ابھی تک ایسی کوئی لڑکی نہیں ملی جو تم سے شادی کرنے پر آمادہ ہو سکتی ہو؟“

شعیان نے کہا۔ ”اچھا اب تو ہی بتا کہ وہ کون سی لڑکی ہے جو مجھ سے شادی کرنے پر آمادہ ہو سکتی ہے؟“

نانکھ نے جواب دیا۔ ”میرے لڑکی جو آپ کو قریب سے دیکھ لے گی آپ سے شادی کرنے پر آمادہ ہو جائے گی؟“

شعیان نے فوراً سوال کیا۔ ”کیا تو تیار ہو جاتے گی مجھ سے شادی کرنے پر؟“ نانکھ نے جواب دیا۔ ”یہ مسئلہ میرے والدین سے تعلق رکھتا ہے، اگر وہ حامی بھر لیں گے تو میں بھی چپ ہو جاؤں گی؟“

شعیان نے کہا۔ ”میں تو تیری بات کر رہا ہوں تو کیا کہتی ہے؟“ ”اگر ماں اور باوا جان آمادہ ہو گئے تو پھر کون مزاحم ہو سکتا ہے؟“ شعیان نے کہا۔ ”نانکھ! تو مجھ سے صاف صاف بات کر، میں تیرا عندیہ جانتا

چاہتا ہوں۔“

نانکھ نے چڑھ کر کہا۔ ”آپ کے پاس میرا بہت زیادہ وقت گزرتا ہے کیا یہ اس بات کی علامت نہیں ہے کہ میں آپ سے کچھ چاہتی، میں آپ کو کچھ سمجھتی ہوں؟“

شعیان اس جواب سے بہت خوش ہوا، بولا۔ ”نانکھ! اب میں بہت مطمئن ہوں، تو یقین کر، جب میں نے اپنی کٹیا چھوڑی تھی تو یہ فیصلہ کر لیا تھا کہ اب میں یہاں نہیں واپس آؤں گا۔ میں اس بات سے ڈر گیا تھا کہ تو اگر میرے پڑوس میں چند دن اور رہ گئی تو میں تباہ و برباد ہو جاؤں گا، میں نے بربادی سے بچنے کی خاطر اپنی کٹیا چھوڑی تھی، لیکن، لیکن...“ وہ کچھ کہتے کہتے رک گیا۔ نانکھ نے کہا۔ ”ہاں، ہاں، مجھے رک کیوں گئے؟“

شعیان نے کہا۔ ”پھر میں مغادرۃ الہم میں رد پوش ہو گیا۔ میں نے وہاں خون کے ان دھبوں پر آنسو بہاتے، جو قابیل نے بائبل کو قتل کر کے ڈال دیئے تھے۔ میں نے اس انسان پر جو ظلم ہوا، ہوا ہے اور جو ہر امر خالص میں ہے خوب خوب آنسو بہاتے، میں نے خدا کو بڑی یکسوئی سے یاد کیا لیکن اس دوران میں مجھ پر ایک عجیب سا انکشاف ہوا۔“

نانکھ نے آہستہ سے پوچھا۔ ”وہ کیا؟“ شعیان نے جواب دیا۔ ”وہاں میں نے اے اے ایکسوئی میں یہ محسوس کیا کہ تو اور میرا قصہ کسی اجازت اور اطلاع کے بغیر میرے دل و دماغ پر چھاتے چلے جا رہے ہیں میرے اعصاب کو جھنجھوڑتے دے رہے ہیں؟“

نانکھ نے کہا۔ ”آپ ذرا جلد باز ہیں، کوئی اس طرح جلدی جلدی قدم بخوڑی اٹھاتا؟“ شعیان نے جواب دیا۔ ”میں جلد باز ہی، میں دیکھتا ہوں تو بھی کچھ کم جلد باز نہیں ہے؟“ پھر آنکھیں بند کر لیں اور گویا فٹے میں کہنے لگا۔ ”لوگو! اب میں برداشت نہیں کر سکتا، ایک ایسا عذاب جس کی فوری کوئی تدبیر نہ کی جاسکتی ہو؟“

نانکھ نے پوچھا۔ ”تو آپ کیا چاہتے ہیں؟ اور جو کچھ چاہتے ہیں اسے کس طرح حاصل کریں گے؟“

شعیان نے جواب دیا۔ ”اصل مسئلہ یا سوال یہ نہیں ہیں جو تو دہرا رہی ہے، بلکہ یہ بتانا کہ میں اگر تیری بات کوئی بات کروں تو، تو اس کی مخالفت تو نہیں کرے گی؟“

نانکھ نے جواب دیا۔ ”نہیں، میں مداخلت نہیں کروں گی، آپ مطمئن رہیں۔“ رات کو عشاء کے بعد شعیان کمر سیدھی کرنے کے لئے لیٹ گیا۔ اس وقت اندر سے نانکھ، اس کی ماں اور باپ بھی نمودار ہوئے۔ شعیان اٹھ کر بیٹھ گیا۔ نانکھ کی ماں آتے



تک رہتے دو ادیر میرا فیصلہ سن لو، میں نے اس نیک سیرت متقی نوجوان سے یہ درخواست کی تھی کہ یہ مجھ سے شادی کرے، لیکن اس نے یہ کہہ کر میری درخواست مسترد کر دی کہ اپنے والدین کی موجودگی میں تو ایسی بات نہیں کر سکتی۔

ماں نے نائلہ کو پھر ڈانٹا۔ ”تو چپ رہ بہت غول بیابانی!“  
 نائلہ نے بھی اسی جوش سے جواب دیا۔ ”میں پھر یہی کہوں گی کہ میں شادی کروں گی تو اس نوجوان سے، ورنہ میں یہیں اسی کٹیا میں رہ جاؤں گی اور واپس نہیں جاؤں گی۔“  
 نائلہ کے باپ نے اسے حیرت سے دیکھا، پوچھا۔ ”کیا پس پھر؟ کیا تو نے خوب سوچ سمجھ کر فیصلہ کیا ہے؟“

نائلہ نے جواب دیا۔ ”ہاں، اور یہ فیصلہ میں نے کچھ عرصے پہلے ہی کر لیا تھا۔“  
 ماں نے بڑے غصے میں کہا۔ ”مجھے شبہ ہے کہ اس صوفی کو سحر آتا ہے ورنہ اس بے مرد سلاں وحشی پر کوئی لڑکی کس طرح رنجیدہ ہو سکتی ہے؟“  
 باپ ایک دم مضطرب ہو گیا، بولا۔ ”واقعی یہ نائلہ کا عجیب فیصلہ ہے، افسوس کہ میں اس کی مخالفت بھی نہیں کر سکتا۔“

ماں نے نائلہ کا ہاتھ پکڑ لیا اور زبردستی اٹھانے کی کوشش کی، یوں کہ ”میرے مخالفت نہیں کر سکتے تو نہ کرو، لیکن میں ایسا نہیں ہونے دوں گی، میں نائلہ کی زندگی تباہ نہیں ہونے دوں گی۔“

نائلہ نے اکر کر کہا۔ ”میں اپنی زندگی کی مالک ہوں، تباہ کروں یا شاندار بنا لوں، کسی اور کو بولنے کا کوئی حق نہیں۔“

باپ نے نائلہ سے کہا۔ ”نائلہ! اتنے اہم معاملے میں غجولت سے نہ کام لے، خوب سوچ سمجھ کر فیصلہ کر۔“

ماں نے سختی سے کہا۔ ”اول تو میں ایسا ہونے ہی نہ دوں گی اور اگر خدا کو یہی منظور ہے تو میں اس صوفی کو یہاں، اس دیر مانے میں نہیں رہنے دوں گی اسے ہمارے ساتھ شہر چلنا ہوگا اور وہاں ادنیٰ داروں کی طرح کام کاج کر کے اپنی حیثیت بنانا ہوگی۔“  
 ششیان نے کہا۔ ”ایسا نہیں ہو سکتا، میں یہاں بھی اپنی محنت ہی کا کھانا ہوں، شادی ہو یا نہ ہو، میں شہر نہیں جاؤں گا۔“

نائلہ نے ششیان کی خوشامد کی۔ ”ششیان! خدا کے لئے تم خاموش بہادریات بھی کو کر کے دو!“

ہی برس پڑھی، بولی۔ ”اے صوفی۔ تو میری بیٹی کو کیوں درغلنا رہتا ہے، جب تو یہ بات اچھی طرح جانتا ہے کہ یہاں ہم دونوں موجود ہیں، پھر تو نے یہ بات براہ راست نائلہ سے کیوں کہی؟ ششیان نے عاجزی سے جواب دیا۔ ”میرے لئے لائق صدا احترام عورت! تو بات کو سمجھ نہیں رہی ہے، میں نے نائلہ سے جو کچھ کہا، اس کا عندیہ معلوم کر کے کہا تھا میں بڑی الجھن میں ہوں۔“

ماں نے پوچھا۔ ”دہی تو میں جانتا چاہتی ہوں کہ تو نے اس سے کیا کہا تھا؟“  
 ششیان نے جواب دیا۔ ”تو میری بات پر یقین نہیں کرے گی، نائلہ موجود ہے تو اس سے خود ہی پوچھ لے۔“

باپ نے بھی مداخلت کر دی، بیزاری سے کہا۔ ”آخر یہ جھگڑا کیا ہے، تم لوگ آپس میں کس بات پر جھگڑ رہے ہو؟ کچھ مجھے بھی تو معلوم ہو۔“  
 ششیان نے جواب دیا۔ ”میں اپنی زبان سے کچھ بھی نہیں بتاؤں گا، نائلہ موجود ہے اس سے پوچھا جاسکتا ہے۔“

باپ نے نائلہ سے پوچھا۔ ”نائلہ! کیا بات ہے؟“  
 نائلہ نے رک رک کر اٹک اٹک کر جواب دیا۔ ”یہ بزرگ مجھ سے شادی کی درخواست کر رہے تھے۔“

نائلہ کی ماں ایک دم برس پڑی۔ ”دہی تو میں اس وحشی سے پوچھنے آئی ہوں کہ آخر یہ اس کو سو بھی کیا؟ اس نے اتنی بڑی درخواست آخر کس امید پر کر دی؟“

نائلہ کے باپ نے بیوی کو ایک بار پھر ڈانٹا۔ ”یہ تو اتنی زور نہ دے چلائے کیوں لگتی ہے؟ میں تیرا شور دخل بالکل پسند نہیں کرتا۔“

ماں اس پر بھی بگڑ گئی، چیخ کر کہا۔ ”تم میرا زور زور سے بولنا کیوں بند کر دینا پاپا؟“  
 باپ نے جواب دیا۔ ”اس لئے کہ تیری چیخ چیں، آواز سے میرا دل ڈوبنے لگتا ہے۔“

میرے دانتوں میں کسکا ہٹ سہی ہونے لگتی ہے۔“  
 ماں بدستور چیختی رہی۔ ”تم بے شرم بن سکتے ہو لیکن میں نہیں بن سکتی، میں پوچھ رہی ہوں، آخر اس وحشی کی اتنی جرأت ہوئی کیسے؟“

ششیان نے شرمندگی سے کہا۔ ”صاحبان! میں نے کوئی گناہ نہیں کیا، میں نے کوئی جرم نہیں کیا۔“

نائلہ نے بھی ہمت اور جرأت سے کام لیا، بولی۔ ”یاں! اب اس جھگڑے کو سپرد“



سشیان چپ ہو گیا۔

اس بات تیوں میں دیر تک بحث و مباحثہ ہوتا رہا لیکن وہ نائلہ کے آگے بے بس ہو گئے۔

جب ماں باپ سو گئے تو نائلہ چپکے سے سشیان کے پاس پہنچ گئی اور اسے سمجھایا۔  
”سشیان! تم میری ماں سے فضول بحث مت کرو، وہ جو کچھ کہتی ہے، کہنے دو، اصل فیصلہ تو میرا ہو گا۔“

سشیان نے جواب دیا۔ ”نائلہ! میری ماں کے جسم میں کوئی خبیث روح حلول کر گئی ہے۔ کیا تو دیکھتی نہیں کہ وہ تصوف اور زہد کے خلاف کیسے کیسے نازیبا اور نامعقول الفاظ استعمال کرتی ہے؟“

نائلہ نے کہا۔ ”ہاں یہ بات میں نے بھی محسوس کر لی ہے لیکن اس وقت تو چپ رہو اور بعد ازاں سے کام لو، دیر نہ بتا بنایا کھیل بگڑ جائے۔“

سشیان نے بے بسی سے کہا۔ ”مگر تو کہتی ہے تو میں چپ رہوں گا، بہتر ہے۔“  
نائلہ شادی پر اصرار کرتی رہی، ماں مخالفت کرتی رہی، باپ متدبذب رہا۔ ماں اپنے اس موقف پر مڑتی رہی کہ اگر سشیان یہ وعدہ کرے کہ وہ شادی کے بعد یہاں سے شہر چلا چلے گا تو وہ نائلہ کی شادی سشیان سے کر دے گی۔

نائلہ کی رہنمائی پر سشیان نے کہہ دیا کہ وہ شرط پہلے سے قبول نہیں کرے گا ہاں شادی کے بعد اس پر غور کرے گا اور شاید وہ اس شرط کو پورا بھی کر دے۔

سشیان نائلہ کے عشق میں اس بری طرح گرفتار ہو چکا تھا کہ فرار کی کوئی راہ باقی نہیں رہی تھی۔ ایک طرف وہ خوش تھا کہ وہ نائلہ کو حاصل کرنے میں رہا تھا، مگر دوسری طرف اسے یہ ملال بھی تھا کہ جو جس مقصد سے نکلا تھا، اس میں شاید ناکام ہو رہا تھا۔ شاید وہ سڑک پر گرے کہ وہ خدا تک پہنچ جانا چاہتا تھا لیکن اب شاید اس میں ناکامی ہو، پھر وہ یہ سوچنے لگتا کہ رسول اللہ نے تو کئی شادیاں کرنے کے باوجود خلیفہ سے رابطہ نہیں توڑا تھا تو وہ ایک شادی کر کے خدا کو کس طرح بھلا سکتا ہے؟

سشیان اور نائلہ کی شادی ہو گئی۔ اس نے شادی کے بعد بھی یہی کوشش کی کہ خدا کے قریب کی کوشش کرتا رہے لیکن اب ایک نئی مصیبت پیدا ہو گئی تھی۔ باپ شہر واپس چلا گیا تھا لیکن ماں، بیٹی کے پاس ہی رہ گئی تھی۔ وہ ہر وقت اس کوشش میں رہتی کہ کس طرح ان دونوں کو شہر سے جاتے لیکن سشیان انکار ہی کرتا رہا۔

اس واقعہ کو کئی سال ہو گئے۔ اس دوران نائلہ تین بچوں کی ماں بن گئی دو لڑکے ایک لڑکی، لڑکے بڑے تھے لڑکی چھوٹی۔ اب نائلہ کی ماں نے جھگڑنے کا دوسرا انداز اختیار کیا۔ وہ بار بار یہی کہتی کہ تو نے تو اپنی زندگی اس دیرانے میں گزار دی، لیکن ان تینوں بچوں کا کیا بنے گا؟

اسی سے سوال نے نائلہ کو بھی فکر مند کر دیا اور سشیان بھی سوچنے لگا۔ بھیتوں اور باغوں میں کام کر کے حوا حیرت ملتی تھی وہ اتنی نہیں تھی کہ ان سب کی معقولیت سے گزر بسر ہو جاتی۔ بچے بیمار پڑتے تو ان کے دوا علاج میں بڑی دشواری پیش آتی۔ کھانے کو معقول غذائے ہوتی اور بچے مدد سے دھوئے لگتے تو ان تینوں کے دلوں پر سانپ سالوٹ جاتا۔ یہ یہ چھوٹی چھوٹی باتیں بڑی ہوتی چلی گئیں، جمع ہوتی رہیں انہوں نے نائلہ اور سشیان کو بھی متاثر کیا۔ اب اپنی ماں کے ساتھ نائلہ بھی یہ کہنے لگی تھی کہ ”میں اس دیرانے میں مزید نہیں رہ سکوں گی، شہر چلو۔“

ماں تائید کرتی۔ ”اگر سشیان نہیں چلتا تو نہ چلے، یہیں رہے، تو اپنے بچوں کو ساتھ لے کر میرے ساتھ چل۔ کھل یہ بچے بڑے ہو جائیں گے تو ان کا کیا بنے گا؟“

سشیان ان دونوں سے نہیں لڑ سکتا تھا، کہتا۔ ”آخر شہر میں رہیں کیا مل جائے گا؟ جو خدا ہاں ہے وہی خدا یہاں بھی ہے، وہ دارِ قلب، ہر فرد تک میں کثرتوں کو غذا پہنچا رہا ہے؟“  
نائلہ نے جواب دیا۔ ”پہنچاتا ہو گا پھر تو میں خدا لیکن میں یہاں نہیں رہوں گی، میں انسان ہوں اور میرے بچے انسان کے بچے ہیں پھر میں کیڑے کوڑوں کی طرح خدا کے برحق کا کیوں انتقاد کر دوں۔ میرے بچے بھی دوسروں انسانوں کی طرح جدوجہد کریں گے اور کوئی مقام حاصل کرنے کی کوشش کریں گے۔“

سشیان کی ساری دلیلیں بیکار ہو گئی تھیں، بولا۔ ”نائلہ! آؤ تم مجھے کیا ہو گیا ہے؟ پہلے تو تو ایسی نہیں تھی۔“

نائلہ نے جواب دیا۔ ”پہلے تم بھی ایسے نہیں تھے، پہلے ہمارے یہ بچے بھی نہیں تھے۔“  
سشیان نے بے بس ہو کر مہلت مانگی۔ ”تب پھر مجھے سوچنے اور کسی قطعی فیصلے تک پہنچنے کا موقع دے۔“

نائلہ نے جواب دیا۔ ”تم خوب سوچ لو اور جو چاہو فیصلہ کر دو لیکن ایک بات ذہن نشین رہے۔“

سشیان نے پوچھا۔ ”وہ کیا ہے؟“



نائملہ نے جواب دیا۔ ”وہ یہ کہ تم کوئی بھی فیصلہ کرو، لیکن میں اپنے بچوں کو لے کر چلی جاؤں گی، تم اپنا فیصلہ مجھ پر مسلط نہیں کر سکتے۔“

شعبان نے کوئی جواب نہیں دیا اور تین دن تک اس موضوع پر کوئی بات نہیں چوتھے دن نائملہ نے پوچھا۔ ”شعبان! تم نے کوئی فیصلہ کیا؟“

شعبان نے جواب دیا۔ ”میں نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ تو جا سکتی ہے لیکن بچے میرے پاس رہیں گے۔“

نائملہ کے ہونٹوں پر تلخ مسکراہٹ کھیلنے لگی، یوں: ”واہ کیا فیصلہ کیا ہے اس بڑے فیصلے میں خواہ مخواہ تین دن ضائع کر دیے اور یہ ہمیں سوچا کہ یہ مسئلہ ہی بچوں کی وجہ سے کھڑا ہوا ہے۔ بچوں کے مستقبل کی فکر نہ ہوتی تو میں یہیں اسی دیر لے میں اپنی زندگی بتراتی۔“

شعبان نے بڑے پس و پیش سے کہا۔ ”جب تو بھی چلی جاتے گی اور میرے ساتھ تینوں بچے بھی چلے جاتے گے تب پھر یہاں رہ ہی کیا جائے گا؟“

نائملہ نے طنز کیا۔ ”خدا! جس کی تجھے عمر سے تلاش ہے۔“

شعبان نے کہا۔ ”لیکن خدا تو ہر جگہ موجود ہے۔“

نائملہ نے پھر طنز کیا۔ ”لیکن اس حقیقت کا تمہیں پہلے تو شاید علم نہیں تھا۔“

شعبان نے جواب دیا۔ ”تھا کیوں نہیں تھا۔“

نائملہ نے کہا۔ ”اگر تمہیں اس کا علم ہوتا تو خدا کی تلاش میں دیر انوں کی خاک نہ چھوڑے“

شعبان اندر سے ٹوٹ پھوٹ چکا تھا، بولا۔ ”نائملہ! میں حیران ہوں کہ یہ نکتہ میری سمجھ میں کیوں نہیں آیا تھا۔“

نائملہ کی ماں بھی ان دونوں کی بات چیت سن رہی تھی، بولی۔ ”شعبان! کیا تو مجھ سے ہمارے ساتھ چلے گا؟“

شعبان نے جواب دیا۔ ”ہاں! میں بھی ساتھ چلوں گا لیکن میں یہ سوچ سوچ کر ہمت ہار بیٹھتا ہوں کہ اب میں دنیا میں خود کو اہل کس طرح ثابت کروں گا، دنیا کے لائق کس طرح بنوں گا۔“

نائملہ کی ماں نے کہا۔ ”تو اس کی فکر نہ کر، میرا شوہر ایک بااثر شخص ہے، وہ کوئی اچھا سا منصب دلا دے گا۔“

شعبان ہی کپ رہا تھا، بول۔ ”معلوم نہیں کیوں یہاں سے جانے کو دوں نہیں چاہتا لیکن نائملہ اور بچوں کی خاطر جانا ہی پڑے گا۔“

چند روز کے بعد نائملہ کا باپ بھی آگیا۔ وہ اپنے ساتھ چھکڑا بھی لایا تھا۔ جب اسے معلوم ہوا کہ شعبان شہر جانے پر آمادہ ہو گیا ہے تو اسے بڑی خوشی ہوئی، بولا۔ ”شعبان! میں اس فیصلے پر تجھے مجبور تو نہیں کر سکتا تھا لیکن میری خواہش یہی تھی، آج میں بہت خوش ہوں۔“

شعبان کو اپنی کٹیٹا چھوڑنے کا بڑا اطمینان تھا، اس نے روانگی سے پہلے کٹیٹا پر ایک دعاوی نظر ڈالی تو اس کی آنکھیں بھر آئیں۔ دل پہلے ہی سے امنڈا رہا تھا، اس نے اپنا قول مٹا دیا لیکن اپنے پدر بزرگ کا یہ قول نکھارنے دیا کہ

”خجڑ کا اہل سے بہتر ہے۔“

نائملہ بہت خوش تھی! جب یہ سب چھکڑے میں بیٹھ گئے تو شعبان کے منہ سے چیخ نکلی، بولا۔ ”اے میری تنہائیوں کی رفیق کٹیٹا! میں نے تیری آغوش میں خدا کی جس قدر شریعت کی تھی وہ اب سالوں کے بعد مجھ پر یہ حقیقت منکشف ہوئی کہ خدا تو ہر کہیں ہے اور اسے شہر میں بھی تلاش کیا جاسکتا ہے لیکن، اگر میں شہر میں ناکام رہا تو میں شاید ایک بار پھر تیری آغوش میں سمٹ آؤں۔“

نائملہ نے جھنجھلا کر گھر سے ہونے پوچھا۔ ”کیا تم یہاں پھر واپس آؤ گے؟“

اس نے جواب دیا۔ ”نہیں تو، ایسا کوئی ارادہ نہیں۔“

ماں نے کہا۔ ”پھر تو واپسی کی بات کیوں کر رہا ہے؟“

شعبان نے جواب دیا۔ ”اس لئے کہ جب میں نے دنیا چھوڑی تھی تو یہی فیصلہ کر کے آیا تھا کہ اب میں دیاں نہیں جاؤں گا لیکن آج واپس جا رہا ہوں، اب مجھے کچھ پتہ نہیں کہ شہر میں مستقل رہ جاؤں گا یا یہ کٹیٹا پھر آباد کرنا پڑے گی۔“

نائملہ کے باپ نے اپنی بیوی کے کان میں کہا۔ ”امت الحجہ! اب یہ واپس نہیں آئے گا، بیوی بچوں کی مضبوط پٹریوں سے اسے پس کر دیا ہے اور یہ بڑی اتنی دڈنی ہے کہ اسے یار بازا اٹھایا بھی نہیں جاسکتا۔“

خاصی دیر بعد ان کا چھکڑا دمشق میں داخل ہو گیا۔ شعبان نے اس شہر کو ایک مدت کے بعد دیکھا تھا، اب اس میں خاصی تبدیلیاں آچکی تھیں، یہیں اس کی ماں بھی رہتی تھی جس کا کچھ پتہ نہ تھا کہ زندہ بھی ہے یا مر گئی۔ دمشق کے نظام سے اسے ماضی کی یاد دلا رہے تھے، اس کا چھکڑا عام گزرگاہوں سے ہوتا ہوا ایک خاص شاہراہ میں داخل ہو گیا۔ یہاں بڑے بڑے محلات کھڑے تھے۔

کچھ دیر بعد اس کا چھکڑا ایک شاندار محل کے سامنے جا کھڑا ہوا۔ محل کے پھاٹک پر



سفر تلوں اور محافظوں کا ایک دستہ مستعد اور چوکس کھڑا تھا۔ نانکھ کے باپ نے گاڑی کے گرد بانوں سے بات چیت شروع کر دی۔ شیبان نے نانکھ سے ددیاقت کیا۔ "نانکھ کا قصر ہے؟ کیا بات ہے؟ کیا ہم لوگ اس لائق ہیں کہ اس شاندار قصر میں قیام کریں؟" نانکھ نے جواب دیا۔ "کیوں نہیں! میں تمہیں اسی لئے لائی ہوں کہ آدمیوں کو

مگر تمہیں آدمی بنادوں۔" کچھ دیر بعد بڑا اچھا ٹک کھل گیا اور یہ لوگ چھکڑے سے اتر کر پیدل اندر داخل ہو گئے۔ اس موقع پر نانکھ عجیب کردار ادا کر رہی تھی۔ اس نے تینوں بچے شیبان کے گرد دیتے۔ شیبان نے دد کو تو کا بندھے پر بٹھایا اور ایک کی انگلی پکڑ لی اور اس کے بعد قافلہ پھاٹک کے اندر داخل ہو کر آگے بڑھا۔ پھاٹک کے بعد ایک بڑا سا قطعہ ملا۔ جس پر سبزے اور پھولوں کے درختوں کی ردشیں برقی بہار دے رہی تھیں۔ اس میدان کو غول کے بعد عملات کا سلسلہ ایک باد پھر شروع ہو گیا تھا۔ ادھر جھڑکوں میں محافظ کھڑے ان آمد کا دلچسپ منظر دیکھ رہے تھے۔ دفعتاً انہی محلوں میں سے کسی ایک محل سے کچھ لوگ باہر نکل آئے اور ان کے استقبال کے لئے آگے بڑھے۔ شیبان کی رگوں میں خون خشک ہو گیا۔ اس میں جو شخص سب سے آگے تھا اسے شیبان نے پہلی نظر میں پہچان لیا تھا۔ یہ ہشام بن مدک خلیفہ المسلمین تھا اور اپنی بھینگی آنکھ کی وجہ سے دوسری سے پہچان لیا جاتا تھا۔

کے ارد گرد موجود لوگوں کو بھی شیبان نے پہچان لیا۔ ان میں ایک تو امیر المؤمنین کا قاضی بن صفوان تھا۔ وہی قاضی جسے خلیفہ کے دیتے ہوئے دینار چیکے سے دے دیتے تھے۔ ان میں امیر المؤمنین کا کاتب سالم بھی تھا۔ یہ سب شیبان کو اس حال میں دیکھ کر بہت خوش ہوئے تھے اور اس کا مذاق اڑا رہے تھے۔ شیبان کو چکر ماما گیا۔

نانکھ کی ماں نے امیر المؤمنین کو دیکھتے ہی ادب سے سلام کیا اور شیبان کی سفاقت کی۔ "امیر المؤمنین! یہ میرا داماد شیبان ہے۔ اس کے چھوٹے چھوٹے تین بچے ہیں، اس سے اس امید میں لے آئی ہوں کہ امیر المؤمنین اسے بھی لیتے خادموں میں شامل فرمائیں گے؟" ہشام نے اپنی بھینگی آنکھوں سے شیبان کی طرف دیکھا لیکن شیبان کو کمر لگایا۔ گماں گزرا کہ ہشام کسی اور کو دیکھ رہا تھا، خلیفہ نے شیبان کا مذاق اڑاتے ہوئے کہا۔ "یاد پڑتا ہے کہ میں اس سے کہیں مل چکا ہوں؟"

قاضی ابن صفوان نے عرض کیا۔ "امیر المؤمنین! یہ وہی شیبان ہے جس سے سب جبل بستان میں مل چکے ہیں اور جس کی کتیا پر موٹا موٹا لکھا تھا۔ "انسان کے حق میں می آدما ہے، مگر نام دشنام سے اور دودھش قبول عطیات سے بہتر ہے؟"

آیا، ہشام نے اسے اپنے مصاحبین میں شامل کر لیا تھا اور نانکھ اس سے تند و تیز لہجے میں۔ کردہ رہی تھی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ ان تند اور تیز ہواؤں میں تلاش حق کا چراغ کس طرح روشن رکھ سکے گا۔ پہلے تو اسے یہ یقین تھا کہ خدا ہر جگہ موجود ہے اور وہ اسے ہر جگہ تلاش کر سکے گا لیکن اب یہ محسوس ہو رہا تھا کہ خدا ہر کہیں ہو سکتا ہے لیکن انسانی یادداشت کی عملی داری میں شاید وہ موجود نہیں ہوتا۔ اس نے اپنی بیوی اور بچوں کے مستقبل پر اپنا سب کچھ قربان کر دیا تھا۔ اب نانکھ کی ماں کے بقول شاہین اسیر ہو چکا تھا۔ شیبان کا دل اُٹھ آ رہا تھا۔ وہ کسی بچے کی طرح زار و قطار روتے لگا۔





# سلیوکارٹ

ایٹھارویں صدی عیسوی کے دو سکے نصف میں سب  
انگریز تاجپسروں نے ہندوستان کے حکمران بننے کا خواب دیکھنا  
شروع کیا تو ان کا پہلا شکار نواب سراج الدولہ ہوا۔ اس نوجوان  
اور ناجحرب کار نواب کو زبردستی کے لیے سیفہ قلم بددی تاجپسروں نے



کون کون سے حربے استعمال کیے ہریچاویں اور پیکہ نال کی صربانیوں  
اور قہر مانیوں کی خوبصورت کہانی۔ مہرنا پاجتس اور ارنول تاجپسروں  
قلم کی چادوگری کہ شامدا متح۔ اس عہد کے تہذیب و تمدن کی ایک  
خوبصورت تصویر۔ وہ سب کچھ جو ایک فارسی ایک کہانی میں چاہتا ہے



کے دروازے پر جا کر کھڑے ہو گئے۔ خادم نے انگلیوں کے جوڑوں سے دستک دی اور جب تھوڑی دیر بعد یہ دروازہ کھلا تو اندر سے ایک میراثی نمودار ہوا وہ جھک کر اپنے معزز مہمان کی خدمت میں آداب بجالایا اور سر تا پا فدویت سے مسکرا کر بولا۔ "حضور کی تشریف آوری کا کس طرح اور کس زبان سے شکریہ ادا کروں؟"

معزز مہمان نے ادھر ادھر دیکھ کر انداز داری سے کہا "ہم اندر بیٹھنا چاہتے ہیں!" میراثی اسے اندر لے گیا۔ وہاں جھاڑو خانوں کے سائے تلے قیمتی فرش پیچھے ہوتے تھے۔ وہاں ہر جگہ جگہ آلات موسیقی رکھے ہوتے تھے۔ نوادر مہمان جب مستنشیں ہو گیا تو اس کا حال اس کے پیچھے باندھ کر کھڑا ہو گیا۔ میراثی نے اپنے ہاتھ ناف پر رکھ لئے اور سر جھکا کر پوچھا "ہمارے مرشد شہاد کے صوبے دار علی وردی خان نے اپنے نوٹسے مرزا محمد کی شادی بڑی دھوم دہلی سے کی کیونکہ یہ مرزا محمد مستقبل میں سرزمین الہ کے نام سے جنگل کی صوبے دار ہی پر فائز ہوں گے۔ شادی کی خوشی میں ایک ماد تک پورے مرشد آباد کی دعوتیں ہوتی رہیں کھلی کھلی اور گھر گھر تک تقسیم ہوتے تقریباً بیس لاکھ روپے کی خلعتیں اور جواہرات باندھے گئے اور پورا شہر رنگ و نور میں ڈوبا۔ جہاں چند ماہ پہلے تک مرثوں کے خلاف جنگ کے نقارے بجتے رہتے تھے وہاں کی ہواؤں اور فضاؤں میں شہادتوں اور فیروں کی آوازیں گونجنے لگیں۔"

بادشاہ انعام و اکرام کے امیدوار ملک کے گوشے گوشے سے چل کر مرشد آباد پہنچ چکے تھے۔ دہلی کی مغل سلطنت اپنے صوبے داروں کے ہاتھوں کمزور اور ذلیل و خوار ہو رہی تھی اور چونکہ انکی اس مکنے کی حد تک چست تھا۔ چوڑی دارنشیں پا جاتے ہیں پنڈلیاں شیشے کی طرح چمکا رہی داد و تحش اور شان و شکوہ صوبے داروں کے دیواروں میں چلی گئی تھی۔ اس لئے صاحبان کمال عقیدے اور کستے پر تنگ اور کوتاہ زد کار کو تھیاں ابھرتے ہوئے تھے۔ کو گویا یہ جبر و کفر کی کوششیں کر اہل طرب بھی دہلی سے رخصت ہو کر صوبے داروں کے آس پاس جمع ہو رہے تھے۔ مرشد آباد بھی تھیں۔ ان کی لمبی زلفیں چوڑوں سے بے نیاز پشت اور شانوں پر بکھری ہوئی تھیں۔ وہ نواب ہیں دلی عہد کی خاندان آبادی نے ملک بھر کے اہل طرب کو کھٹا کر دیا تھا اور یہ اپنے فن کا شاندار سامنے آتے ہی جھک گئیں اور تین بار فرشی سلام کیا۔ ان کے مسکراتے ہونٹوں کے پیچھے سے سفید مظاہرہ کر کے توجہ سے کہیں زیادہ انعام و اکرام حاصل کرنے میں کامیاب ہوتے آئے والے طاقتور مروتوں جیسے دانت و دودھ کے بنے ہوئے لگتے تھے۔

تھوڑی دیر بعد مرشد و حسین فتون کو لے کر حاضر ہو گیا۔ ان کے جسموں پر کسا ہوا قیمتی تھوڑی دیر بعد مرشد و حسین فتون کو لے کر حاضر ہو گیا۔ ان کے جسموں پر کسا ہوا قیمتی نواب انہیں دیکھتے ہی تعظیماً آٹھ کھڑا ہوا۔ بولا۔ "حسن و جمال کے نورانی پیکر و اہلیات امید سے زیادہ دولت کما لینے کی خوشی میں ہر شار و الیسی کی تیاریاں کر رہی تھیں۔ ان کا سا ارجحالا کرہیں شرمندہ مت کر دو۔ ہم خود ہی تمہاری پرستش کے لئے یہاں حاضر ہوتے ہیں!" اس کے بعد نواب چند قدم آگے بڑھا اور دونوں کے کاندر ہونٹوں پر ہاتھ رکھ کر اپنی خوش قسمت گاہ تک لے آیا۔

خود بیٹھ گیا اور اپنے آس پاس ان دونوں کو بٹھایا۔ ان کے رد پر چند گز کی دوری پر نواب نے ہاتھ باندھ کر خوشی سے پھولنا نہ سہا رہا تھا۔ نواب نے موعے ہوئے اور گداز جسم کی لڑکی کی ٹھوڑی پر اپنی انگلیاں رکھ دیں اور پھرے کواد پر اٹھاتا ہوا بولا۔ "مٹی مرشد آباد تمہیں پسند آیا؟"

خود بیٹھ گیا اور اپنے آس پاس ان دونوں کو بٹھایا۔ ان کے رد پر چند گز کی دوری پر نواب نے ہاتھ باندھ کر خوشی سے پھولنا نہ سہا رہا تھا۔ نواب نے موعے ہوئے اور گداز جسم کی لڑکی کی ٹھوڑی پر اپنی انگلیاں رکھ دیں اور پھرے کواد پر اٹھاتا ہوا بولا۔ "مٹی مرشد آباد تمہیں پسند آیا؟"

بادشاہ انعام و اکرام کے امیدوار ملک کے گوشے گوشے سے چل کر مرشد آباد پہنچ چکے تھے۔ دہلی کی مغل سلطنت اپنے صوبے داروں کے ہاتھوں کمزور اور ذلیل و خوار ہو رہی تھی اور چونکہ انکی اس مکنے کی حد تک چست تھا۔ چوڑی دارنشیں پا جاتے ہیں پنڈلیاں شیشے کی طرح چمکا رہی داد و تحش اور شان و شکوہ صوبے داروں کے دیواروں میں چلی گئی تھی۔ اس لئے صاحبان کمال عقیدے اور کستے پر تنگ اور کوتاہ زد کار کو تھیاں ابھرتے ہوئے تھے۔ کو گویا یہ جبر و کفر کی کوششیں کر اہل طرب بھی دہلی سے رخصت ہو کر صوبے داروں کے آس پاس جمع ہو رہے تھے۔ مرشد آباد بھی تھیں۔ ان کی لمبی زلفیں چوڑوں سے بے نیاز پشت اور شانوں پر بکھری ہوئی تھیں۔ وہ نواب ہیں دلی عہد کی خاندان آبادی نے ملک بھر کے اہل طرب کو کھٹا کر دیا تھا اور یہ اپنے فن کا شاندار سامنے آتے ہی جھک گئیں اور تین بار فرشی سلام کیا۔ ان کے مسکراتے ہونٹوں کے پیچھے سے سفید مظاہرہ کر کے توجہ سے کہیں زیادہ انعام و اکرام حاصل کرنے میں کامیاب ہوتے آئے والے طاقتور مروتوں جیسے دانت و دودھ کے بنے ہوئے لگتے تھے۔

نواب انہیں دیکھتے ہی تعظیماً آٹھ کھڑا ہوا۔ بولا۔ "حسن و جمال کے نورانی پیکر و اہلیات امید سے زیادہ دولت کما لینے کی خوشی میں ہر شار و الیسی کی تیاریاں کر رہی تھیں۔ ان کا سا ارجحالا کرہیں شرمندہ مت کر دو۔ ہم خود ہی تمہاری پرستش کے لئے یہاں حاضر ہوتے ہیں!" اس کے بعد نواب چند قدم آگے بڑھا اور دونوں کے کاندر ہونٹوں پر ہاتھ رکھ کر اپنی خوش قسمت گاہ تک لے آیا۔

خود بیٹھ گیا اور اپنے آس پاس ان دونوں کو بٹھایا۔ ان کے رد پر چند گز کی دوری پر نواب نے ہاتھ باندھ کر خوشی سے پھولنا نہ سہا رہا تھا۔ نواب نے موعے ہوئے اور گداز جسم کی لڑکی کی ٹھوڑی پر اپنی انگلیاں رکھ دیں اور پھرے کواد پر اٹھاتا ہوا بولا۔ "مٹی مرشد آباد تمہیں پسند آیا؟"

خود بیٹھ گیا اور اپنے آس پاس ان دونوں کو بٹھایا۔ ان کے رد پر چند گز کی دوری پر نواب نے ہاتھ باندھ کر خوشی سے پھولنا نہ سہا رہا تھا۔ نواب نے موعے ہوئے اور گداز جسم کی لڑکی کی ٹھوڑی پر اپنی انگلیاں رکھ دیں اور پھرے کواد پر اٹھاتا ہوا بولا۔ "مٹی مرشد آباد تمہیں پسند آیا؟"



مئی نے بتا دی شرم و حیا سے جواب دیا۔ "بہت زیادہ حضور نواب، اور آپ لوگوں

بخشش اور جود و سخی انہیں تو کبھی بھی فراموش نہ کیا جائے گا!"

نواب کی ہوس آنکھوں میں سمٹ آئی اس نے بشو کو گھور کر دیکھا اور حکم دیا: "جاء؟ اس کے بعد اپنے خادم کی طرف گھوم گیا اور نرمی سے کہا: "اور تم بھی!"

دو دن خاموشی سے باہر چلے گئے، نواب نے تھکا نہ کہا: "دروازے بند کر دیے جائیں حکم کی پوری پوری تعمیل ہوئی۔ اس تخیل میں نواب نے کچھ زیادہ جواروں سے کام

دو دن نو خیز پھول نادان بچیوں کی طرح بزرگ کی آغوش میں سمٹ گئیں، انھما دن ساتھ ساتھ نواب بیس بیس سالہ نو خیز جسموں سے یوں لطف اندوز ہوتا رہا جیسے کوئی تھکا ہارا ضعیف

و ناتوان تشنہ کام پانی سے بھری ہوئی بھاری مشک سے اچھ کر رہ جاتے۔ خاصی دیر بعد نواب نے فرصت کا سانس لیا اور دونوں لڑکیاں اپنی طبیعتوں کے نکتہ کو چھیلے۔ ادب سے اس نے

اس پاس پیچھے گئیں، نواب نے اپنی منظور و نظر سے کہا: "مئی! تم یہیں رہو گی، تم وہی نہیں جاؤ گی مئی نے کسملے ہوتے کہا: "لیکن یہ کس طرح ممکن ہے حضور نواب؟ کیا ہمارے بتا

رضا مند ہو جائیں گے؟"

"ادہ ہوا" نواب نے لاپرواہی سے کہا: "بشو کی کیا مجال کہ ہمارے حکم سے سر تالی کرے؟ میر جعفر خان سپہ سالار افواج بنگال ہیں، تم ہماری سلطنت کی حدود میں ہو اور ہماری مرضی

خلاف ایک قدم بھی نہیں اٹھا سکتیں!"

دونوں لڑکیاں غور فرم رہی تھیں، نواب کی آواز پھر ابھری، بولا: "لیکن تمہیں خوفزدہ ہونے کی کوئی ضرورت نہیں مئی بیگم! ہم تمہیں مرشد آباد کے قیام کے عوض پانچ سو روپے ماہانہ

کمر لگے!"

مئی نے کوئی جواب نہ دیا لیکن دوسری لڑکی بولی: "اور ہمارے لئے کیا حکم ہے نواب صاحب؟"

نواب نے جواب دیا: "ظاہر ہے جب مئی بیگم یہاں رہیں گی تو تمہیں بھی بٹیرنا پڑے گا اور تم سب کی رہائش اور قیام کی ساری ذمہ داریاں ہمارے سر رہیں گی!"

نواب کے جواب نے دونوں کے چہروں پر تازگی پیدا کر دی۔

مختصر مئی دیر بعد بشو کو اندر بلا لیا گیا اسے نواب کے فیصلے سے آگاہ کر دیا گیا، اسے کیا ازکار ہو سکتا تھا! بخوشی رضا مند ہو گیا لیکن میر جعفر نے انا پر یہ قید بھی لگا دی کہ اس کے تعلقات

کا پرچا نہیں ہوتا چاہیے، اس عہد و پیمان کے بعد محفل رقص و موسیقی جی اور بوڑھا نواب دیر تک

چراغ سحری کی طرح بھڑکتا رہا۔

میر جعفر کے جلنے کے بعد بشو نے دونوں لڑکیوں کو نواب ابھی طرح سمجھایا کہ موقع بڑا اچھا ہے جلد از جلد جتنا زیادہ فائدہ اٹھانا ممکن ہے اٹھالیا جائے کیونکہ یہ آندھی کے آہن ہیں، بوڑھا

میر جعفر لب و لہجہ سے معلوم نہیں کب چل بسے۔ میر جعفر ہر دوسرے تیسرے دن حاضری دیتا اور دوا و دھرم کے علاوہ کافی انعام و اکرام دے کر رنگین محفل جراتا اور ہر جھکس نکال کر واپس جاتا۔ کچھ عرصے

بعد میر جعفر یہ محسوس کرنے لگا کہ وہ دونوں لڑکیوں پر فضول دولت، شاد ہا ہے ان سے شادی کر لینا چاہیے کیونکہ دونوں کو بیویاں بنا کر وہ بیک وقت دو فائدے حاصل کر سکتا تھا ایک تو یہ کہ جب

دونوں بیویاں بن کر گھر آجائیں گی تو وہ روز روز کے انعام و اکرام کے فضول خرچ سے صاف بچ جائے گا۔ دوسرے یہ کہ وہ اب تک ان دونوں پر جو کچھ خرچ کر چکا تھا کسی حد تک اس کے واپس

مل جانے کا امکان بھی پایا جاتا تھا لیکن بشو نے میر جعفر کی پیش کش کو نہایت نرمی سے یہ کہہ کر مسترد کر دیا کہ "حضور والا! ہم کھانے کاتے والے لوگ اگر اپنا کام نہ گدائی آپ کے حوالے

کر دیں گے تو ہم کیا کریں گے؟" میر جعفر نے جواب دیا: "مئی فقیر کو اگر تاج و تخت مل رہا ہو تو اسے خدا کا شکر گزار

ہونا چاہیے، تمہاری دونوں بیٹیاں ہمارے حرم میں ملکہ کی حیثیت سے داخل ہوں گی تمہیں تو ہماری پیشکش پر فخر کرنا چاہیے، تم دو ٹکے کے میرانی اپنی دونوں حسین بیٹیوں کے طفیل بنگالہ کے

سپہ سالار اور صوبہ دار عالی درجہ کے بہنوئی کے پندرسبتی کا مرتبہ حاصل کر لو گے!"

بشو چپ ہو رہا لیکن اس خاموشی کے پیچھے خطرناک منصوبے جنم لینے لگے بظاہر اس نے جو خاموش اختیار کر لی تھی اس کا میر جعفر نے یہ مطلب لیا کہ شاید وہ رضا مند ہو گیا ہے، اس

نے حکم پوچھا: "پھر ہمیں کیا تک تمہاری دونوں بیٹیوں کو اپنی ملکہ بنا لینا چاہیے؟" بشو نے اندر دگی سے جواب دیا: "یہ تو حضور والا کی مرضی پر منحصر ہے جب چاہیں انہیں

لے جائیں لیکن یہ طاکساں ایک درخواست ضرور کرے گا؟" میر جعفر نے پوچھا: "وہ کیا؟ کہو!"

بشو نے کہا: "اگر حضور والا مئی اور بشو کو ایک ساتھ اپنے حرم میں داخل کر دیں گے تو یہ کوئی اچھی بات نہ ہوگی اس لئے اس ناچیز کی رائے میں حضور کسی ایک کو اپنے ساتھ رکھیں بعد میں

موقع محل دیکھ کر دوسری کی بابت بھی سوچ لیا جائے گا؟" میر جعفر کو یہ تجویز پسند آئی، بولا: "آدمی عقل مند ہے!" اس کے بعد مئی کا ہاتھ پکڑ لیا۔ بولا: "یہ ہے ہماری مئی بیگم! پہلے اسے ہم اپنی ملکہ بنائیں گے!"



اسی وقت دونوں میں شادی کی تاریخ مقرر ہو گئی۔ میر جعفر نے متی سے پوچھا کہ تمہیں یہ رسمتہ پسند آیا ہے؟

متی نے جواب دیا۔ ”کون ہے جو اس معزز رشتے کو پسند نہ کرے گا۔ میرے لئے یہ اعزاز کیا کم ہے کہ میں عنقریب بنگال کے سپہ سالار کی بیوی بن جاؤں گی!“

میر جعفر نے اسے سینے سے لگا لیا۔ اس کی گھنیری داڑھی متی کے لب درخشاں گرد گدی پیدا کرنے لگی۔

دوسرے دن علی الصباح بٹو کہیں چلا گیا۔ دوپہر کو جب واپس آیا تو بہت خوش تھا۔ وہاں میر جعفر پہلے ہی سے موجود تھا۔ متی نارتھی تھی۔ اور وہ سامنے بیٹھ داد و تحسین کے چھوڑا۔

برسا ہوا تھا کسی کسی نے وہ سرد آہ بھی بھرنے لگا۔ بٹو نے میر جعفر کو سلام نہیں کیا اور تیزی سے چل کر میر جعفر کے قریب جایٹھا۔ بٹو کی یہ گستاخی میر جعفر کو پسند نہ آئی۔ مریویاں چڑھا کر بولا۔ ”بٹو! کیا تم دیوباری آداب اور شخصی احترام سے بھی واقف نہیں؟“

بٹو ہنسنے لگا۔ بزرگانہ انداز میں بولا۔ ”نواب صاحب عقلمند آدمی ہیں، کل آپ نے مجھے اپنا پدر نسبتی قرار دے دیا تھا۔ اس جدید رشتے اور تعلق کی بنا پر میں اسی عزت اور احترام کا مستحق ہوں جس کے حق دار نواب صاحب کے والد بزرگوار ہوں گے۔“ پھر کچھ افسردہ ہو کر بولا۔

”لیکن میں اس حقیقت سے بھی واقف ہوں کہ شرفاہم جیسوں کو سبزاغ دکھا کر اپنا مطلب تو ضرور نکال لیتے ہیں لیکن ہمیں وہ عزت نہیں دیتے جس کا وہ جذبات میں آکر وعدہ کر لیتے ہیں۔“

لوڑھا نواب جوش میں آکر ایک دم کھڑا ہوا اور عقیدت و احترام سے بٹو کے ہاتھ کو چمکنے لگا۔ اس طرح وہ بٹو کے حضور اپنے رشتہ فزندی کا اظہار کر رہا تھا۔ بٹو نے نواب کے سفیر بالوں والے سر پر شفقت سے ہاتھ پھیرا اور دوازی عمر کی دعائیں دینے لگا۔

متی کی بہن بیوہ اس رشتے سے خوش نہیں معلوم ہوتی تھی، وہ خود بھی بوڑھے نواب کی بیوی بن کر محل میں داخل ہونا چاہتی تھی۔ کونسی نے اسے یہ یقین دلادیا تھا کہ وہ زیادہ فکر مند نہ ہو اس کے جاتے ہی بٹو بھی بلائی جائے گی لیکن سردست بٹو کے لئے یہ کیا کم دکھ تھا کہ میر جعفر متی کی موجودگی میں بٹو کو نظر انداز کر رہا تھا حالانکہ حسن و جمال میں وہ متی سے کسی طرح کم نہیں تھی۔

بٹو، میر جعفر اور متی کو سازندوں کے درمیان چھوڑ کر اندر چلا گیا، وہاں بٹو کو اس دیکھ کر پوچھا۔ ”اسے تو کیوں اس مورخہ سے بٹو؟ تو کیا سوچ رہی ہے؟“

بٹو نے ابھی کوئی جواب بھی نہ دیا تھا کہ بٹو خود ہی کہنے لگا۔ ”مجھے خوب معلوم ہے

یہی جگہ میں ہوتا تو میں بھی اسی طرح اداس ہو جاتا۔“ پھر آہستہ سے بٹو کے گال تھپتھپا کر بولا۔ ”لو! یہ جو کسی بوڑھے کے سر پہلو میں اپنی جوانی گزارنا پسند کرے گی۔ لیکن تو مت گھبرا، میں نے وہ شوشہ چھوڑا ہے کہ نواب میر جعفر اس میں پھنس کر اپنا سب کچھ گنوا بیٹھے گا!“

بٹو نے جھل کر جواب دیا۔ ”بتا جی! میں نواب کی دہن بننا چاہتی ہوں!“

”کیا؟ بٹو کی حیرت سے آنکھیں کھل گئیں۔“ تو اس بوڑھے کی بیوی بننا چاہتی ہے جو قبر میں پیر شکر کے بیٹھتا ہے!!“

بٹو نے جواب دیا۔ ”ہاں میں نواب میر جعفر کی بیوی بننا چاہتی ہوں۔“

”یہ کیوں؟“

بٹو نے جواب دیا۔ ”میں دولت کے ساتھ ہی عزت اور مرتبہ بھی حاصل کرنا چاہتی ہوں اور بوڑھے نواب کی بیوی بن کر میں دونوں ہی چیزیں حاصل کر لوں گی!“

بٹو فکر مند ہو گیا۔ بولا۔ ”میں تجھ پر چڑھی نہیں کر سکتا کیونکہ یہ مرشد آیا ہے یہاں صوبہ دار اعلیٰ عہدار سپہ سالار کا حکم چلے گا لیکن اگر تو پسند کرے تو میں تجھے ایک مشورہ ضرور دوں گا!“

بٹو نے بڑی بڑی بادام جیسی آنکھیں بٹو کی طرف اٹھا دیں، پوچھا۔ ”کیسا مشورہ؟“

متی کو نواب میر جعفر ہی سے شادی کر لینے دے اور تو کو سسٹن کر کے ولی عہد بنگالہ نوجوان مران المدد کسی طرح تجھے پسند کرے، اگر تو نے اس نوجوان کو شکا کر لیا تو سپہ سالار میر جعفر تیرا دلی ملانم ہو گا!“

بٹو نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ ”لیکن نوجوان شہزادہ ہیں نہ گا کہاں؟ اسلئے ملاقات کس طرح ہوگی؟“

بٹو نے چٹکی بجا کر بولا۔ ”بس تو فوراً بن سنور کر تیار ہو جا۔ شہزادہ آتے ہی والا ہے، میں اسے خود ہی بلاتا ہوں، میں اس پر فرزتوت کو منی کے ساتھ رنگ رلیاں مٹاتے ہوئے پکڑا دینا چاہتا ہوں، ایسا میں نے اسلئے سوچا تھا کہ میں تم دونوں کو بوڑھے نواب کی مذہبیت میں نہیں دینا چاہتا تھا۔“ پھر کچھ رک کر کہا۔ ”لیکن اگر تو نے نوجوان شہزادے کو اپنی طرف رجوع کر لیا تو پھر میں متی کو میر جعفر سے بخوشی یاہ دوں گا اور میں ایک وقت شہزادے اور سپہ سالار کا پدر و بیٹی بن جاؤں گا۔ یہ ایک بہت بڑا اعزاز ہو گا۔ بہت بڑا مرتبہ، اور میرا شمار بھی یہاں کے امرا میں ہونے لگے گا۔“

بٹو نے کوئی جواب نہ دیا، اور خاموشی سے اٹھ کر سنگار کرنے لگی۔ دوسرے لفظوں میں نوجوان شہزادے کو قلعہ کرنے کے لئے بنانا سنگار اور ناز و داد کے ہتھیاروں سے



صلح ہونے لگی۔

سراج الدولہ غصے میں اٹھنا چاہتا تھا لیکن اسی وقت ایک دروازے سے بودا داخل ہوئی  
اور قیادت کرتی آئی۔ دونوں کے قریب آگئی۔ میر جعفر سنبھل کر بیٹھ گیا۔ سراج الدولہ بھی اس عہدہ  
کے ایک پیکر کو بغور دیکھنے بغیر نہ رہ سکا۔ بڑی پتلی مکرمل پرمل کھا رہی تھی اس نے پہلے میر جعفر کے ردیو  
میں دیکھا کہ وہ دونوں گھنٹوں کے بل بیٹھ کر اس کے داہنے ہاتھ کو بوسہ دیا۔ اس کے بعد سراج الدولہ  
سہ سالہ کو اس رنگ میں دیکھ کر شرم سے محسوس کی لیکن میر جعفر نے مٹری سے بیٹھا ہوا اس نے  
نوجوان دلی عہد کو زاپا لگانے سے لطیف انداز ہونے کی دعوت دی، سراج الدولہ نے ہاتھ کے  
اشاعت سے میر جعفر کو ایک طرف بلانا چاہا لیکن میر جعفر نے تجلیے کا حکم دے کر شہزادے کو اپنے ہاتھ کے  
بلایا۔ جب سراج الدولہ اس کے پاس جا بیٹھا تو میر جعفر نے رازداری سے پوچھا: "کوئی خاص خبر کی نظر دے سکتا ہے؟ شہزادے کیوں دیکھا جیسے شکایت کر رہا ہو۔"

نوجوان شہزادہ بھی بہت کے نامہ داد اسے اپنے دل میں معمولی سی لگا دت محسوس کرنے لگا  
سراج الدولہ نے ذرا پس و پیش سے جواب دیا: "آپ والدہ محترمہ کے پھوپھا ہیں، میر جعفر دونوں کے جذبات کو پڑھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اس نے اسی لمحے جیب سے ایک قیمتی ہار  
دھتے سے ہم بھی آپ کو پھوپھا کہتے ہیں، نانا جان ہمیں دلی عہد مقرر فرما چکے ہیں، مگر اقتدار سنبھالنے کے لئے ان کو بڑی طرف اچال دیا ہے۔ اس نے ایک ماہ کی طرح زمین پر نہیں گرنے دیا۔ سراج الدولہ  
سے پہلے ہمیں علی تربیت درکار ہے جو آپ لوگوں ہی سے مل سکتی ہے، لیکن میر جعفر کی موجودگی میں ایسا نہیں کر سکا۔ بشو کو شہزادے کی  
عجیب طرح کی شرمندگی محسوس ہو رہی ہے۔"

میر جعفر نے درود سے ہنسنے لگا، بولا: "صاحبزادے! یہ جگہ جہاں اس وقت آپ تشریف  
فرما ہیں، تربیت کا مشہور گورنر ہے، اہم امور ملکی اور جنگی میں سرکھپانے والے لوگ ذرا سکون کا  
سانس لینے یہاں آجالتے ہیں، یہ طاقتور دہلی واپس جا رہا تھا، ہم نے سوچا اس سے کچھ دن اولٹھ کر  
اندوز بولیں!"

سراج الدولہ نے جذبہ نفرت کو چھپانے کی کوشش کی۔ بولا: "لیکن ہم نے تو  
کچھ اور ہی سنا ہے!"

"وہ کیا؟" میر جعفر نے چونک کر انداز میں سوال کیا۔  
"یہ کہ آپ انہیں روک رہے ہیں اور ان سے شادی کرنا چاہتے ہیں؟"

میر جعفر ابھی اس انکشاف پر پوری طرح حیرت کا اظہار بھی نہ کر سکا تھا کہ بشو اجازت  
لے بغیر اندر داخل ہو گیا اور ہاتھ جوڑ کر عرض کیا: "قبلہ شہزادے کی تشریف آوری کا بندہ کس زبا  
سے شکر ادا کرے، اگر حکم ہو تو یہ ناچیز شہزادے کی دل بٹائی کا سامان کرے!"

میر جعفر نے شوخی سے مسکرا کر حکم دیا: "اجازت شہزادے ہمارے یہاں ہیں اس مقررہ  
تکلف میں رشوت کے تکلفات ختم ہو جاتے ہیں؟" پھر سراج الدولہ سے کہہ: "شہزادے قبلہ شہزادے کی تشریف آوری کا بندہ کس زبا  
سے شکر ادا کرے، اگر حکم ہو تو یہ ناچیز شہزادے کی دل بٹائی کا سامان کرے!"

سراج الدولہ نے فحشاً سمجھ لیا کہ بشو کتنا کیا چاہتا ہے، سراج الدولہ نے دونوں کو  
چھٹی لگیں گی!"



انعام واکرام سے محروم رکھا تھا۔ یہ صورت حال بشو سے بھی بھلا سکتی تھی اس نے آہستہ سے کہا یہاں اس مقصد سے ہرگز نہیں آتے تھے یہ ہم پر قرض رہا۔ پھر چکا دیں گے لیکن چلتے چلتے یہ کہہ جاتے کہ گھر دست ہمارے سامنے شمشیر و سنان اور توپ و تفنگ کی بازی بھی ہوتی ہے اسے جیت لیں اس کے بعد بازی کی بار بھی خوبصورت ہو جاتے گی!

بشو نے نظروں ہی نظروں میں پوچھا کہ کب ملاقات ہوگی؟  
سراج الدولہ نے بشو سے کہا۔ ”تم ہم سے ملنا“  
میر جعفر نے ان کے نامہ و پیام کا مفہوم پالیا تھا بولا۔ ”کوئی ضرورت نہیں ہمارے پاس جو کچھ ہے شہزادے کے نانا علی دروہی خان کا ہی دیا ہوا ہے شہزادے کی طرف سے ہم کو ادا کریں گے!“

محفل اجڑ گئی جو سراج الدولہ بشو کی خواہش پر میر جعفر کو شرمندہ اور لیل کیا تھا خود شرمندہ ہو کر واپس نکلا۔ سراج الدولہ نے اس نشست میں ایک بات فرمایا تھی جس کی میر جعفر کو آداب نشست و برخاست انداز و مزاج آئی، اور خوبصورت اور پرست پر غیر معمولی عبور حاصل تھا اور شاید حسین عورتیں ان کی رسیا ہوتی ہیں بھی تو انہوں نے ایک طرف پر لڑھے کو ترجیح دی۔

بشو اپنے انعام کی خاطر سراج الدولہ کے پاس پہنچ گیا۔ سراج الدولہ نے اسے دیا۔ بشو نے کچھ کہنے اور کچھ نہ کہنے کے مترتب انداز میں کہا۔ ”کیا حضور والہ سے ہوتی کاروبار بغور ملاحظہ فرمایا تھا؟“  
سراج الدولہ نے سادگی سے جواب دیا۔ ”ہاں انہیں اپنے فن پر کامل عبور حاصل اور آواز کی بابت حضور والا کی کیا رتے ہے؟“  
سراج الدولہ نے جواب دیا۔ ”سر سوتی ان کے گلے میں اتر گئی ہے گیت اور آواز جتنی تعریف بھی کی جاتے کم ہے!“

بشو کی بانجھیں کھل گئیں بولا۔ ”بس حضور والا! جناب کے انعام واکرام سے نہ قیمتی تو یہ تمہیں دائرین کے گرانمایہ الفاظ میں مجھے کچھ بھی نہ ملتا اور یہ چند الفاظ کا لڑکا دل میں اتر جاتے تو بندہ یہ سمجھتا کہ اسے سب کچھ مل گیا!“  
سراج الدولہ خاموش رہا بشو وہاں اس خیال سے بیٹھا رہا کہ نوجوان ولی عہد بلوچی اور بھی کہے گا لیکن وہ خاموش ہی رہا۔  
بشو نے خود ہی سراج الدولہ کو قائل کر دیا۔ ”وہی یہ بات کہ میں اپنی دونوں

سراج الدولہ نے صاف صاف جواب دیا۔ ”بشو! تم کسی اور خوش فہمی میں ہرگز نہ رہنا۔ اپنے دل میں فریب کا رخواہشات کو ہرگز نہ بنے دینا۔ ہم ایک بات تمہیں صاف صاف بتا دیتا چاہتے ہیں وہ یہ کہ ہم میر صاحب کی وضع کے آدمی نہیں ہیں، ہمیں تم سے ہمدردی ضرور ہے لیکن یہ میر صاحب جیسی ہرگز نہیں ہے!“  
بشو کا خیال تھا کہ ولی عہد ابھی خام کا ہے اگر دو چار بار سراپا قیامت ہو تو اس سے ملادیا جاتے تو سراج الدولہ یقیناً اپنا فیصلہ بدل دے گا، پھر اس نے یہ بھی سوچا کہ اس کی شاگ بھی نئی نئی ہوئی ہے لا محالہ بیوی کی چاہت دل میں گہری ہوگی، جب یکساںی اس چاہت کو کم کرے گی تو شہزادہ یقیناً ٹوٹ کر بڑے پر مائل ہوگا!

اس نے سراج الدولہ سے درخواست کی۔ ”حضور والا! جب یہ خادم جناب کا انعام واکرام لے کر ہوتے پاس پہنچے گا تو وہ شکر ہے کی ادائیگی کے لئے حضور والا کی قدم بوسی ہماری طرف سے اس کا شکر یہ تم وصول کر لینا!“  
بشو نے مایوسی سے کہا۔ ”یہ تو کوئی بات نہ ہوئی جناب والا!“ پھر غمزدہ آواز میں کہا ”آپ لوگ ہی نہیں منہ دگتے ہیں اور میں اپنی زندگی میں جو عزت بھی ملتی ہے اس کے شیع یا محزون آپ لوگ ہی ہوتے ہیں ان اعتراضات اور حقائق کے پیش نظر حضور والا کو جہن شربہ قند سراج الدولہ خاموش رہا بشو وہاں اس خیال سے بیٹھا رہا کہ نوجوان ولی عہد بلوچی اور بھی کہے گا لیکن وہ خاموش ہی رہا۔

بشو نے خود ہی سراج الدولہ کو قائل کر دیا۔ ”وہی یہ بات کہ میں اپنی دونوں سراج الدولہ نے عاجز آ کر جواب دیا۔ ”ابن منظور ہے، اگر بتو میگم ہمارے رویہ وہی شکر یہ ادا کرنا چاہیں تو انہیں ضیانت خلتے میں حاضر ہو جانے کی اجازت ہے!“



بشوتے خوش ہو کر کہا۔ "بہنہ پروردہ ہی کا شکر یہ"

وہ پانچ سات قریب دور بشو کھڑا تھا۔ بھونے شہزادے کے دونوں ہاتھ پکڑ لئے اور انہیں اپنے پیچھے لے کر چلے گئے۔

اس کے جانے کے بیس بیس منٹ بعد ہی مسٹر جعفر بھی پہنچ گیا۔ اسے بشو کے بچوں سے آتش کدہ بتادیا۔

آمدور واپسی کا کوئی علم نہ تھا۔ اس نے نوجوان دلی عہد سے کہا "مرزا محمد کیا آپ کو؟"

اس نے جواب دیا۔ "میں تو بھوکھا ہوں! کیوں؟ خیریت تو ہے!"

میر جعفر نے پوچھا۔ "اور بھوکہ وہ کیسی ہے؟"

سراج الدولہ نے جواب دیا۔ "اچھی ہے لیکن پتہ نہ کرنے کا کوئی سوال ہی نہیں پیدا"

میر جعفر نے بے شرمی سے کہا۔ "تو میں تو مرزا محمد اور دونوں عنقریب تمہاری پھپھیاں"

کرمحل میں آنے والی ہیں!"

سراج الدولہ نے حیرت سے کہا۔ "اچھا! خوب!"

"ہاں! ہم تو ہیں ایک بات جانتے ہیں! ہم سب باڈوں میں کھڑے ہیں ایک منڈی میں"

یہاں لہن دین ہو رہی ہے اگرچہ پتہ نہیں ہے اور خریدنے کے لئے پاس دولت بھی ہے تو خرید رہا ہے"

کو پس دیش سے کام نہیں لینا چاہیے! جب میر جعفر نے یہ دیکھا کہ سراج الدولہ کسی طرف کھل ہی نہیں رہا۔ تو کہنے لگا "مرزا محمد ہم بشو کے پاس جانا چاہتے ہیں! ہم نے سوچا اگر ہم آپ کو بھی چار ہوتیں تو بڑی آنکھوں میں تیرے ہوتے قطرات جھلکاتے گئے اور خسار دلی ہیران کی آپ کی طرف سے کچھ دین گے تو جیسی سبکی ہوگی! بھوتیا مٹی کو آپ کی طرف سے جو کچھ بھی دیا جائے"

کآپ کی طرف سے یا تا بعد نام لے کر دیا جائے دقت اور حوصلہ کا تھا سنا ہے!"

سراج الدولہ اس شاطر کی باتیں خوب سمجھ رہا تھا۔ پھر بھی پوچھا "کیا ہم آپ کو وہ"

پیریز دے دیں جو بھوتیا بھوت کو پہنچانا چاہتے ہیں!"

"یقیناً یقیناً!" میر جعفر نے جواب دیا۔ "ہماری خواہش ہے کہ یہ قرض فوراً ہی ادا دینا چاہتے ہیں!"

سراج الدولہ نے تجاہل عارفانہ سے سوال کیا۔ "کب نقد روپے دے دیتے جاتیں؟"

"اس سے بہتر کیا بات ہوگی!"

سراج الدولہ نے میر جعفر کو دس ہزار روپے دے دیے اور اس پر یہ بات کسی طرح پر نہ گالے کی صوبہ داری ہ گشتا معاف! اس ناپیریز کی توقع حیران ہے!"

سراج الدولہ خفیف ہو کر بولا۔ "صوبہ داری میں حسن و عشق کا کیا کام کیا ہم سمجھ"

میں کہ تم ہم سے اظہار عشق کر رہے ہو؟ آخر تمہاری باتوں کا کیا مطلب ہے!"

بھونے نے چارگی سے جواب دیا۔ "مجھ میری کہ مجال کہ میں حضور اللہ علیہ و آلہ وسلم کی طرف"

عشق اور صوبہ دار کے محل میں! ایسا کبھی بھی ممکن ہوا ہے جو آج ہوگا! پھر آٹھ کر کھڑی ہو گئی اور بشو کی طرف واپس جاتی ہوئی بولی۔ "پتا چلی! واپس چلو! واپس دلی جہاں میں یہاں اب میں یہاں"

میر جعفر نے ساری تم خود ہی دہائی۔

میر جعفر نے ساری تم خود ہی دہائی۔ وہ بشو کے ساتھ سراج الدولہ کے ضیاء

خانے میں پہنچی اور جوں و جاہل کے انعام دار کا بہت بہت شکر ادا کیا۔ سراج الدولہ

زیر کا نقش آہنوسی کو سی پر بیٹھ ہوا تھا اور اس کے سامنے کھٹوں کے بل بڑھکھی ہوئی تھی۔ بھونے پیچھے

۹۶

۹۷

Courtesy www.pdfbooksfree.pk



نہیں رہ سکتی!

عدوی خاں یہ کسی طرح بھی گوارہ کر سکتا تھا۔ سراج الدولہ کے پاسے ثبات میں بھی لرزش آتی لیکن اس کام کی خود میں ہمت نہ پاتا تھا بیٹے نے یہ کہا تھا کہ بی بی! تم دہلی واپس جاؤ! اور میں مظاہرے کے بعد اس نے یہ خواہش کی کہ بی بی! تم یہیں مرشد آیا دہا میں رہو!

میرجعفر بھی ان حالات سے پوری طرح باخبر تھا۔ بڑا اس سے خوفزدہ تھی۔ اس نے اپنے خوف کا سراج الدولہ پر بھی اظہار کیا لیکن سراج الدولہ میرجعفر کو ذرا بھی خاطر میں نہ لاتا تھا اس نے بڑا کو یہ کہہ کر تسلی دی کہ ہم جب بھی چاہیں گے تانا جہاں سے کہہ کر میرجعفر کو معزول کر دیں گے! اس کے ساتھ ہی اس نے یہ بھی کہہ بی بی! ہم مستقبل کے صوفے دار ہیں میرجعفر ہمارے چچا

سراج الدولہ نے تالی بجا کر ایک خدمت گار کو بلایا اور اسے حکم دیا کہ میرجعفر اور ان کی خوش تہریر میں کبھی بھی ناراض نہ ہونے دے گی! لیکن بڑا یہی کہتی ہے حضور والا! آپ اس شریر شخص کے فتوں سے شاید پوری طرح

خبردار ہو گئی ہوں! خدمت گار چلا گیا تو س نے بڑا کو ایک کمری پیش کی بولا: فی وقت۔ لیکن وہ کمری بڑی اور آہستہ سے بولی۔ حضور والا! یہ ہرگز نہ بھیر کہ میں

میں گرفتار ہو گئی ہوں! سراج الدولہ کو اس کی صبحہ الدماغی پر شبہ ہو چلا تھا۔ بڑا کی بات متفقہ تھی۔ شربت آگیا۔ اشد چائے ہی خدمت گار وہاں سے چلا گیا۔ سراج الدولہ نے

کے باوجود شربت کا پیالہ بڑا کے منہ سے لگا دیا۔ بڑا نے احسان مندانہ نظروں سے سراج الدولہ اور غٹ غٹ چڑھ گئی۔ سراج الدولہ نے بڑا سے کہا۔ برسوں ہم بڑا کے کلمات کا مشاہدہ کرنا چاہتے

ہوئے اداسی سے اپنا سر جھکا لیا۔ بولی: پھر مجھے دہلی چلا جانے دیجئے! سراج الدولہ نے غیر جذباتی لہجے میں کہا: تمہاری خوشی! تمہاری مرضی!!

ضیافت خانے کی تقریب سے اٹھ کر سراج الدولہ بیوی کے پاس پہنچا تو وہاں میرجعفر بیٹے ہی سے موجود تھا۔ میرجعفر نے اسے دیکھتے ہی کہا: مرزا محمد! بڑا تھا آئی تھی یا بڑا بھی

ساتھ تھا؟ بیوی لطف النساء نے بیٹھی تھی میرجعفر نے نہایت نازک مسئلہ چھیڑ دیا تھا۔ اس نے

چمکپٹے ہوئے جواب دیا: بڑا بھی ساتھ آیا تھا! لیکن میرجعفر نے بات کاٹ دی: ہم نے مسئلہ کہ ساتھ آیا تو تھا لیکن بڑا کو تمہارے

حوالے کر کے چلا گیا تھا کیسی ملاقات رہی؟ اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی۔ لطف النساء نے سوال کیا: کیا بڑا کو واقعی رقص و موسیقی میں کوئی کمال حاصل ہے؟

میرجعفر نے شرارت سے جواب دیا: ایسی دیتی! دھڑا کر چاہے تو بڑے بڑے فرائد

سراج الدولہ کمری سے اتر پڑا اور تیز رفتروں سے ان دونوں کے قریب پہنچا۔ تم ہمیں غلط نہ سمجھو، ہمارے سینے میں بھی دل ہے لیکن اس دل کا امور مملکت نے خاص کر ہم دوسری فردی خواہشات کو اندر جانے ہی نہیں دیتے!

بڑا نے ڈب ڈبائی آنکھوں سے دیکھا اور مزہ کھیر لیا: عشق تو ہم لوگ بھی نہیں کرے ذات تو اس معاملے میں بطور خاص شہرت رکھتی ہے لیکن چند روزوں سے میں یہ محسوس کر چکا ہوں کہ جو نیک بھڑ میں بھی لگ سکتی ہے!

سراج الدولہ نے تالی بجا کر ایک خدمت گار کو بلایا اور اسے حکم دیا کہ میرجعفر اور ان کی خوش تہریر میں کبھی بھی ناراض نہ ہونے دے گی! لیکن بڑا یہی کہتی ہے حضور والا! آپ اس شریر شخص کے فتوں سے شاید پوری طرح

خبردار ہو گئی ہوں! خدمت گار چلا گیا تو س نے بڑا کو ایک کمری پیش کی بولا: فی وقت۔ لیکن وہ کمری بڑی اور آہستہ سے بولی۔ حضور والا! یہ ہرگز نہ بھیر کہ میں

میں گرفتار ہو گئی ہوں! سراج الدولہ کو اس کی صبحہ الدماغی پر شبہ ہو چلا تھا۔ بڑا کی بات متفقہ تھی۔ شربت آگیا۔ اشد چائے ہی خدمت گار وہاں سے چلا گیا۔ سراج الدولہ نے

کے باوجود شربت کا پیالہ بڑا کے منہ سے لگا دیا۔ بڑا نے احسان مندانہ نظروں سے سراج الدولہ اور غٹ غٹ چڑھ گئی۔ سراج الدولہ نے بڑا سے کہا۔ برسوں ہم بڑا کے کلمات کا مشاہدہ کرنا چاہتے

ہوئے اداسی سے اپنا سر جھکا لیا۔ بولی: پھر مجھے دہلی چلا جانے دیجئے! سراج الدولہ نے غیر جذباتی لہجے میں کہا: تمہاری خوشی! تمہاری مرضی!!

ضیافت خانے کی تقریب سے اٹھ کر سراج الدولہ بیوی کے پاس پہنچا تو وہاں میرجعفر بیٹے ہی سے موجود تھا۔ میرجعفر نے اسے دیکھتے ہی کہا: مرزا محمد! بڑا تھا آئی تھی یا بڑا بھی

ساتھ تھا؟ بیوی لطف النساء نے بیٹھی تھی میرجعفر نے نہایت نازک مسئلہ چھیڑ دیا تھا۔ اس نے

چمکپٹے ہوئے جواب دیا: بڑا بھی ساتھ آیا تھا! لیکن میرجعفر نے بات کاٹ دی: ہم نے مسئلہ کہ ساتھ آیا تو تھا لیکن بڑا کو تمہارے

حوالے کر کے چلا گیا تھا کیسی ملاقات رہی؟ اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی۔ لطف النساء نے سوال کیا: کیا بڑا کو واقعی رقص و موسیقی میں کوئی کمال حاصل ہے؟

میرجعفر نے شرارت سے جواب دیا: ایسی دیتی! دھڑا کر چاہے تو بڑے بڑے فرائد



کو لگنی کا ناپ بچا سکتی ہے اور میرا تو یہ خیال ہے کہ اسے ہمارے دشمن مرہٹوں نے یہاں بھیجا ہے۔  
 نے اسی شے کے پیش نظر ہو کر بڑی ہنس مٹی سے شادی کر کے انہیں مغلوں کو دیلے اور جب ہم زندہ ہیں ان کی ایک بھی نہ چلنے دیں گے؟

لطف النسانے بے زاری سے کہا: ”تب پھر اس حسین ناگہ سے میں چوکتا اور ہر  
 رہنا چاہیے؟“  
 میر جعفر تو یہ شوشہ چھوڑ کر چلا گیا لیکن لطف النسا اور سراج الدولہ میں اس بار  
 پر کئی دن تک ان بن رہی اور سراج الدولہ نے ہوتے بھٹا جلتا کسر ترک کر دیا۔

ایک دن اس نے اپنے ایک معتمد کو ہوتے پاس دریافت حال کے لئے بھیجا۔ وہاں  
 مگر اس نے جو خبر دی اس سے سراج الدولہ کے غم و غصے کی انتہاء رہی، اس معتمد نے بتایا کہ  
 وہاں وہ پہنچی اس نے میر جعفر کو ہوتے کی رفعت و موسیقی میں مشغول دیکھا۔ میر جعفر نے اسے دیکھ  
 کر یہ فحشہ بھی چھوڑا کہ ”یہ مشغلہ نوجوانوں کے لئے نہیں پختہ کاروں کے لئے ہے“ اس کے لئے  
 بہت اور تجربے کی ضرورت ہے۔“

اس بات سے سراج الدولہ کو مشتعل کر دیا اور اس نے یہ فیصلہ کر لیا کہ نانا علی کو  
 سے کہ سن کر وہ ہر قیمت میر جعفر کو سپہ سالاری کے عہدے سے معزول کرادے گا۔  
 اس فیصلے کے بعد اس نے اپنے صوبے دار نانا سے ملنے اور بات کرنے کا ایک چاہنے  
 مندوبہ بنایا، لیکن اس سے غلطی یہ ہو گئی کہ اس نے اپنے ارادے کا ذکر خانہ دان کے کچھ اور لوگوں کے  
 سامنے بھی کر دیا۔ اس سے سراج الدولہ کا یہ مقصد بھٹکا کہ وہ لوگ سراج الدولہ کے غم و غصے  
 کی خبر میر جعفر تک پہنچا دیں، دوسرے یہ بات بھی تھی کہ اس میں سراج الدولہ کی مشعل مرزائی زور  
 رنجی اور شکایت نہ روشنی بھی شامل تھی۔

سراج الدولہ کے ارادوں سے مطلع ہو کر میر جعفر اس کے پاس آیا اور ناگواری سے  
 اس تبرک تشریف چاہی تو سراج الدولہ نے صاف صاف کہہ دیا کہ ”آپ اپنی اصلاحات قریب  
 درہ پھر جو نتائج بھی نکلیں گے، اس کی ذمہ داری خود آپ پر ہوگی۔“

میر جعفر نے طنز یہ لپے میں پوچھا: ”اس کا کیا نتیجہ نکلا ہو چلا؟“  
 سراج الدولہ نے بے مروتی سے جواب دیا: ”وہی جو آپ دہ مرزوں کی زبانی سن  
 چکے ہیں؟“

میر جعفر نے بے نیازی سے کہا: ”یعنی یہ کہ آپ مجھے سپہ سالاری کے عہدے سے ہٹا دیں گے؟“  
 سراج الدولہ نے نرمی سے جواب دیا: ”مگر آپ کی بے اعتدالیاں برقرار رہیں تو

”میر جعفر نے نہایت تلخ اور متاسفانہ لہجے میں کہا۔“

میر جعفر نے نہایت تلخ اور متاسفانہ لہجے میں کہا: ”میرزا محمد! آپ کئی بار ہماری ہانت  
 کر چکے ہیں، جو کسی طرح بھی اچھی بات نہیں اور ہم آپ کو یہ بتا دینا چاہتے ہیں کہ آپ جو چاہتے ہیں  
 میں ناکام رہیں گے اپنی ران کا گھوڑا ہویا عودت، ایک سیاح کی ماہرہ شہسواری ہی انہیں  
 اس کے قابو میں رکھ سکتی ہے، آپ خیالی نوجوان ہیں، جنہیں حکومت درختے میں مل جاتے گا ان  
 دوزخ اور نکات پر کیوں اپنا وقت ضائع کرتے ہیں؟“

سراج الدولہ نے غصے میں چرچہ کر کہا: ”ہم ایسا ضرور کریں گے، آپ نے مٹی سے  
 شادی کی اور اب اس کی چھوٹی بہن ہوتے بھی کرنا چاہتے ہیں کیا آپ نے نابینا شاعر ابو العلا  
 معری کی وہ نظم نہیں سنی جس میں اس نے بڑھاپے کی شادی پر گہر طنز کیا ہے، وہ کہتا ہے جب کسی  
 بوڑھے کی نوجوان بیوی گھر میں موجود ہو اور اس کی دیوالیہ کے سایے میں محلے کے ادباش نوجوان زور  
 زور سے گیت گانا شہر درگ کر دیں تو سمجھ لو کہ اس بوڑھے کی باریضی کا بھیانک آغاز ہو گیا۔“

میر جعفر نے تحقیر آمیز لہجے میں کہا: ”اتفاقاً نابینا لوگوں کی باتیں ہم آنکھ والوں کے لئے  
 مشعل راہ کس طرح بن سکتی ہیں اور نانا جی زادے! کل جب آپ اپنے نانا علی دردی خاں کے پاس  
 ہماری شکایت لے کر جاتے گا تو انہیں یہ بات بھی بتا دیجئے گا کہ ان کی بیٹی اور آپ کی خالہ مہر النسا  
 کی حسن پرستی کی وجہ سے خوبصورت نوجوانوں نے بازار میں نکلتا چھوڑ دیا ہے، صاحبزادے! اگر  
 آپ روک سکتے ہیں تو اپنی خالہ مہر النسا کو روک دیکے جو اپنے شوہر کی موجودگی میں دوسرے مردوں سے  
 ناجائز تعلقات رکھتی ہیں؟“

سراج الدولہ اسی وقت اٹھ کھڑا ہوا، غصے اور غم میں بھرا ہوا نانا کے پاس پہنچا  
 اور نانا سے سب کچھ کہہ دیا۔ علی دردی خاں، سراج الدولہ کا چچا تھا۔ اس کے پاس ان جھگڑوں کے  
 لئے کہاں وقت تھا لیکن اس بات کی بازت نزد دے دی کہ سراج الدولہ اپنی خالہ مہر النسا  
 معاش کی تحقیق کرے اور جو شخص یا اخاص جس مہر النسا سے تعلقات قائم رکھنے کے گناہگار ہوں،  
 انہیں قتل کر دیا جائے۔ میر جعفر کو بابت یہ سہ طا کہ یہ اس کا ذاتی فعل ہے اس میں دخل نہ دیا جائے۔  
 سراج الدولہ شرمندہ ہوا، واپس آ گیا۔

سراج الدولہ کے اندر ایک جنگ جاری ہو گئی۔ اس جنگ کی فریق تھیں، ہوتا اور  
 اس کی خالہ مہر النسا جس کا شوہر نواز شہ علی دھاکے کا حکم تھا، اور اس کے نائب حسین علی خاں  
 سے اس کی خالہ مہر النسا نے ناجائز تعلقات قائم کر رکھے تھے، سراج الدولہ حسین علی خاں کے  
 قتل کا خفیہ فرمان حاصل کر چکا تھا۔ وہ سوچتا کہ اس کی خالہ جیسی گھناؤنی زندگی گزار رہی



ہے کیا وہ بڑے ساتھ اسی قسم کے تعلقات استوار کرے اور پھر اس کے بعد ہر چیز اور خیر کی مثل شئی ہوں۔

سراج الدولہ نے کہا: ”تمہارا مرتبہ بلند رہے گا۔“  
 بھونے اور اسی سے جواب دیا: ”مرتبہ اکاش آپ جان سکتے کہ میں کیا چاہتی ہوں حضور  
 وہی دہی نکلے جو دوسرے ہیں!“

سراج الدولہ نے عاجز آکر پوچھا: ”پھر تم کیا چاہتی ہو؟“  
 ”وہی درجہ جو میری بہن متی نے حاصل کر لیا ہے!“

”یعنی شادی!“ وہ کسی سورج میں پڑ گیا۔ ”لطف النسا کی موجودگی میں تم سے شادی یہ  
 طرح ممکن ہے، ایسا کبھی نہیں ہو سکتا!“

بھونے اس سے ذرا دور ہٹ گئی، بولی: ”یہ رفاقت کیوں کیا مجھے جسارت کی اجازت ہے  
 اور خواست کروں گی کہ مجھ سے دور رہیں اس کے بغیر کوئی بات بھی ممکن نہیں!“

سراج الدولہ دیے کی مدد میں روشنی میں کچھ دیر بڑکھڑکھڑا ہوا  
 ”میں یہی کہنے آئے تھے ہم۔ تم دوست بن کر رہ سکتے ہیں میاں بھونے بن کر نہیں! پھر کسی سوچ  
 کا ڈوب گیا۔ جب ہوش میں آیا تو بولا: ”یا پھر تمہیں کچھ انتظار کرنا پڑے گا۔ اس کے بعد شاید  
 ہماری خواہش بھی پوری کر دی جاتے!“

”کس بات کا انتظار؟ کس وقت کا انتظار؟“

سراج الدولہ نے جواب دیا: ”ہمارے برسرِ اقتدار آجانے کے وقت کا انتظار اور  
 دن زیادہ۔۔۔ نہیں ہے اس وقت ہم اپنی مرضی کے مالک ہوں گے!“

”ہم تندہ زہن ہونے کی ذمہ داری تو بیٹھے ہیں اور کچھ پتہ نہیں کہ کب اور کہاں پھینک  
 دیتے جائیں، اگر کچھ ہو سہ تو ابھی ہو گا ورنہ پھر شاید کبھی بھی نہ ہو سکے!“

سراج الدولہ نے جواب دیا: ”تم ہماری مجبوریاں کیوں نہیں سمجھتیں؟ وہ وہاں  
 زیادہ ضرر نہیں ٹھہر سکا، کوئی واضح فیصلہ کہے بغیر واپس چلا آیا۔

باہر بڑے زور کی بارش ہو رہی تھی وہ بھیٹکا ہوا اپنے محل میں داخل ہوا گیلے کپڑے  
 اتارے اور کاغذ کا ایک ٹکڑا لے کر شمع کی روشنی میں کھڑا ہو گیا۔ یہ اس کے نانا علی وردی خان  
 کا فرمان تھا۔ اجازت نامہ جس میں اسے اس بات کا حکم دیا گیا تھا کہ وہ اپنی خالہ مہر النساء کے بھوتے  
 حسین قلی خان کو قتل کر دے، اس کے چہرے سے درشتی اور غم صمیم سپیدہ سحر کی طرح جھٹک رہی  
 تھی، وہ فرمان کے مطالعے میں کچھ ایسا کھویا ہوا تھا کہ اپنے پیچھے کھڑی ہوئی لطف النسا کے وجود  
 کو محسوس تک نہ کر سکا۔ لیکن جب لطف النسا کو دیکھا تو علی وردی خان کا فرمان چمپا لیا، بھونے

سراج الدولہ نے کہا: ”تمہارا مرتبہ بلند رہے گا۔“  
 بھونے اور اسی سے جواب دیا: ”مرتبہ اکاش آپ جان سکتے کہ میں کیا چاہتی ہوں حضور  
 وہی دہی نکلے جو دوسرے ہیں!“

سراج الدولہ نے عاجز آکر پوچھا: ”پھر تم کیا چاہتی ہو؟“  
 ”وہی درجہ جو میری بہن متی نے حاصل کر لیا ہے!“

”یعنی شادی!“ وہ کسی سورج میں پڑ گیا۔ ”لطف النسا کی موجودگی میں تم سے شادی یہ  
 طرح ممکن ہے، ایسا کبھی نہیں ہو سکتا!“

بھونے اس سے ذرا دور ہٹ گئی، بولی: ”یہ رفاقت کیوں کیا مجھے جسارت کی اجازت ہے  
 اور خواست کروں گی کہ مجھ سے دور رہیں اس کے بغیر کوئی بات بھی ممکن نہیں!“

سراج الدولہ دیے کی مدد میں روشنی میں کچھ دیر بڑکھڑکھڑا ہوا  
 ”میں یہی کہنے آئے تھے ہم۔ تم دوست بن کر رہ سکتے ہیں میاں بھونے بن کر نہیں! پھر کسی سوچ  
 کا ڈوب گیا۔ جب ہوش میں آیا تو بولا: ”یا پھر تمہیں کچھ انتظار کرنا پڑے گا۔ اس کے بعد شاید  
 ہماری خواہش بھی پوری کر دی جاتے!“

”کس بات کا انتظار؟ کس وقت کا انتظار؟“

سراج الدولہ نے جواب دیا: ”ہمارے برسرِ اقتدار آجانے کے وقت کا انتظار اور  
 دن زیادہ۔۔۔ نہیں ہے اس وقت ہم اپنی مرضی کے مالک ہوں گے!“

”ہم تندہ زہن ہونے کی ذمہ داری تو بیٹھے ہیں اور کچھ پتہ نہیں کہ کب اور کہاں پھینک  
 دیتے جائیں، اگر کچھ ہو سہ تو ابھی ہو گا ورنہ پھر شاید کبھی بھی نہ ہو سکے!“

سراج الدولہ نے جواب دیا: ”تم ہماری مجبوریاں کیوں نہیں سمجھتیں؟ وہ وہاں  
 زیادہ ضرر نہیں ٹھہر سکا، کوئی واضح فیصلہ کہے بغیر واپس چلا آیا۔

باہر بڑے زور کی بارش ہو رہی تھی وہ بھیٹکا ہوا اپنے محل میں داخل ہوا گیلے کپڑے  
 اتارے اور کاغذ کا ایک ٹکڑا لے کر شمع کی روشنی میں کھڑا ہو گیا۔ یہ اس کے نانا علی وردی خان  
 کا فرمان تھا۔ اجازت نامہ جس میں اسے اس بات کا حکم دیا گیا تھا کہ وہ اپنی خالہ مہر النساء کے بھوتے  
 حسین قلی خان کو قتل کر دے، اس کے چہرے سے درشتی اور غم صمیم سپیدہ سحر کی طرح جھٹک رہی  
 تھی، وہ فرمان کے مطالعے میں کچھ ایسا کھویا ہوا تھا کہ اپنے پیچھے کھڑی ہوئی لطف النسا کے وجود  
 کو محسوس تک نہ کر سکا۔ لیکن جب لطف النسا کو دیکھا تو علی وردی خان کا فرمان چمپا لیا، بھونے

سراج الدولہ نے کہا: ”تمہارا مرتبہ بلند رہے گا۔“  
 بھونے اور اسی سے جواب دیا: ”مرتبہ اکاش آپ جان سکتے کہ میں کیا چاہتی ہوں حضور  
 وہی دہی نکلے جو دوسرے ہیں!“

سراج الدولہ نے عاجز آکر پوچھا: ”پھر تم کیا چاہتی ہو؟“  
 ”وہی درجہ جو میری بہن متی نے حاصل کر لیا ہے!“

”یعنی شادی!“ وہ کسی سورج میں پڑ گیا۔ ”لطف النسا کی موجودگی میں تم سے شادی یہ  
 طرح ممکن ہے، ایسا کبھی نہیں ہو سکتا!“

بھونے اس سے ذرا دور ہٹ گئی، بولی: ”یہ رفاقت کیوں کیا مجھے جسارت کی اجازت ہے  
 اور خواست کروں گی کہ مجھ سے دور رہیں اس کے بغیر کوئی بات بھی ممکن نہیں!“



نے اس کی بابت پوچھا بھی لیکن اس نے کوئی معقول جواب نہ دیا۔

شیخ کی مکرور روشنی میں وہ ساری رات کمر میں بدلتا رہا۔ لطف النساء شوہر کے کاسبب جانا چاہتی تھی لیکن کوشش کے باوجود نہ جان سکی اس کا غریب کیلے اس کا عمل نہ حاصل کر سکی، بہو مہر النساء اور حسین قلی خاں یہ تملیک تھی جس نے سراج الدولہ کو پر کر رکھا ہے۔ اس نے سوچا اگر وہ بہو سے تعلقات قائم کرتا ہے تو اسے کوئی حق نہیں پہنچے اپنی خالہ مہر النساء اور حسین قلی خاں کے درمیان حاصل ہو اور حسین قلی خاں کو قتل کر دے ہاں وہ بہو سے ہمیشہ کے لئے منہ موڑ لے تب پھر وہ خاندان کے ناموس کی خاطر حسین قلی خالہ کر دینے میں حق بجانب ٹھہرے گا۔

اور رات کے پچھپے پہر صبح ہوتے ہوئے وہ فیصلہ کن مرحلے میں داخل ہو گیا۔ بہو کے لئے انقطاع تعلقی اور حسین قلی خاں کا قتل، طلوع آفتاب سے دو گھنٹہ پہلے اس نے با چھوڑ دیا۔ غسل کیا۔ دھو کر کے نماز پڑھی۔ پھر لباس تبدیل کر کے جسم پر ہتھیار سجائے اور محلہ فکل گیا۔ چھانوئی سے دو سو سپاہی لے کر موٹی جھیل روانہ ہو گیا۔ یہ ایک بہت بڑی جھیل تھی جو اپنے عجیب محل وقوع کی وجہ سے بڑی شہرت رکھتی تھی اس کے وسط میں مہر النساء کا قلم نہ تھا۔ اور محلہ تک جانے کے لئے ایک ہی تنگ سارا سہ تھا۔ سراج الدولہ اپنی سپاہ کے ساتھ موٹی جھیل میں داخل ہو گیا۔ دلی عہد سے کون واقف نہ تھا۔ محلہ کے دربان تعظیم بجالائے۔ سراج الدولہ سیدھا اپنی خالہ کے پاس پہنچا۔ مہر النساء سے خلاف امید اپنے سامنے دیکھ کر گئی پوچھا۔ "مرزا محمد! کیسے آنا ہوا؟"

سراج الدولہ نے اپنا ارادہ چھپاتے رکھا۔ بولا۔ "ہم ڈھلکے کے نظم و نسق کی بنا حسین قلی خاں سے کچھ باتیں کرنا چاہتے ہیں!"

مہر النساء سے حسین قلی خاں کی خواب گاہ میں لے چلی گئی۔ حسین قلی خاں کا کمرہ اشیائے تعیشات سے پر تھا۔ ڈھلکے کی مٹل کا انگرکھا چڑھا چکے جسم پر چپکا ہوا تھا اور آب و دان کے پردے ہوائے پانی کی لہروں کی طرح ہلکے سے لہے تھے۔ سراج الدولہ نے کمرے کا گہری نظروں سے جائزہ لیا۔ حسین قلی خاں ان دونوں اپنے سامنے درجہ کر سوالیہ نظروں سے تلکے لگا لیکن چہرے پر ناگواری کے اثرات صاف ظاہر تھے۔ کیونکہ حسین قلی خاں خوب جانتا تھا کہ سراج الدولہ سے پسند نہیں کرتا۔ مسلح سراج الدولہ پہنچے حسین قلی خاں کے لئے تشویش کا سبب بن گیا تھا۔

حسین قلی خاں نے پھر تری سے باہر نکل جانا چاہا۔ لیکن سراج الدولہ نے اس کا

دوک لیا۔ اور تلوار کی نوک اس کے پیٹ میں چبھوتے ہوئے حکم دیا۔ "بھاگنا مت کیونکہ موت نے تمہیں محاصرے میں لے لیا ہے!"

مہر النساء خوفزدہ نظروں سے انہیں دیکھتی رہ گئی۔ سراج الدولہ نے اپنی خالہ کو حکم دیا۔ "خالہ! کمرے کا باہر ہی دروازہ کھول دیجئے!"

مہر النساء اس حکم کا مطلب سمجھے بغیر آگے بڑھی اور دروازہ کھول دیا۔ کمرے کے باہر ہری ہری گھاس کے وسیع و عریض میدان میں سراج الدولہ کے مسلح سپاہی اپنے گھوڑوں پر اس کے حکم کے منتظر کھڑے تھے، ان کی نظریں اسی کمرے کی طرف لگی ہوئی تھیں۔ سراج الدولہ نے ہاتھ کے اشارے سے انہیں قریب آنے کا اشارہ کیا۔ دو سو گھوڑے ایک ساتھ دوڑ پڑے اور ان کی ٹاپوں سے موتی جھیل کی فضا گونگ گئی۔

حسین قلی خاں بے بسی سے یہ منظر دیکھتا رہا۔ سراج الدولہ نے اپنی خالہ کو حکم دیا۔ "خالہ! آپ اندر جاتیں!"

حسین قلی خالہ نے اپنی معبودہ سے درخواست کی۔ "مہر النساء! میں اس درندے سے بچا ہوں!" لیکن مہر النساء کو یقین ہو چکا تھا کہ حسین قلی خاں اب بچ نہیں سکتا۔ پھر بھی اس نے سراج الدولہ سے حکمانہ سوال کیا۔ "مرزا محمد! تم یہ سب اپنے طور پر کر رہے ہو یا اس کے لئے تم نے بادشاہ سے کوئی فرمان بھی حاصل کر لیا ہے؟"

سراج الدولہ نے جواب دیا۔ "فرمان ہماری جیب میں ہے کارروائی کے بعد آپ کو دکھا دیا جائے گا!"

حسین قلی خاں نے سراج الدولہ سے رحم کی درخواست کی۔ "مرزا محمد! تم مجھے مٹا کر دو میں زندگی بھر تمہاری غلامی کرنے کو تیار ہوں!"

"ناممکن!" سراج الدولہ نے جواب دیا۔

"لیکن تم مجھے کیوں قتل کرنا چاہتے ہو؟"

"اور دشمن ناموس! کیا تو واقعی اتنا ہی سادہ اور معصوم ہے جتنا اپنی باتوں سے

ظاہر کر رہا ہے؟"

حسین قلی خاں، مہر النساء سے مخاطب ہوا۔ "مہر النساء! تم مرزا محمد سے وہ فرمان تو طلب

کر رہی جس کی رو سے یہ مجھے قتل کر دینا چاہتا ہے!"

اس سوال سے حسین قلی خاں، سراج الدولہ کی توجہ ذرا سی دھر کے لئے اپنی طرف سے

ہٹانا چاہتا تھا۔ کیونکہ اس ذرا سی عدم توجہی سے وہ اپنے تحفظ کا آخری قدم اٹھانا چاہتا تھا



چالاک مہر لست بھی برگشتہ مقدر کی طرح آنکھیں پھیر چکی تھی، بونی میرزا محمد با دا جہان کے لٹاکے بغیر اتنا بڑا قدم نہیں اٹھا سکتا!

سراج الدولہ کے آدمی کمرے کو محاصرے میں لے چکے تھے، سراج الدولہ نے پھر دیا۔ "خالد! آپ اندر جاتیں!"

مہر النساء نے جاتے جاتے حسین قلی خاں سے کہا۔ "حسین قلی! میں تجھ سے بے زار ہوں، مگر یہ سناں ختم سے میں بہت خوش ہوں، وہ انسان تو اسی انجام کا مستحق تھا!"

مہر النساء اندر چلی گئی۔ حسین قلی خاں نے پورے قوس سے تلوار کو پیٹ پر سے ہٹانے کی کوشش کی لیکن سراج الدولہ نے اسے پیٹ میں اتار دیا۔ حسین قلی نے خوفناک چیخ ماری،

انج الدولہ نے چلا کر اپنے آدمیوں کو کمرے کے اندر طلب کیا اور قرا سی دیر میں پورا کمرہ بول سے بھر گیا۔ سراج الدولہ کے اشارے پر کئی تلواریں کمرے میں لہرائیں اور حسین قلی خاں بیٹانے لگیں، پناہ کی تلاش میں ادھر ادھر بھاگتا ہوا لیم شیم جسم فرش پر گر کر پھر کھینے لگا۔

مہر النساء دروازے کی چھری سے اپنے محبوب کو قتل ہوتے دیکھا تو آنسو نہ روک سکی، بونی آواز میں یہ کہتی اندر چلی گئی۔ "میرزا محمد! میں اس کا بدلہ لوں گی اور حسین قلی خاں کا خون منصب و اقتدار کو لے ڈوبے گا!"

حسین قلی کے انجام نے ہتھوں کو خوفزدہ کر دیا۔ ادرودہ مرشد آباد سے نکل گئے۔ میرزا محمد کو کہیں یہ نوجوان کوئی اس کے خلاف قدم نہ اٹھا بیٹھے لیکن علی وردی خاں گھر میں انہیں منع کرتا تھا۔ اس نے سراج الدولہ کو قتل بولیں رکھا۔ میر جعفر مہر النساء سے ملا اور دیر تک سے

دیتا رہا۔ مہر النساء اس بوڑھے سے سالار سے رو رو کر مدد کی درخواست کرتی رہی، لیکن میرزا محمد کوئی مدد نہ کر سکتا تھا کیونکہ علی وردی خاں ابھی زندہ تھا اور اس چالاک اور ذہین

لے ہوتے ہوئے میر جعفر کی کوئی سازش بھی نہیں پنپ سکتی تھی ۱۲ اس نے مہر النساء کو یہ مشورہ

کہ وہ احتیاطاً اپنی حفاظت کے لئے ایک فوج ضرور تیار کرے تاکہ اگر پھر ایسا موقع پیش

پاہ سے اس کا مقابلہ کیا جائے!

مہر النساء نے اس کے مشورے پر عمل کیا اور سپاہی بھرتی کرنے لگی۔

مٹی اب مٹی بیگم بن چکی تھی، میر جعفر کی اب بڑے بڑے نظریں تھیں، ۱۳ اس نے بشو کو مال و دولت

ضی کرنا چاہا لیکن اسے اس قدر سے محتاط رکھا کہ کہیں نوجوان دلی عہد اس سے ناراض نہ

دوسرے خود بڑے بھی یہ نہیں چاہتی تھی۔

سراج الدولہ کے بہتر کا خیال دل سے نکال دیا تھا، وہ اپنے نانا علی وردی کی

طرح پاکباز زندگی گزارنا چاہتا تھا۔ بشو ہر روز اس کی راہ نکلتی رہا آخر وہ مایوس ہو گئی۔ بشو بڑے

ڈانٹنے لگا اور بوجھتا۔ "کیوں رہی! کہیں آخری ملاقات میں تو نے شہزادے کو مایوس تو نہیں کیا۔

درہ اس طرح یکایک سراج الدولہ کا غائب ہو جانا کیا معنی رکھتا ہے!"

بشو نے اسے ساری درد دانا سنا، تو صبح بات سامنے آئی۔ بشو سراج الدولہ سے

آخری بات کرنے گیا۔ جب اس نے نوجوان دلی عہد سے یہ کہا کہ "بشو کی شادی کے کئی اچھے رشتے

آچکے ہیں، میں چاہتا ہوں حضور والا کی منظوری کے بغیر یہ کام نہ کیا جائے!"

سراج الدولہ کے دل میں طوفان اٹھا کہ چلو ایک بار اس سے پھر مل لیں، لیکن خاندانی

غیرت اور ناموس کے خیال نے اس کے پیر کھٹلے۔ سراج الدولہ نے جواب دیا۔ "تم جہاں چاہو

اس کی شادی کر دو!"

بشو افسردہ ہو کر واپس ہوا اور جب اس نے بشو کو ساری تفصیل سنا، تو بڑے بڑا

دکھ ہوا۔ بشو نے کہا۔ "آدمی دنیاوی رشتوں اور منصوبوں کے اعزاز پر سب کچھ قربان کر دیتا ہے۔

سراج الدولہ نے بھی اپنی دلی عہد کی اور خاندانی ناموس پر تجھے قربان کر دیا ہے، بشو! بول اب

کیا کہتی ہے؟"

بشو نے جواب دیا۔ "پتا ہی ادہلی واپس چلے!"

بشو نے جمہوری سے کہا۔ "دہلی چلنے میں مجھے کوئی تھک نہ رہیں لیکن اب دہلی میں کچھ بھی

نہیں رکھا، مرشد آباد دہلی سے کئی گنا اچھا ہے!"

بشو نے زیادہ مزاحمت بھی نہیں کی۔

اسی لمحے میر جعفر اندر داخل ہوا۔ جب دونوں سے اس کی نظریں ملیں تو دل میں

ایک عجیب طوفان اٹھا۔ میر جعفر نے کسی تہیہ کے بغیر کہا "بشو! آج ہم تم سے بڑے بڑے رشتے

مانگنے آئے ہیں!"

بشو کیا جواب دیتا وہ تو بہت دہلی سے راضی تھا، بولو۔ "یہ ناچیز حضور والا کے

کسی فیصلے کے خلاف کبھی چل سکتا ہے بھلا؟!"

معلوم نہیں کیا سوچ کر بڑے بھی راضی ہو گئی۔

پھر یہ افواہ پورے مرشد آباد میں گونجنے لگی کہ میر جعفر نے کسی ناچنے والی لڑکی سے پہلے

شادی کی ادب اس کی بہن سے کر رہا ہے جو شرمناک جائزہ اور پھر لوگوں نے اس خبر کی تصدیق

اپنی آنکھوں سے دیکھ کر کئی میر جعفر بیکو دلہن بنا کر اپنے محل میں لے گیا۔



جواب جڑو دیتا۔

اسی سال علی وردی خان استدعا کے مرض میں مبتلا بستر مرگ پر پڑا، زندگی کی آخری  
سائیں لے رہا تھا، حکیموں نے اسے پھر ہیز کا مشورہ دیا۔ اس سمجھ دار انسان نے حکماً کر کہا: ”اس  
مرگ استقا ہیثہ لا علاج ہوا کرتا ہے، ہم زندگی کے دن پورے کر چکے ہیں پھر ہیز کا فائدہ؟“  
اس نے نوجوان سراج الدولہ کو اپنے قریب بلایا۔ جب وہ اپنے نانا پر جھکا تو  
علی وردی خان نے محبت سے اس کی پیشانی پر چوم لی اور کہا: ”ہم تمہاری جانشینی کا اعلان کر  
چکے ہیں، ہمارے بعد تم ننگالہ کے صوبے دار ہو گے لیکن ہمیں یہ بھی معلوم ہے کہ تمہارا چچا زاد بھائی  
شوکت جنگ تمہاری جانشینی کو تسلیم نہ کرے گا اور سینہ تان کر تمہارے سامنے آکھڑا ہو گا۔“

مغموم دل بھر دے پوچھا: ”اس وقت اس ناچیز کو کیا کرنا ہو گا؟“  
علی وردی خان نے جواب دیا: ”شمشیر کی جگہ تیرے کام لینا۔ لیکن بدرجہہ مجبوری  
آخری فیصلہ تلوار ہی کرتی ہے۔ سو تم تلوار بھی اٹھا سکتے ہو لیکن بدرجہہ مجبوری!“  
سراج الدولہ نے سو گوارا نہ کھینچا کہ اس کا لیس اور سوال کیا: ”نانا جان! اگر طبیعت  
اجازت دے تو اندر دنی اور پردہ دنی دوستوں اور دشمنوں کی بابت بھی کچھ فرما دیجئے؟“

علی وردی کی آنکھوں میں چمک اٹھی، نواسے کا سوال بہت اچھا تھا۔ اس نے کہہ دیا  
ہوئے جواب دیا: ”میرے چراغِ انا زرد آباد کاروں (انگریزوں) سے بچ کر رہنا۔ انہوں نے جنوبی  
ہند کے نوابوں میں پھوٹ ڈال کر انہیں برباد کر دیا ہے، پھر مغلی ہیں ان سے بھی ہوشیار رہنا  
جنوبی ہند کے مرہٹے ہیں جو تمہیں ہمیشہ تنگ کرتے رہیں گے لیکن خبردار ایک ہی وقت میں ان تینوں  
قوتوں سے مت الٹھنا۔“ یہ کہتے کہتے بڑھے صوبے دار کا اٹھ سیر خیال، اٹنی میں چلا گیا۔ جہاں اس  
کا مصطفیٰ خان نامی افتخار خلیف جرنیل اسے انگریزوں پر حملہ آور ہونے کی ترغیب دے رہا تھا۔  
اس نے علی وردی خان کو کلکتے پر حملہ کرنے کا مشورہ دیا تھا۔ لیکن علی وردی خان ٹال گیا تھا۔

اس کے بعد مصطفیٰ علی وردی کے دونوں بھائیوں کے ساتھ اس کے پاس حاضر ہوا تھا اور تینوں  
نے مل کر انگریزوں پر حملہ آور ہونے کا مشورہ دیا تھا لیکن علی وردی مرہٹوں سے الٹھا ہوا تھا اس  
لئے اس بار بھی ٹال گیا تھا، علی وردی نے مصطفیٰ کو چلا جانے دیا تھا، اس کے پیچھے اپنے دونوں  
بھائیوں سے کہا تھا: ”بابا! مصطفیٰ خان تو سپاہی اور نوکری پیشہ شخص ہے، اس کا کیا ہے کہ ہاں  
سے جائے گا تو کسی اور دربار سے وابستہ ہو جائے گا۔ مصطفیٰ خان کی سب سے بڑی خواہش یہ ہے  
کہ ہماری توجہ اس پر رہے جو ناسمجھ ہے لیکن ہم تم دونوں سے یہ پوچھتے ہیں کہ آخر تمہاری عقلوں  
کو کیا ہو گیا ہے تم اس کی ہمنوائی کیوں کر رہے ہو۔ تم جہاں یہ بتاؤ کہ انگریزوں نے ہم سے کیا برائی

ایک دن میر جعفر مفتی بیگم اور بیو بیگم کو سراج الدولہ کے محل میں لے گیا۔ سر جعفر  
نے محل کی خواتین کو سچی ادب و توق کے سامنے جانے سے روک دیا۔ اس نے کہا: ”ان یاہر دایلوں کے سامنے  
خاندان کی معزز خواتین کس طرح آ سکتی ہیں بھلا!“

میر جعفر نے دونوں کی دکالت کی کہا: ”میں آپ کا پھوپھا ہوں اور اس شے سے یہ  
دونوں آپ کی پچھچیان ہیں، پھر ان سے یہ پردہ کیسا؟“  
سراج الدولہ نے جواب دیا: ”قبلہ جو کچھ ہو چکا ہے مژمندہ کرنے کے لئے کافی  
ہے، آخر کے لئے اب اور زیادہ مژمندہ نہ کیجئے۔“

بیو سراج الدولہ کے دربار آکھڑی ہوئی۔ اور زبان سے ایک لفظ نکلے بغیر  
اسے دیکھتی رہی۔

شہزادے نے گھبرا کر کہا: ”آپ یہاں سے تشریف لے جاتیں اور نہ مجھے ڈر ہے کہ ہم  
محل ہو کر کوئی ایسا دلچسپ قدم نہ اٹھا بیٹھیں!“

میر جعفر بیگمات میں چلا گیا کہ انہیں راضی کر کے اپنی دونوں بیویوں کو اندر لے جائے  
سراج الدولہ سے ذرا دور جا کھڑی ہوئی۔ بتونے موقع غنیمت جان کر کہا: ”حضرت والا!  
میں اس بوڑھے انسان سے اس لئے شادی کی کہ یہ یہ جناب کے خاندان کا ایک فرد ہے اور میں  
کے طفیل آپ کے محل میں آئے جسنے کے لائق ہو جاؤں گی!“

سراج الدولہ نے جلدی جلدی کہا: ”ہمیں انہوں سے ہے کہ آپ پھر بھی وہ عزت  
مرتبہ حاصل نہ کر سکیں جس کا آپ کے دل میں ارمان ہو گا!“

”کوئی پروا نہیں!“ بچنے کے دل چلے ہی میں کہا: ”جناب والائے میر! اول تو یہ ہے،  
آپ کے دل کو صدمہ نہ ملے، اب یہ تو بتائیے کہ آپ ہمیں اپنی خواتین سے بھی نہیں  
بیچنے کا یہ سیریل۔“ دونوں کا سلسلہ کپ تک چلے گا آخر؟“

شہزادے نے سرد مہزی سے کہا: ”جب تک ہم زندہ ہیں!“  
اندر سے میر جعفر جھنجھکیا ہوا باہر نکلا۔ محل کی خواتین دلی غم و سراج الدولہ کے غم  
رضی سے کوئی قدم بھی نہ اٹھا سکتی تھیں، انہوں نے دو ناچنے گانے دایلوں کو محل مرا  
نے سے منع کر دیا تھا۔

مفتی نے غصے میں کہا: ”میں ننگال کے سچے سالار کی بیوی ہوں، میں اپنی بے عزتی  
لوں گی!“

سراج الدولہ میر جعفر کا خیال کر گیا اور نہ اس گستاخ عودت کو کوئی سخت ترین



کی ہے کہ ہم ان کا برا چاہیں، مگر سچے اڑیسہ اور مہار کے راستوں سے ہم پر حملہ آور ہوتے سب سے پہلے یہ خشکی کے دسمیں ہیں چیں نہیں لینے دے رہے، ادران کی وجہ سے صحرائیں جنگ کی جواگ جلی ہے وہی بجھنے کا نام نہیں لے رہی، ان حالات میں اگر ہم مصطفیٰ خاں کی تجویز پر عمل کر کے دنیا میں بھی آگ لگا دیں گے تو پھر کون ہے جو اس دوطرفہ آگ کو بجھائے گا؟

سراج الدولہ فکروں میں غرق علی وردی خاں کے تاثرات پر بڑھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ ایک علی وردی بیدار ہوا، کھوٹے کھوٹے انداز میں پوچھا: "ہاں تو ہم کیا کہہ رہے تھے؟" سراج الدولہ نے گلوگیر آواز میں جواب دیا: "ایک ہی وقت میں تینوں قوتوں سے موت اچھٹا۔"

"ہاں تو میرے چہرے! تجھے وہ اتفاق جرنیل مصطفیٰ خاں تو یاد ہو گا؟" "خوب یاد ہے نانا جان! اس کی شہادت اور جنگی تدبیر کا کوئی جواب نہ تھا۔" "ہاں تم سچ کہتے ہو؟" علی وردی کی آنکھیں پھٹکیں گئیں۔ "اور تمہیں یہ بھی یاد ہو گا کہ مصطفیٰ خاں ہماری آپس کی نا انصافیوں ہی میں قتل ہو گیا؟"

سراج الدولہ نے روتے ہوئے کہا: "اس نے ہم سے بغاوت کی تھی اگر ہم اسے قتل نہ کرتے تو وہ ہمیں قتل کر دیتا!"

"تم ٹھیک کہتے ہو؟" علی وردی خاں نے کہا۔ "لیکن وہ بڑا زبردست شہنشاہ اور مستقبل میں فرماں روا بننے والے ہیں کھٹکے کے ذکاوت (انگریزوں) کی تباہی پر آمادہ کرنا چاہتا تھا لیکن ہم نے اس وقت اس کا مشورہ رد کر دیا تھا۔ مگر آج آج جب ہم اپنے دشمنوں پر نظر ڈالتے ہیں تو میں یہ غرملی تاجر ہی سب سے زیادہ خوفناک نظر آتے ہیں اگر ہم کچھ دانا امداد نہ دیتے تو اس کی فتنے کا خود ہی قلع قمع کر دیتے۔ لیکن اب یہ تمہارا کام ہے تم اقتدار سنبھالتے ہی ان کو داؤدِ طاقت توڑ دو۔" سراج میرے چہرے پر غصہ، ناہمی، سیاہی رکھنے اور قلع تعمیر کرنے کی اجازت نہ دینا اگر ایسا ہو تو سمجھ لو کہ بنگال تمہارے ہاتھ سے گیا!"

علی وردی بولتے بولتے تنک گیا تھا۔ آنکھیں بند کر کے کچھ دیر کے لئے خاموشی تیار کی، پھر کہا: "ایمن یہ بھی معلوم ہے کہ ہمارے بہت سے امراء اور رشتہ داران سفیر قام و اگر وہاں کے کاروبار میں جسے داری حیثیت سے سرمایہ لگا چکے ہیں، انگریزوں کے کاروباری کام بھی قابلِ اعتبار نہیں ہیں! انہیں یہ جان کر ان سے ہوشیار رہنا!"

علی وردی خاں گراں قدر دہشتیں اور پیشینیاں کر کے رخصت ہو گیا اور سراج الدولہ اس کا جانشین قرار پایا۔ امراء نے نذرانے پیش کئے۔

دوسری طرف سراج الدولہ کی خالہ مہر النساء اس کے اقتدار کو تسلیم کرنے پر آمادہ نہ تھیں، اس نے بیس ہزار آدمیوں پر مشتمل ایک فوج تیار کر رکھی اور وہ اپنی اس سپاہ کے ذریعے سراج الدولہ کی صوبے داری کا مقابلہ کرنا چاہتی تھی۔ اس کے علاوہ سراج الدولہ کا چچا زاد بھائی شوکت جنگ بھی صوبے داری کا دعوے دار تھا اور وہ خود کو علی وردی خاں کا حقیقی جانشین تصور کرتا تھا۔ اس نے مغل فرمان رواں سے سند صوبے داری حاصل کرنے کے لئے اپنا نامزدہ دہلی روانہ کر دیا۔ سراج الدولہ نے بھی یہی کیا اور اپنی صوبے داری کی سند اور توشیح کے لئے اپنا وفد دہلی روانہ کر دیا۔ دہلی کے مکرر فرمان رواں نے دونوں ہی کو بنگال کی صوبے داری کی سندیں عطا کر دیں، شوکت بنگالے نعرہ بلند کیا: "علی وردی خاں کا اصل جانشین میں ہوں اور مجھے دہلی کے مغل فرمان رواں سے صوبے داری کی سند بھی عطا کر دی ہے!"

سراج الدولہ نے جواب دیا: "مجھے بھی مغل فرمان رواں کی سند صوبے داری حاصل ہے اور میرے والد افسوسہ دار علی وردی خاں خود بھی مجھے اپنا جانشین مقرر کر چکے ہیں!" دونوں میں جھگڑا ہوئی، شوکت جنگ بھاریا لگا گیا اور پورنیا کے قلعے میں بیٹھ کر جنگ کی تیاری کرتے لگا۔

قاعدہ تھا کہ جب کوئی نیا صوبے دار اپنا منصب سنبھالتا تھا تو امراء اور ماتحت با اثر قوتیں اس سے صوبے دار کو نذرانے دیتیں اور مبارک باد پیش کرتیں۔ لیکن انگریز تاجروں نے ایسا نہیں کیا! انہوں نے نہ تو علی وردی کی موت پر رسم تعزیت ادا کی اور نہ ہی سراج الدولہ کی تخت نشینی پر نذرانے اور مبارکبادی کی رسم ادا کی، اس نے اس غیر معمولی تغیر پر میر جعفر سے مشورہ لیا۔ بوڑھے سپہ سالار نے اسے مشورہ دیا کہ فی الحال انگریزوں کو نظر انداز کر دینا چاہیے، کیونکہ اس کے دبڑے حریف اس کے قاتل ہی میں موجود ہیں، پہلے ان سے ٹپٹ لیا جائے اس کے بعد انگریزوں پر توجہ دی جائے!

سراج الدولہ خوب جانتا تھا کہ اس کے یہ دو حریف کون ہیں، ایک تو اس کا چچا زاد بھائی شوکت جنگ تھا اور دوسری حریف اس کی خالہ مہر النساء تھیں۔

یہ میر جعفر کا گھر تھا۔ سراج الدولہ نے وہاں ہر کھانا اپنے پھوپھو کے ساتھ کھایا اس دستر خوان پر میر جعفر کا سب سے بڑا بیٹا مرزا صادق بھی موجود تھا۔ جسے لوگ صادق کے بھائے مرن کہتے تھے اور جسے میر جعفر اپنے باپ کی طبعی اور فطری خصوصیات کا متنی تھا۔ اس نظام اور سب سے بڑی بات میر جعفر آگے۔ اس نے قول بہت مشہور تھا: "میر اور انصاف کسی مصرف کے نہیں ان سے وفا ہر بات میں ہم و درہم۔" انصاف قابلِ نفرت ہے!"

اپنے اس قول پر کاروبار بھی ختم۔



تھیں اس وقت سے بھی ملاقات ہوئی جو میرزا کے خسر کا اعزاز حاصل کر کے امراتین شامل ہو  
 تھیں جن میں مہر بیگم بھی تھیں جو کسی ملک کی طرح میرزا کے محل پر حکومت کر رہی تھیں اور مہر بیگم بھی  
 جو مہر بیگم کا مرتبہ تو نہیں حاصل کر سکی تھی لیکن مہر بیگم کے بعد کا درجہ لے بھی حاصل تھا۔ وہ  
 سے آنکھیں نہیں مارا لیکن جو بار بار اس کے آس پاس منڈلاتی رہی اور جو ان موسیے دار قبیلے کے لئے  
 سالار کے محل ہی میں رک گیا۔ یہیں اس کی خدمت میں اس کی خالہ مہر النساء کے خلاف ایک شکایتی خط  
 لکھا گیا یہ خط میرزا نے پڑھ کر ذہنی طور پر اس کی خدمت میں پیش کیا تھا۔ اسے جہانگیر نے  
 خاک کے ساتھ کسی وقت توڑیں تے بھی تھا۔ اس میں لکھا تھا۔ "وفاقی تو ہیں صوبے دار بنگالہ کی خدمت  
 یہ اطلاع پہنچاتے ہوئے شرم اور اذیت محسوس کر رہا ہے کہ اس کی بیوہ خالہ مہر النساء نے میرزا پر علی  
 ایک شخص سے ناجائز تعلقات قائم کر رکھے ہیں اور اس نے اپنی حفاظت اور صوبے دار سے متصادم  
 قے کے لئے بیس ہزار فوج بھرتی کر لی ہے، اگر ان خطرات کا خودی تدارک نہ ہو تو شاید حالات قابو  
 نہ رہیں جو جانتے ہیں!"

سراج الدولہ نے تھوڑا سا بیٹھا دانت بھیج کر بولا۔ "ہم اس ذلت کو نہیں برداشت کر سکتے، مہر  
 بیگم کی مروت کو جلد ہی پہنچتے ہیں!"

جوت، سراج الدولہ کے اضطراب سے لطف اندوز ہو رہی تھی بولی۔ "میرزا نے اپنے اموار  
 لیے ہیں، ہم ناچنے لگتے والیاں جب کسی شریف مرد کا دامن پکڑ لیتی ہیں تو پھر کسی اور کا تصور تک  
 نہیں، لیکن اس دفعہ کی شریف نادیاں! خدا ان کے اموار کا سایہ ہم پر نہ ڈالے!"

سراج الدولہ نے اسی وقت قلم دوات طلب کی اور مہر النساء کے نام فرمان جاری کیا۔  
 "جہانگیر نے دھاک کے ایک مرحوم حاکم کو لادش علی کی بیوہ مہر النساء کو معلوم ہونا چاہیے کہ وہ  
 علی نامی افسر کے تعلق سے بدنامی انتہا پر پہنچ رہی ہے، یہ باتیں صوبے دار بنگالہ کے خاندان کے لئے شرمناک  
 ہیں فرمان کے وصول کرتے ہی مہر النساء کا یہ فرض ہے کہ وہ میرزا پر علی کو قتل کر دے اور اس کا سر  
 بھیج دے!"

سراج الدولہ نے یہاں بھی جوت پر کوئی خاص توجہ نہیں دی۔  
 یہ میرزا کو جوت سے مشورہ کے بعد یہ طے پایا کہ پہلے شوکت جنگ اور مہر النساء سے تپتا جلتے  
 ہیں مگر بڑوں پر توجہ دی جلتے سراج الدولہ اپنے محل میں واپس آ گیا۔

مہر النساء کا جواب آ گیا، اس نے سراج الدولہ کے حکم کی تعمیل سے انکار کر دیا تھا۔ سراج الدولہ  
 نے اسے باہر بھیجا۔ اس نے فوج کو کوچ کا حکم دیا۔ اور مہر بیگم کا قلعہ محاصرے میں لے لیا گیا۔  
 بیس ہزار سپاہی مدافعت کرنے لگے لیکن تیسرے دن یہ سپاہ محاصرے سے تھک کر مچھلے اٹھ اٹھا

جوت تھی۔ مہر النساء کی ماں اور سراج الدولہ کی نانی قلعے میں داخل ہوئی اور جوت کو سمجھایا۔ "مہر النساء! سراج  
 الدولہ سے مت لڑو، سراج تمہیں نقصان نہیں پہنچاتے گا اور نہ آج تمہاری دولت چھینی جائے گی۔  
 بشرطیکہ تم نواب کی چند شرطیں مان لو!"

مہر النساء یوں اور بدحواس تھی بولی۔ "اماں! سراج الدولہ مجھے معاف نہیں کرے گا!"  
 ماں نے جواب دیا۔ "یہ تیری خام خیالی ہے تو مجھ پر اعتماد کر!"  
 مہر النساء نے ناامیدی سے کہا۔ "وہ کہتا ہے کہ میں اپنے ایک افسر میرزا پر علی کا سر اس کے  
 پاس روانہ کر دوں، لیکن میں ایسا نہیں کر سکتی!"

ماں نے کہا۔ "میرزا پر علی کو ہمارے مدد پر پیش کر دو!"  
 مہر النساء ان کوٹے کمراس کرتے ہیں چلی گئی جہاں کچھ عرصے پہلے حسین خلی خان قتل کیا گیا تھا  
 وہاں ایک سرخ و سفید رشتہ کا ادھیر عمر شخص سہا ہوا بیٹھا تھا۔ اس کے بائیں ہاتھ کی آخری دو انگلیاں  
 انگوٹھیوں میں چھپی ہوئی تھیں۔

مہر النساء نے حسین خلی کے خون کے دھبے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "ظالم میرزا الدولہ  
 نے ہمیں پر حسین خلی کو نہایت سفاکی سے قتل کیا تھا اور اب وہ میرزا کے خون کا پیاسا ہورہا ہے!  
 ماں نے مرد باری سے پوچھا۔ "تم کیا چاہتی ہو؟"

مہر النساء نے جواب دیا۔ "اپنی جان کا تحفظ اور میرزا پر علی کی زندگی کا ایک پروانہ، میں  
 اسے بحفاظت تمام دہلی بھیج دینا چاہتی ہوں!"

بیگم علی دروہی خان نے اس کی شرط منظور کر لی، اور وہ قلعے سے نکل کر نواسے سراج الدولہ  
 کی فوج میں چلی گئی، وہاں اسے جملہ کیفیت سے آگاہ کر دیا اور آخر میں میرزا پر علی کے لئے پورا  
 دہلوی کے اجراء کی درخواست کی۔

سراج الدولہ نے جواب دیا۔ "اب اس کی کوئی ضرورت تو نہیں رہی کیونکہ خالہ کی سپاہ  
 ہتھیار ڈال چکی ہے لیکن آپ کہتی ہیں تو ہم میرزا پر علی کو پروانہ نہ ہداری بھی عطا کر دیں گے مگر خالہ کو  
 صاف صاف یہ بھی بتا دیجئے کہ وہ اپنے حواس میں نہیں! انہیں ہم سے پر خاش نہیں رکھنی چاہیے ہیں  
 نانا جان نے صوبے دار کی عطا کی ہے!"

حسب وعدہ میرزا پر علی کو پروانہ نہ ہداری عطا کر دیا گیا۔ مہر النساء نے بہت سا سونا اس  
 کے حوالے کیا اور تحفے میں اس سے چمٹ کر خوب روٹی، روڑ کر کہا۔ "میرزا پر علی! میں نے تمہیں بچا لیا  
 ہے تم بنگال چھوڑ دو، تمہاری جدائی مجھے براہِ خدا ناگوار ہے۔ یہی ہے لیکن سراج الدولہ ہم دونوں کو  
 یک جا نہیں دیکھ سکتا!"



میرنذر علی نے مہرالنسا کو بھیجے بھیجے کر بیاہ کیا۔ بولا۔ مہرالنسا! میں تمہیں زندگی بھر  
دیکھوں گا!

مہرالنسا نے اس کے سینے میں سستے ہوئے۔ "درمیں بھی۔ تم دہلی جاؤ اور وہاں میرے کا شکر ادا کیا۔  
خوف بھرتی کر دیں سران الدولہ سے فیصلہ کن معرکہ چاہتی ہوں!"

میرنذر علی نے کہا۔ "اس کام کے لئے بہت سرائے کی ضرورت ہے!"

"اور اس کی تم کیوں فکر کرتے ہو؟" مہرالنسا کے چہرے پر ہاتھ پھیرنے لگی۔ "دولت  
میں دولت کی، میرے پاس بڑی دولت ہے، میں کسی نہ کسی طرح وقتاً فوقتاً مدد پہنچا سکتی رہوں گی!"

میرنذر علی جان بچا کر دہلی چلا گیا اور مہرالنسا موتی جھیل کا قلعہ خالی کرنے پر مجبور ہو گئی۔  
مرات الدولہ نے اسے حراست میں لے لیا اور اس کے مال و دولت کو بحق صوبے دار ضبط کر کے خزانے

میں داخل کر دیا گیا۔ لیکن ان سپاہیوں کو معاف کر دیا گیا جو مہرالنسا کی طرف سے سراج الدولہ سے جنگ  
کر رہے تھے۔

اسی دوران کسی نے سراج الدولہ سے مخبری کی کہ مہرالنسا کا ہندو دیوان راج بلجھ پٹے بیٹے  
مرشد داس کے ذریعے بہت ساری دولت کھلتے روانہ کر چکا ہے اور آج کل وہ انگریزوں کے تحفظ و جب تک

سراج الدولہ نے راج بلجھ پر بھی سختی کی اور اس سے دستیاب نہ ہو سکے والے خزانے کی بابت معلوم  
موصول کرنا چاہی لیکن راج بلجھ نے اس سے اپنی لاعلمی کا اظہار کیا۔

مہرالنسا سراج الدولہ کے محل میں اتار دی گئی، جہاں اس کی چھوٹی بیٹی سراج الدولہ کی ماں  
آمنہ بیگم نے شاندار پزیرائی کی، مہرالنسا نے دور دراز پرانے بھانجے کے ظلم و ستم کی اپنی بہن سے شکایت

کی لیکن آمنہ بیگم نے اس کی ڈھارس بندھائی کہ اب مزید ظلم و ستم نہیں ہوگا، صبر سے کام لو، یہ شکایت  
دو دنوں کو اپنے کمرے میں لے کر بیٹھ گئی۔ ان کے درمیان میرجعفر بھی موجود رہا۔ وہ لوگ جتنی

مہرالنسا نے آچل پھیل کر بھیک مانگنے کے انداز میں بہن سے درخواست کی۔ "آمنہ بیگم  
مرات الدولہ تمہارا بھتیجا ہے، میرا دیوان راج بلجھ اس کی قید میں ہے کیا تم اسے رہا نہیں کر سکتیں؟"

آمنہ نے جواب دیا۔ "میں اسے رہا تو کرادوں گی لیکن تم مجھ سے پہلے یہ وعدہ کر دو کہ آئندہ میری دوستی صوبے دار کی ہتھیالی ہے۔  
سراج الدولہ کے خلاف سازشیں نہیں کرو گی!"

میرا وعدہ، جس طرح چاہو وعدہ لے لو چاہو تو ہاتھ میں کلام پاک دے کر عہد لے لو! ادا کر دے گا!  
آمنہ مطمئن ہو گئی، کہا۔ "آج تمہارا دیوان راج بلجھ رہا ہو جائے گا!"

آمنہ کی مرزور سفارش پر سراج الدولہ نے راج بلجھ کو رہا کر دیا۔ آزادی پاتے ہی راج بلجھ  
جتنی محنت سے لٹے آیا۔ پہلے تو اس نے پرورے کی آڑ میں موجود آمنہ بیگم کا شکریہ ادا کیا پھر جب آمنہ بیگم

پہلی گئی اور اس کی جگہ مہرالنسا آئی یعنی توران بلجھ نے جھک جھک سجود کرتے کے انداز میں مہرالنسا

مہرالنسا نے سرگوشی کے انداز میں پوچھا۔ "راج بلجھ! تم یہاں تنہا ہو یا اور کوئی بھی ہے؟"  
راج بلجھ نے جواب دیا۔ "میں تنہا ہوں، بیگم صاحبہ! ارشاد، حکم!"

مہرالنسا کی محتاط آواز سنائی دی۔ "تم کلکے کے آئی چند سے رابطہ قائم کرو، اُمی چند کیپٹی کا  
بہت بڑا تشکیک دار ہے اور کلکے میں اس کا بہت بڑا کام دار ہے، اسے ایک وقت کیپٹی اور سراج الدولہ

کا اعتماد حاصل ہے۔ اُمی چند سے کہو وہ سراج الدولہ کے خلاف کارروائی کرنے پر کیپٹی کو آمادہ کرے۔  
اسے اس سلسلے میں کافی انعام دیا جائے گا!"

راج بلجھ نے مرات الدولہ کے خلاف نفرت کا اظہار کیا۔ بولا۔ "آپ بے فکر رہیں بیگم صاحبہ!  
مرات الدولہ سے بھیانک بدلہ لیا جائے گا!"

مہرالنسا نے ٹھنڈی سانس بھری بولی۔ "میں اس وقت تک شکم سیر ہو کر کھانی نہیں سکتی  
راج بلجھ نے تسلی دی کہا۔ "بے فکر رہو بیگم صاحبہ بے فکر ہو!"

میرجعفر اپنی دونوں بیویوں کو لے کر مہرالنسا کی خدمت میں حاضر ہوا۔ سراج الدولہ کو یہ  
مہرالنسا نے تھی لیکن وہ اپنی خالہ پر ضرورت سے زیادہ دباؤ بھی نہیں ڈالنا چاہتا تھا۔ میرجعفر کے پاس

آمنہ بیگم نے شاندار پزیرائی کی، مہرالنسا نے دور دراز پرانے بھانجے کے ظلم و ستم کی اپنی بہن سے شکایت  
کی لیکن آمنہ بیگم نے اس کی ڈھارس بندھائی کہ اب مزید ظلم و ستم نہیں ہوگا، صبر سے کام لو، یہ شکایت

دو دنوں کو اپنے کمرے میں لے کر بیٹھ گئی۔ ان کے درمیان میرجعفر بھی موجود رہا۔ وہ لوگ جتنی  
مہرالنسا نے آچل پھیل کر بھیک مانگنے کے انداز میں بہن سے درخواست کی۔ "آمنہ بیگم

مرات الدولہ تمہارا بھتیجا ہے، میرا دیوان راج بلجھ اس کی قید میں ہے کیا تم اسے رہا نہیں کر سکتیں؟"  
آمنہ نے جواب دیا۔ "میں اسے رہا تو کرادوں گی لیکن تم مجھ سے پہلے یہ وعدہ کر دو کہ آئندہ میری دوستی صوبے دار کی ہتھیالی ہے۔

سراج الدولہ کے خلاف سازشیں نہیں کرو گی!"  
میرجعفر نے اسے سمجھاتے ہوئے کہا۔ "مہرالنسا! ہم تمہارے چھوٹے ہیں تم بالواسطہ مت ہو ہم

مہرالنسا نے جھنجھلا کر سوال کیا۔ "آخر کس طرح اور کب؟ جب سراج الدولہ انگریزوں کی بھی  
دباؤ کرے گا اس وقت؟"

میرجعفر نے آہستہ سے کہا۔ "تم عودت ہو مہرالنسا! ملکی امور تمہاری سمجھ میں نہیں آسکتے،  
حوالہ ہماری کوشش ہے کہ حق دار کو اس کا حق ضرور دیا جائے!"



مہرالنسا اس سے لاعلم رہی۔

منی بیگم کی آمد درخت بڑھ چکی تھی اور مہرالنسا بھی اس کے پاس چلی جایا کرتی تھی۔ مرنالہ ان ملاقاتوں کو حکماً اس لئے نہ بدکر سکا کہ اس سے میر جعفر سے تعلقات خراب ہو جائے اور جب سے چچا زاد بھائی شوکت جنگ سے اختلافات ہوتے تھے اس کے امرا لوں ہی دو حصوں میں بٹ چکے تھے اب دوسرے جعفر جیسے بڑے عہدے دار کو اپنے خلاف نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اسی دوران اسے معلوم ہوا کہ شوکت جنگی تیاریاں کر چکا ہے اور عنقریب مرشد آباد آنے والا ہے، سراج الدولہ نے یورنیا کا رخ کیا، وہ شوکت جنگ کو اس کے مستقر ہی میں شکست دینا چاہتا تھا۔ ابھی وہ مرشد آباد اور پٹنہ کے درمیانی شہر راج محل تک ہی پہنچا تھا کہ اس کی ماں کی طرف سے خفیہ پیغام ملا۔

آمنہ بیگم نے اپنے بیٹے کو کھاتھا۔ ”سراج الدولہ! میں محل کی ایک نئی کینز مرنالہ کے پاس ہے چند خطوط ملے ہیں جو انتہائی پراسرار ہیں، انہیں ملاحظہ کرو اور ان کے مطابق اپنی سرگرمیاں جاری رکھو! سراج الدولہ نے یاد امی کا غدر پر لکھے ہوئے ان تین خطوں کو پڑھا ان میں سے ایک میں لکھا تھا۔

”میں آپ سے ہمدردی ہے، آپ کے ساتھ واقعی بڑی زیادتی ہوئی ہے، نئے صوبے دار کا ایک فوجی افسر یا رنٹل خان اس شرط پر ہمارا ساتھ دینے کو تیار ہے کہ ہم سراج الدولہ کے بعد اسے صوبے دار بنادیں، ہمیں آپ کی منظوری دینا ہے، کیونکہ آپ ملی وردی خان کی سب سے بڑی بیٹی ہیں، یا رنٹل خان کیلئے ہے، کچھ اس بابت بھی اطمینان کرنا چاہتی۔ یوں کچھ شوکت جنگ کو برسرِ اقتدار لانا چاہتی ہے۔“

آخر میں راجدیک انگریز گورنر کلکتہ کے دستخط تھے۔

دوسرا خط سراج الدولہ کے چچا زاد بھائی شوکت جنگ کے نام تھا اس میں لکھا تھا۔

”کچھ آپ کی طرف سے آپ کی خالہ مہرالنسا سے خاصی مرسلت کر چکی ہے، سراج الدولہ غائب ہے جس نے اپنے رشتہ داروں کے حقوق منسب کر لئے ہیں آپ کی خالہ کا خیال ہے کہ اگر سراج الدولہ کی جگہ آپ کو صوبے دار بنا دیا جائے تو کچھ کی حق میں آپ زیادہ سود مند ثابت ہوں گے، کچھ آپ کے لئے کام کرنا چاہتا ہے بشرطیکہ آپ ان تمام مصارف کی ادائیگی کا اقرار کریں جو اس مہم میں کچھ خرچ کرے گی، اس کے علاوہ کچھ تجارتی آزادی اور بعض اہم مصارف کی بھی خواہشمند ہے۔ آپ اس امر سے لے کا جواب اپنی خالہ مہرالنسا کے توسط سے دے سکتے ہیں!“

اس پر بھی راجدیک کے دستخط تھے۔

تیسرا خط سراج الدولہ کے نام تھا۔ یہ اس فرمان کا جواب تھا جس میں سراج الدولہ نے کچھ

مہرالنسا نے تقریباً سرگوشی میں کہا۔ ”انگریزوں کو ملا لیجئے، یہی اس کا بہترین علاج ہے میر جعفر نے جواب دیا۔ ”ہمیں انگریزوں کی کسی ایسی ہی پیش کش کا انتظار ہے جو صبح و شام آنے ہی والی ہے!“

دہلی سراج الدولہ بھی پہنچ گیا۔ اس نے بیوہ پر ایک اچھٹی نظر ڈالی اور میر جعفر کو حکم دیا ”آپ انگریز گورنر راجدیک کے نام ہماری طرف سے فرمان جاری کیجئے کہ وہ اپنی حد سے آگے نہ بڑھیں ورنہ اس کا بہت برا انجام ہوگا اور دیکھئے آپ اسے صاف صاف دکھائی دے گا کہ انہیں جو قلعہ بندیاں ہو چکی ہیں وہ انہیں ترہ وادیں اور راج بلجھ کے بیٹے کرشن داس کو میرے حوالہ کر دیں!“

میر جعفر، سراج الدولہ کو لے کر محل کے دفتر میں پہنچا۔ ادھر مہرالنسا کو منی بیگم اور بیوہ ملنے کرنے کا شاندار موقع ہاتھ آگیا۔ دونوں نے مہرالنسا کی بڑی تعریف کی جس نے انہیں اپنے یہاں ملنے کی جگہ پیش کی تھی۔

منی بیگم نے کہا۔ ”بہن! میں تو اچھوتوں سے بھی بدتر تھی، سراج الدولہ نے ہم دونوں پر کا محل میں داخلہ بند کر رکھا تھا اب تم آئی ہو تو ہمیں یہاں تک آنے کی اجازت بھی مل گئی ہے!“ مہرالنسا نے جواب دیا۔ ”بس چند دن کی بات ہے پھر تو سراج الدولہ ہو گا نہ اس کے برسرِ قوت اور وہ اس کے خلاف یہ شکایات ہوں گی!“

منی بیگم نے حیرت سے پوچھا۔ ”یہ کیسا انقلاب آنے والا ہے، کچھ میں بھی تو بتاتی تھی!“

مہرالنسا نے لاپرواہی سے جواب دیا۔ ”وہ وقت اب جلد ہی آنے والا ہے۔“

بیوہ کو سراج الدولہ سے گویا اب بھی ہمدردی تھی، بولی۔ ”سراج الدولہ اب اتنی تقریبات اور سازش کے مستحق بھی نہیں ہیں، ان کا چہرہ تو دیکھو کیسا اتر ہوا ہے، ان کی حرکات سکنا سے ایسا لگتا ہے جیسے مرنالہ آدمیوں کے درمیان ایک بے مہار انسان ہیں!“

منی بیگم نے اسے ڈانٹا بولی۔ ”بد بخت! اپنی زبان بند کر، جس نے ہمارے گھر میں ہمیں ذلیل کیا اس کی بڑائی یا ہمدردی کا ذکر کر کے خواہ معاذ ہمارا دل نہ دکھا۔“

اسی رات سراج الدولہ کو ایک بے نام چند مٹری خط موصول ہوا جس میں لکھا تھا۔

”حضور والا! ہوشیار رہیں کہ عورتیں تک آپ کے خلاف سازشیں کر رہی ہیں، حضور کی خالہ

مرالنسا انگریزوں سے مل گئی ہیں اور ان کی انگریزوں سے باقاعدہ خط و کتابت ہو رہی ہے انہیں پکڑنے کی کوشش کیجئے۔“

سراج الدولہ نے غیر معمولی غصے سے صلیختوں کا غبار کیا کہ مہرالنسا کے ہر طرف جاسوسی چھانڈ



کے قلعوں کو سہارا کر دینے اور اپنی خالہ مہر النساء کے دیوان زادے کرشن داس کو مرشد آباد بھیجے گا حکم دیۃ  
کھلنے کے انگریز گورنر نے اس کا نہایت مختصر جواب دیا تھا۔

”کپتی آپ کے احکام کی تاب نہیں ہے وہ نہ تو اپنی قلعہ بندیاں توڑے  
گی اور نہ کرشن داس کو آپ کے حوالے کرے گی۔ کپتی آپ کو ہرے سے جائز صوب  
دار ہی تسلیم نہیں کرتی، اس لئے اس نے کسی ایسی تقریب میں آج تک حصہ نہیں  
لیا جو آپ کی صوبہ داری کے زیر اثر منعقد کی گئی ہو!“

مرات الدولہ نے شوکت جنگ پر شکر کشی موقوف کی اور مراثی محل سے قاسم بازار کی طرف  
چل پڑا۔ قاسم بازار مرشد آباد کے جنوب میں درافاضے پر واقع تھا اور یہاں کپتی کی ٹیکڑی تھی  
ٹیکڑی ایک شاندار قلعے کے اندر تھی، مراثی الدولہ نے انگریز گورنر راجہ ڈریک کو زبانی کہا بھائی۔  
”تم ہمارے دشمنوں کو پناہ دیتے ہو، ہمارے ملک کے اندر قلعہ بندیاں کرتے ہو، لیکن  
ہم تمہیں من مانی نہیں کرنے دیں گے اور تمہیں نیست و نابود کر کے دم لیں گے!“

مرات الدولہ طوفان کی طرح قاسم بازار پر ٹوٹ پڑا اور چشم زدن میں اس پر قبضہ کر لیا۔  
سب سے بڑا افسر ولیم والٹس گرفتار کر لیا گیا یہاں سے وہ کلکتہ روانہ ہونے والا تھا کہ خلاف توقع اس  
ماں آمنہ بیگم قاسم بازار پہنچ گئی اور اس نے مراثی الدولہ کو کلکتہ پر حملہ کرنے سے منع کیا۔ لیکن مراثی  
نے ماں کا یہ حکم ماننے سے انکار کر دیا۔ اس نے کہا: ”نانا جان نے ہمیں اس کا حکم دیا تھا اور انگریزوں  
کے عزائم بھی اچھے نہیں ہیں“ اس لئے بہتر یہی ہے کہ قلعے کو مراثی بھانے سے پہلے ہی کھل دیا جائے۔  
آمنہ بیگم چپ ہو رہی تھیں لیکن اس کے چہرے کے تاثرات یہی بتا رہے تھے کہ کھل بہت جلد ہے کہ  
الدولہ نے پوچھا: ”آخر آپ یہ کیوں چاہتی ہیں کہ کلکتہ پر حملہ نہ کیا جائے اور کپتی کی تجارتی کوٹھیاں  
اور قلعہ بندیاں نہ توڑی جاتیں!“

ماں نے افسردگی سے جواب دیا: ”کلکتہ کی مختلف تجارتوں میں ہماری بھاری قومن پھنسی ہو  
ہیں تمہاری حملہ آوری میں وہ ڈوب جاتیں گی!“

مرات الدولہ نے کوئی جواب نہ دیا اور فوج لے کر کلکتہ پہنچ گیا۔ انگریزوں پر ایسی دہشت  
طاری ہوئی کہ وہ دیلتے ابھکی میں کھڑے ہوتے جہان زون میں بیٹھ بیٹھ کفر فرما ہو گئے۔ فرار ہونے والا  
یہ راجہ ڈریک بھی تھا۔ مراثی الدولہ نے کلکتہ کا محاصرہ کر لیا جو انگریز فرار نہیں ہو سکے تھے وہ قلعہ  
کے اندر چلے گئے۔ مراثی الدولہ نے قلعے پر گولہ باری کا حکم دیا اور دیکھتے ہی دیکھتے قلعے کی عمارتیں  
لگیں، مقابلے کے نتائج کی طرف سے مالوس ہو جانے کے بعد انگریزوں نے ہال ویل نامی ایک ہم قوم  
کی رہنمائی میں مراثی الدولہ سے صلح کی بات چیت شروع کر دی۔

چار گھنٹے بعد قلعے پر سفیر جھنڈا لہرایا گیا۔ مراثی الدولہ نے گولہ باری کی موقوفی کا حکم دیا  
اور پانچ گھنٹے بعد جب وہ اپنی فوج کے ساتھ قلعے میں داخل ہوا تو انگریز اپنے رہنما ہال ویل کے ساتھ  
مرات الدولہ کے مدبر داس طرح پیش ہوئے کہ ان کے دونوں ہاتھ کمر کے جیسے باندھ دیئے گئے تھے  
مرات الدولہ نے آزاد ہندوستانی ان کے ہاتھ کھلوا دیئے اور انہیں حکم دیا کہ کرشن داس کو مراثی  
جلتے کرشن داس بھی حاضر کر دیا گیا وہ مختصر ہتھ کاپ دیا تھا۔ لیکن خلاف امید مراثی الدولہ نے  
اسے معاف کر دیا اور خلعت فاخرہ سے سرفراز کیا۔

کھلنے کو انگریزوں سے پاک کرنے کے بعد مراثی الدولہ مرشد آباد واپس ہونے والا تھا۔  
اس نے مانک چند نامی ایک ہندو کو کلکتہ میں اپنا نائب مقرر کیا۔ مراثی الدولہ کی ماں آمنہ بیگم اپنے  
فاتح بیٹے کی خدمت میں دس قدموں حاضر ہوئی اور کچھ کہے سنے بغیر ایک طرف بیٹھ گئی، بیٹے نے  
کو اس دیکھ کر سوال کیا: ”آپ اس کیوں ہیں؟“

ماں نے افسوس کے ساتھ کہا: ”مرزا محمد اہم ایک بار میری درخواست لے کر چلے گئے ہو اس  
نے دوسری درخواست پیش کرتے ہوئے چھپکا رہی ہوں!“

مرات الدولہ نے عقیدت و محبت سے ماں کے دونوں ہاتھ پکڑ لئے اور انہیں بوسہ دے کر  
کہا: ”آپ درخواست نہیں حکم دیں، آپ اپنے بیٹے جیسی حکم کا ذکر فرما رہی ہیں اس کے نامنے میں ایک خاص  
مصلحت تھی لیکن اب جو حکم دیں گی اس کی تعمیل ہوگی!“  
آمنہ بیگم نے کہا: ”ہال ویل کو رہا کر دو!“

مرات الدولہ اس سفارش پر حیرت زدہ رہ گیا۔ اس کی سمجھ میں نہ آیا کہ ماں نے ہال ویل کی  
سفارش کیوں کی؟ اس نے سوچا ہو سکتا ہے یہاں بھی ماں کا کوئی تجارتی مفاد آٹھ رہا ہو، اس نے ہال  
ویل کو رہا کر دیا۔ جس نے انگلن واپس جا کر مراثی الدولہ کے خلاف خوب خوب الزام تراشیاں کیں اور  
تکلیف دہ ہمیشہ لگائیں۔

مرات الدولہ نے شوکت جنگ پر حملہ کر دیا اور اسے شکست دے کر ہیشہ کے لئے اس فتنہ  
کو ختم کر دیا اس جنگ میں شوکت جنگ مارا گیا۔

مرشد آباد میں مہر النساء کی سخت نگرانی شروع کر دی گئی اور محنتی بیگم یا کسی اور عورت کے  
اس کے پاس جانے کی پابندی عائد کر دی گئی۔ دوسری طرف مدد اس سے انگریز فوج مراثی الدولہ  
سے بدلے لینے کے لئے چل کھڑی ہوئی۔ اس فوج کی قیادت امیر ایچو والٹس کے ذمے تھی اور اس کا نائب  
کلا تو تھا۔ کلا تو ایک پرجوش اور ہم جو سپاہی تھا جسے میدان جنگ میں لڑنے کے ساتھ ہی مکر و فریب  
سے کام نکلنے کا فن بہت اچھا آتا تھا۔ اس نے کلکتہ کے نواح میں داخل ہوتے ہی مراثی الدولہ کے



نائب مانگ چند کو ملا لیا۔ جس سے کلکتہ دوبارہ انگریزوں کے قبضے میں چلا گیا۔ سراج الدولہ نے کلاؤ کو ڈاکہ مار دیا مافی نہ کرے لیکن کلاؤ نے الٹا انگریزوں کے نقصانات کا معاوضہ طلب کر لیا۔ سراج الدولہ مشتعل ہو گیا۔ کلاؤ نے اس کے امراء کو سازش کے جال میں پھانسنے کی کوششیں شروع کر دیں!

اس نے مہرالنسا کو لکھا: آپ اگر ذرا سی ہمت سے کام لیں تو آپ کی ساری شکایات دور ہو سکتی ہیں براہ کرم آپ صوبے دار کے فوجی افسروں سے ہمدردی بات چیت کرا دیں!

مہرالنسا کو کلاؤ کا یہ پیغام بڑی شکل سے ملا۔ مہرالنسا میر جعفر سے ملنے کے لئے بے چین ہوئے آئندہ بیگم نے اسے اجازت دلوادی اور مہرالنسا سیدھی میر جعفر کے پاس پہنچی۔ مٹی بیگم اور بیوٹے اس سے متعلق بات کیا۔ مہرالنسا نے بیوٹے سے مرد مہری برقی اور موقع پا کر مٹی بیگم سے کہا:

"مٹی! چاہے تم برا مانو لیکن میں یہی کہوں گی کہ بیوٹے اعتبار کے لائق نہیں ہے!"

بیوٹے نے منہ بنا کر کہا: "میں خود بھی یہی سمجھتی ہوں کہ بیوٹے غاصب سراج الدولہ سے ہمدردی رکھتی ہے اور میں اس کی طرف سے مشاغل ہٹا چاہتا ہوں!"

اسی لمحے بیوٹے اگلی دو دنوں کا موش روگیتیں! بیوٹے اس خاص حالت کو صبح انداز میں محسوس کر لیا اور خود ہی وہاں سے چلی گئی۔

اس کے چلنے کے حقورزی درمیان مہرالنسا نے مٹی سے پوچھا: "مٹی بیگم! کیا تم یہ پسند کر دو گے کہ تمہارے شوہر کو صوبے دار بنا دیا جائے اور تم صوبے دار کی بیوی چلاؤ؟"

مٹی بیگم کا چہرہ خوشی سے گلنار ہو گیا! پوچھا: "یہ کس طرح ممکن ہے؟"

مہرالنسا نے کہا: "پھر پوچھا جان کو بلاؤ۔ فرنگی انہیں صوبے دار بنانے پر آمادہ ہیں!"

اسی وقت میر جعفر کو بلا لیا گیا اور بوڑھا سپہ سالار مہنسی خوشی خداری پر آمادہ ہو گیا۔

مہرالنسا نے کہا: "پوچھا جانا! اب یہ کام آپ کہے کہ فرنگیوں سے رابطہ قائم کریں اور میر حوالے اپنے معاملات طے کریں!"

اور اس کے دوسرے دن میر جعفر کا ایک خاص فرستادہ کلاؤ کو کے پاس روانہ ہو گیا۔ لیکن اس سے پہلے کا نام نہ سراج الدولہ کے پاس پہنچ چکا تھا۔ بیوٹے نے نوجوان صوبے دار کو لکھا تھا:

"حضور والا! آپ کی خالہ مہرالنسا نے ہوشیاری سے مجھے ہٹا کر میرا بہن مٹی بیگم اور میر بڑے میر جعفر سے کچھ صلاح مشورے کئے ہیں میں نے کئی بار ان کی گفتگو سننے کی کوشش کی لیکن نہیں سوس۔ یہاں کئی بار کلاؤ اور انگریزوں کا ذکر ضرور سننے میں آیا۔ معاملات نہایت پر اسرار ہیں نہایت چور اور ہوشیار رہنے کی ضرورت ہے!"

سراج الدولہ نے اس کا فوری اثر لیا۔ اور میر جعفر کو سپہ سالاری کے منصب سے ہٹا کر اس کی جگہ میر حن کو سپہ سالار بنا دیا اس کے علاوہ میر جعفر کو حکم دیا گیا کہ وہ محل سے باہر نہ نکلے اور اس پر چوبدار مقرر کر دیئے گئے۔ میر جعفر اور مین غصے اور حسد کی آگ میں جلنے لگے۔

انگریز کلاؤ کی مرکز دلی میں سازشوں کے سب سے چند رنگ تک پہنچ گئے۔ سراج الدولہ نے ان کا مقابلہ کرنا چاہا لیکن سرور دلی نے غلامی اور سراج الدولہ کو مصلحت اندیشی سے کلاؤ سے صلح کرنا پڑی۔ اس صلح کی دوست ایک انگریز سفیر شدت آپا دیں رہنے لگا اور میں سے سازش کی آگ شعلہ دینے لگی۔

انگریز سفیر دانش میر جعفر کے پاس دلی میں بیٹھ کر گیا اور میر جعفر سے پوچھا: "کلاؤ یہ جانتا چاہتا ہے کہ اگر آپ کو بنگال کی صوبے داری پر فائز کر دیا جائے تو اس سے ہمیں کیا فائدہ پہنچے گا؟"

میر جعفر اندر سے سادہ کاغذ لے آیا اور اس کے نیچے اپنے دستخط کر کے کاغذ دانش کے حوالے کر دیا بولا: "کلاؤ سے کہنا انہیں اختیار ہے جو چاہیں لکھ لیں اتنا بانی یہ ضرور عرض کر دوں گا کہ اگر میں صوبے دار ہو گیا تو انگریزوں کے دشمن فرانسیسیوں کے کاغذات اور کوٹھیاں تباہ و برباد کر دوں گا اور انہیں بنگال میں دوبارہ نہیں آیا دہونے دوں گا۔ کلکتہ اور قاسم بازار کے محلوں میں انگریزوں کا جتنا نقصان ہوا ہے اس کا معاوضہ دوں گا اور کلکتہ کے ارد گرد انگریزوں کو مزید زمین دی جائے گی!"

دانش یہ کاغذ لے کر واپس چلا گیا۔

کلکتہ کا اسی چند نامی سکند آئندہ بیگم کے ساتھ مل کر کاروبار کرتا تھا۔ سراج الدولہ بھی اس کا اختیار کرتا تھا۔ انگریزوں نے اسے دوسرے امراء سے ساز باز کرنے پر آمادہ کر لیا۔ سارے معاملات طے پا گئے لیکن انگریزوں نے نہایت عقلمندی سے اسی چند کو سازش کی خزانے سے لا علم رکھا۔ اسی چند بلا کا چالاک تھا وہ انگریز سفیر دانش سے ملا اور اسے دیکھی دئی بولا: "دانش! تم نے ہم سے دور رہنا فرماتے تھے تم لوگ بہت تباہ و برباد ہوئے ہو تم نے مجھ سے کام لیا اور جب انعام کا وقت آیا تو میرا حصہ بھی تم خود ہضم کر جانا چاہتے ہو؟ بناؤ اگر میں سراج الدولہ کو اس سازش سے آگاہ کر دوں تو کتنے ہیں جو زمرہ پیچیں گے اور میں ایسا ضرور کروں گا!"

دانش ڈر گیا "اس نے کہا: ہم خود تو کوئی وعدہ کر نہیں کئے کلکتہ کی سلیکٹ کمیٹی کے سامنے تھا! مسئلہ رکھ دیا جائے گا۔ وہ جو فیصلہ بھی کرے گی تمہیں اس سے مطلع کر دیا جائے گا!"

اسی چند نے آنکھیں دکھاتے ہوئے کہا: "تم اپنی سلیکٹ کمیٹی کو مطلع کر دو کہ سراج الدولہ کے خزانے سے جو کچھ نکلے اس کا پانچ فیصد میرے حوالے کیا جائے اگر یہ شرط منظور نہ ہو تو پھر مجھے تیس لاکھ روپے ملنی الحساب ادا کیئے جائیں!"



دانش نے اسی چند کی بات چیت کھلنے کی سلیکٹ کیٹی کو روانہ کر دی۔

دانش سے بات چیت کے بعد اسی چند نے مزاح الدولہ سے ملاقات کی اور باتوں ہی باتوں میں کہ دیا۔ "حصنور والا! آپ کو صوبے دار سے الگ کرنے کے لئے میر جعفر اور انگریزوں کے درمیان کسی سمجھوتے کا امکان موجود ہے۔ شاید ابھی یہ معاہدہ نہیں ہوا ہے لیکن کسی وقت بھی ہو سکتا ہے۔"

مزاح الدولہ نے اسی چند کا شکریہ ادا کیا اور انعام و کرامت سے نوازا اور میر جعفر کے اس پاس سخت پیرا بیٹھا دیا گیا۔

کھلنے کی سلیکٹ کیٹی نے عہد نامہ مرشد آباد روانہ کر دیا۔ اس پر میر جعفر کے دستخط ہوئے۔ دانش پریشان تھا کہ چونکہ پہلے کی موجودگی میں میر جعفر کے دستخط کس طرح لئے جاتیں آخر اسے اپنی پہلی ترکیب سوچھی۔ اس نے پردے دار پانکی منگوائی اور اس میں بیٹھ کر پردہ گرادیا اور یہ پانکی میر جعفر کے محل میں داخل ہو گئی۔

دبلا پتلا سفید ریش میر جعفر اپنے بیٹے اور دلی عہد میں کے ساتھ بیٹھا تھا۔ اس نے معاہدہ کی شرائط پڑھیں اور وہ دستخط کرنے ہی والا تھا کہ دانش نے قلم پکڑ لیا۔ بولا: "حصنور نواب صاحب یہاں کلام پاک کا کوئی نسخہ تو ضرور موجود ہوگا!"

میر جعفر اس کا مقصد سمجھ گیا۔ جزدان سے قرآن نکالا اور ایک ہاتھ سے قرآن پاک مستحق اللہ ہاتھ اپنے بیٹے برون کے سر پر رکھا اور کہا: "میں ان دونوں کی قسم کھا کر یہ وعدہ کرتا ہوں کہ اس معاہدہ کی ہر دفعہ اور ہر شرط پر پوری دیانت داری سے عمل کروں گا۔"

اس کے بعد اس نے معاہدے پر دستخط کر دیئے۔

دانش اسی وقت واپس چلا آیا۔ اسی چند نے اس سے یہ کہا کہ: "تمہیں تیس لاکھ روپے ادا کر دیئے جاتیں گے۔ سلیکٹ کیٹی کا معاہدہ کھلنے میں موجود ہے، وہاں جا کر اسے دیکھ سکتے ہو۔"

اسی چند نے کھلے پہنچ کر وہ عہد نامہ دیکھ لیا جس میں اسی چند کو تیس لاکھ روپوں کی ادائیگی کا وعدہ کیا گیا تھا۔ یہ عہد نامہ بادامی کاغذ پر تھا اور اس پر امیر البحر دانش اور کلایو کے دستخط بھی موجود تھے۔

ان معاہدات کے بعد کلایو کا رویہ سخت ہو گیا اور وہ کھلنے سے مرشد آباد کی طرف فوجیں لے کر بڑھا۔ اپنی اس پیش قدمی کے جواز میں کلایو نے مزاح الدولہ کو لکھا: "آپ کے اور انگریزوں کے درمیان اختلافات بڑھتے جا رہے ہیں بہتر ہے کہ اس معاملے میں آپ اپنے ہی امر کو حکم بنالیں، ان میں میر جعفر کا نام میں بطور خاص لوں گا، یہ اگر میں مورد الزام ٹھہرائیں گے تو میں خاموشی اختیار کروں گا لیکن اگر ہوا تو آپ کو غلطی پر ٹھہرایا تو پھر آپ ہمارے نقصانات اٹھائی کریں گے، بارشیں شروع ہو چکی ہیں اور چونکہ

آپ کی طرف سے جواب آنے میں دیر ہو جایا کرتی ہے، اس لئے میں خود ہی آپ کے قریب پہنچنے کی کوشش کرتا ہوں۔"

مزاح الدولہ پریشانی کے عالم میں نظر بند میر جعفر کے پاس پہنچا۔ اس یابوس کن حالت میں مزاح الدولہ نے یہی مناسب سمجھا کہ میر جعفر کو ناراض نہ کیا جائے کیونکہ انگریزوں سے جنگ کرنے کے لئے تجربہ کار سپہ سالار کی سخت ضرورت تھی۔

بولہا سپہ سالار نوجوان صوبے دار کو دیکھ کر کھڑا ہو گیا۔ دونوں چپ چاپ ایک دوسرے کو دیکھتے رہے، اودھے سپہ سالار نے آج مزاح الدولہ میں دلچسپی اور طراری نہیں دیکھی جو اس کا فطری فاضل تھی۔ وہ سست اور یابوس نظر آ رہا تھا۔ اس کی آنکھوں میں تنہائی کا احساس پایا جاتا تھا۔

میر جعفر نے سوال کیا: "اس ناچیز کے لئے کوئی نیا حکم؟"

مزاح الدولہ میر جعفر کے سینے سے لگ گیا۔ بولا: "آپ ہماری فوج کے سپہ سالار ہی نہیں بہتر ہو چکا بھی ہیں، ہم دونوں میں خون کا رشتہ بھی موجود ہے کیا اس برے وقت میں آپ ہمارا ساتھ نہیں دیں گے؟"

میر جعفر نے محبت سے مزاح الدولہ کی پشت چھتی پائی اور ہر جوش آواز میں کہا: "مزا محمد! آپ ہماری طرف سے ہمیشہ بدگمان رہے ہیں حالانکہ یہ سوچنے کی بات ہے کہ آپ کے مقابلے میں ان سفید فام فوجیوں کی کیا حیثیت ہے۔ آپ نے بے بنیاد شبہات پر ہمیں سپہ سالاری سے الگ کیا۔ ہمیں نظر بند کر دیا لیکن ہم نے ہمیشہ یہ سوچ کر ذلتیں گوارا کر لیں کہ آپ ابھی نوجوان اور ناتجربے کار ہیں کیٹی بھی آپ پر اصل حکمت دانش ہو جائیں گے چنانچہ شاید وہ وقت اس وقت میرے سامنے ہے اور آپ اپنی غلطیوں پر ندامت محسوس کر رہے ہیں!"

"ہاں!" مزاح الدولہ نے کہا: "ہم چاہتے ہیں کہ پرانی باتیں بھلا کر نئے برے سے تعلقات استوار کریں!"

میر جعفر نے کہا: "ہم نے سب کچھ بھلا دیا!"

مزاح الدولہ نے کلام پاک طلب کیا۔ جب یہ آگیا تو اس نے اسے اپنے سر پر رکھ لیا اور قسم کھائی: "ہم صوبے دار ہنگامہ مرزا محمد مزاح الدولہ یہ عہد کرتے ہیں کہ ہمیشہ اپنے بھو میر جعفر کے ہم دروہیں گے اور نہ تنگ کے آخری لمحات تک ان کا ساتھ دیں گے!"

اس کے بعد میر جعفر نے قرآن پاک کو دونوں ہاتھوں سے اٹھالیا اور چند قدم چل کر قسم کھائی: "ہم میر جعفر بھو میرزا محمد مزاح الدولہ عہد کرتے ہیں کہ ان کے ہمیشہ وفادار رہیں گے اور ان کی وفاداری میں اپنے خون کا آخری قطرہ تک بھڑکے، اگر ہم اس سے دو گردائی کریں تو خدا ہمیں ہی



عذاب میں مبتلا کر دے!

میرن کچھ دودھ کھڑا یہ منظر دیکھ رہا تھا، آخر میں نفرت سے منہ پھیرا کہ اندر چلا گیا۔  
میرجعفر اور سراج الدولہ کی آوازیں بھڑکتی تھیں، میرجعفر کی حالت تھی اور سراج الدولہ کی کپکپی۔  
آفسروں سے بھیگ گئیں اس کے بعد میرجعفر سراج الدولہ کی خاطر مدارات کے لئے اندر چلا گیا۔

تھوڑی دیر بعد پتھر چوروں کی طرح کمرے میں داخل ہوئی اور سراج الدولہ سے کہا تھا  
کا کیا رنگ ہے میں نہیں جانتی لیکن ابھی میرجعفر اپنے بیٹے حیران سے باتیں کرتے ہوئے فارسی کا یہ  
شعر پڑھ رہا تھا۔

بہالی زوجت جگر خون کم  
ایک ساعت از دلا باد چوں کم  
ایک سال تک تیرے جس ظلم سے جگر کو خون کرتا رہا ہوں (کس طرح ممکن ہے کہ) اسے ایک  
پل میں دل سے نکال دوں۔

سراج الدولہ نے اسے پھر ک دیا۔ بولا۔ "ہمارا دامغ نہ خراب کرو۔ چہنہ اپنی گشتی معتد  
حالات کے حوالے کر دی ہے، جو ہر تپ ہے، ہوسہ کا گھیرانے سے کچھ حاصل نہیں!"

دنیائے بھاگرتی جنوب میں بہتے بہتے آموں کے باغ سے ذرا آگے ایک دم مغرب شمال کا  
رخ اختیار کرتی ہے اور پھر مندرجہ گولائی میں گھومتی ہوئی، جنوب سے مشرق اور مشرق سے شمال مشرق پر  
میں اس جگہ پہنچ جاتی ہے، جہاں اسے اس نے مغرب شمال کا رخ اختیار کیا تھا۔ اس گھاؤ پھراؤ نے بھاگرتی  
کی شکل گھوڑے کے سم جیسی بنا دی تھی آموں کے باغ سے شمال مشرق کے آخری موڑ پر سراج الدولہ کی  
فوج پڑاؤ ڈالے پڑی تھی۔ بھاگرتی نے یہاں پر پھر مشرق میں گھومتے ہوئے بندہ تکہ دوا تر سے میں جنوب  
مغرب میں ہننا شروع کر دیا تھا یہاں پر کلائیو لہائی فوج نے پڑا تھا یہاں خندقیں کھدی ہوئی تھیں اور  
خندقوں کے اس پار دریا کے کنارے باغ تھا۔ اس باغ میں کلائیو اور اس کی فوج تھی، یہیں سراج الدولہ  
کی شکار گاہ تھی جس پر کلائیو قابض تھا۔ سراج الدولہ کی افواج نے اس کے مقابل پہنچ کر ہلائی شکست  
کر لی، اس ہلائی فوج کا وہ حصہ جو انتہائی جنوب میں پندرہ ہزار سپاہیوں پر مشتمل تھا، میرجعفر کے زیر  
کمان تھا اور اس سے تھوڑے فاصلے پر کلائیو کی فوج تھی۔ بظاہر کلائیو سراج الدولہ کے نرفے میں آچکا  
تھا۔ کلائیو نے شکار گاہ کی چھت سے میدان جنگ کا نقشہ دیکھا تو گھبرا گیا کیونکہ اگر میرجعفر اور دوسرے  
فوجی سردار اس وفاداری دکھا جاتے تو کلائیو کا ایک آدمی بھی بچ کر نہ نکل سکتا تھا۔ کلائیو نے اسی چند  
اپنے پاس ہی روک رکھا تھا۔ اس نے اسی چند کو برا بھلا کہتا شروع کیا۔

"اُمی چند! یہ کیا چال ہے، مجھے تو یہ بتایا گیا تھا کہ سراج الدولہ کی فوج بہت تھوڑی ہے

کی، لیکن یہ تو بہت بڑی ہے!"

اسی چند نے کہا۔ "گھبراہٹ میں مت، انتظار کیجئے۔ معاملات معاہدے کے مطابق ہی  
طے پا جائیں گے!"

کلائیو نے میرجعفر کو پیغام بھیجا۔ "مجھے بہت افسوس ہے کہ جن معاملات کا خود آپ کی  
ذات سے تعلق ہے آپ ان میں بہت سے کام نہیں لے رہے، میں آپ کے جواب کا منتظر ہوں، اس وقت  
تک میں مذہب اور فکر مند ہوں گا جب تک آپ کا جواب میرا حوصلہ نہ بڑھلے گا!"

میرجعفر نے اس کا جواب جوتے میں سی کر دیا کیا۔ اس نے لکھا تھا۔ "آپ پریشان نہ ہوں جب  
جنگ شروع کریں تو کسی طرح تھوڑی دیر پہلے ہمیں اس سے مطلع ضرور کر دیں، منصوبے پر پوری  
طرح عمل کیا جائے گا!"

دوسرے دن صبح سورج طلوع ہوا تو سراج الدولہ کی فوج میں ہاتھیوں کی سرخ بھولیں  
ہم کی طرح نظر آئیں شہسواروں کی تلواروں یا ہیرا گتیں اور توپوں کے گولے اگلے شروع کر دیتے۔ جواب  
میں انگیزہ دینے بھی گولہ باری کی اور اتفاق کی بات کہ ان کا ایک گولہ سراج الدولہ کے دفا دار ترین سپہ سالار  
میردلا کے رگا جس سے اس کی ایک ٹانگ اڑ گئی، اسے زخمی حالت میں سراج الدولہ کے خیمے میں لایا گیا۔  
اس نے چند اکھڑی اکھڑی سانسیں لیں اور رخصت ہو گیا، سراج الدولہ کی بہت جواب دے گئی۔

دھوپ رخصت ہو گئی آسمان بادلوں میں چھپ گیا اور پھر موسلا دھار بارش شروع ہو گئی، میدان  
جنگ میں پھیلی ہوئی بارود کو پانی کے رحم و کرم پر مڑی چھوڑ دیا گیا اور وہ ساری بھیگ کر بیکار ہو گئی تھی  
کلائیو نے بارود کی ذخائر پانی سے بچالے تھے یہ اطلاعات سراج الدولہ کو پریشان کر رہی تھیں، اس نے میرجعفر  
کو اپنے خیمے میں طلب کیا۔

جب میرجعفر سراج الدولہ کے خیمے میں داخل ہوا تو سراج الدولہ نے اپنے سر سے دستار اتاری  
اور اس سفید ریش غلام کے قدموں میں رکھ دی اور بھڑائی آواز میں کہا۔ "میرجعفر! خدا کے لئے ہماری غلطی  
معاف کر دیجئے یہ دستار جو اس وقت آپ کے قدموں میں پڑی ہے، علی دمدی خاں کی دستار ہے جو آپ  
کا بڑا دوستی اور محسن تھا۔ دیکھو اس پر آہن نہیں آتی چاہیے!"

میرجعفر نے دستار دوبارہ سراج الدولہ کے سر پر رکھ دی، کہا۔ "مزا محمد! آپ مطمئن رہیں، اس  
دستار پر ہم ہرگز آہن نہ آئے دیں گے!"

اور دونوں ایک بار پھر بغل گیر ہو گئے۔  
جب میرجعفر دوبارہ اپنے کیمپ میں پہنچا تو وہاں کلائیو کا پیغام پہلے سے موجود تھا۔ اس نے لکھا  
"میں سونت پریشان ہوں، آپ نے میری کوئی مدد نہیں کی!"



ہوتے کان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے پوچھا: "حضور دالا، میرا یہ کان آپ کے پاس امانت رکھا ہوگا کیا یہ امانت میں طلب کر سکتا ہوں؟"

سراج الدولہ نے کہا: "میں سمجھو کہ میں پہلے ہمارے لئے کھانے کا بندوبست کرو اس کے بعد کوئی اور بات ہوگی؟"

دانا شاہ راج محل کے فوجی امیر تراسم کے پاس پہنچا امداد سے سراج الدولہ کی موجودگی کی اطلاع دی، امیر قاسم، میر جعفر کا داماد تھا اس نے دونوں کو گرفتار کر کے مرشد آباد روانہ کر دیا۔

مرشد آباد کی مبارک منزل کے عظیم الشان باغ میں ایک شاندار اجتماع ہوا، امرا، ٹک، برٹشوں میں جلوس تھے امداد کی دستاویز میں قیمتی جواہرات چمک رہے تھے۔ میر جعفر شگ مرمک کے ایک تخت کے قریب کھڑا تھا تو کاشمیر تھا۔ کھڑے ہوئے بڑھا۔ میر جعفر نے کھڑے ہو کر ہاتھ پٹائی اور اس پر معرقتا گلاب چھڑکا۔ کھڑے ہونے سے تخت پر بٹھا دیا اور نذرانے میں سوار شرفیاں پیش کیں، امداد سر جھکا کر نیا زمندار پہنچے۔ شاہ امداد کا اہوا اور ادریس کے لئے حکمران کی حیثیت سے میر جعفر کی خدمت میں کورنش بھی لایا۔ اور اپنی مختصر سی فوج میں دہبازی امرا کو یہ بتایا کہ "اب میر جعفر تمہارے خواب ہیں ان کے ساتھ وقاداری سے پیش آنے والے" اس وقت میں داخل ہوئے۔

شب کی سیاہی میں تیرہ بجتے سراج الدولہ مبارک منزل کے اس شاہانہ کمرے میں جہاں کبھی وہ خود تھا۔ میر جعفر کے سامنے اس طرح پیش ہوا کہ وہ مرمے پر تنگ رہے۔ وہ جگڑا ہوا تھا۔ غلام سپہ سالار نے حیا کیلئے سراج الدولہ سے آنکھیں ملاتی اور منگوائے۔ سراج الدولہ کی حیران آنکھیں ساکت رہیں۔ سراج الدولہ کچھ کہنا چاہتا تھا کہ میر جعفر سامنے سے ہٹ گیا۔ اور اپنی جگہ میرن کو بچھ دیا۔ میرن نے آتے ہی سراج الدولہ کے چند غمگین و سید گیس سراج الدولہ کو کھڑا کر ڈھیر ہو گیا۔ کمرے کا ماحول بے چاروں دھواں ہو گیا یہاں کی ہر شے دھندلا ہٹ کا شکار تھی، اس دھندلاہٹ میں اس نے ایک طرف خاموش ہو کر کھڑے ہوئے جو میرن کو متح کر رہی تھی۔ بس میرن! جو ہونا تھا ہو چکا اب یہ ہمارے رحم کا حق دار ہے؟" میرن نے حکم دیا۔ "اسے قید کر دیا جائے؟"

اسے ایک کوٹھری میں بند کر دیا گیا۔ یہ سب کچھ اتنی خاموشی سے ہو رہا تھا کہ محل کی میٹات تک اس کے پیش آنے والے واقعات سے بے خبر تھیں۔

سنا اور بونے سراج الدولہ کی تارک کو کھڑی میں قدم رکھا ادا پنے آگے پیچھے دست بستہ روت گاروں کی چھوٹی سی فوج کے ذریعے اپنی میگانہ شان کا مظاہرہ کیا۔

مقتلے ممکنیت سے پوچھا: "کہاں گیس تیری خاندان دجاہت ادا آن؟ اب تیرے خاندان کی عزت و عظمت میری جوتیوں میں ہے؟"

میر جعفر نے فوراً جوابی پیغام بھیجا: "بالکل بے فکر رہیں، ہم اپنے عہد پر چٹان کی طرح قائم ہیں۔" اس نے دوا ہم اپنا فرض پوری طرح ادا کر رہے؟

رات ہوئی، تو سراج الدولہ نے افسروں کو اپنے خیمے میں طلب کیا امداد سے مشورہ طلب کیا کہ اب کیا کرنا چاہیے۔

ہر ایک نے یہی مشورہ دیا کہ بارود بھینک چکی ہے اور عملی ہم جنگ ہار چکے ہیں۔

سراج الدولہ نے مایوس ہو کر پوچھا: "اگر ہم جنگ واقعی ہار گئے تو اب ہمیں کیا کرنا چاہیے؟" سب نے بالافتقاد کہا: "آپ خود مرشد آباد تشریف لے جائیں اور نفاذ فوج اکٹھا کریں، اپنے سے مدد طلب کریں۔ جب تک آپ واپس نہ آئیں گے ہم یہاں لڑتے رہیں گے؟"

سراج الدولہ نے غداروں کے مشورے پر عمل کیا وہ پلاسی کے میدان سے بھاگ کر مرشد آباد چلا اور وہاں سے اپنی بیوی بھتیجی کے ساتھ لڑنے کی طرف روانہ ہو گیا۔

سراج الدولہ کے حیات ہی میر جعفر نے کھڑے ہوئے دوسرے کی؟ ہم ملاقات کرنا چاہتے ہیں؟ کھاتے ملاقات کو دوسرے دن پر مثال دیا۔

دوسرے دن میر جعفر ہاتھی پر سوار ہوا۔ پیچھے اس کا بیٹا میرن بیٹھا تھا۔ ہاتھی کھڑے ہو کر کھمپ طرف بڑھا۔ کھڑے ہو کر کھمپ سے باہر نکلا۔ انگریزوں نے اسے سلامی دی، کھڑے ہوئے اسے نیچے اتارا اور بغل ہو گیا اور کہا: "اب آپ بنگال، بہار اور آڑیسہ کے حکمران ہیں؟"

اس کے بعد تینوں ایک خیمے میں گئے اور دیر تک باتیں کرتے رہے۔ کھڑے ہوئے میر جعفر کو مشورہ کیا کہ "خود مرشد آباد پہنچ کر سراج الدولہ کے خزانے پر قبضہ کر لیجئے؟"

میر جعفر ادوسو انگریز اور تین سو ہندوستانی سپاہ کے ساتھ مرشد آباد میں داخل ہوا۔ اور سراج الدولہ کی افلاک پر قابض ہو گیا۔ ہر انسان آگے بڑھ کر تے صوبے دار کی پیشوائی کی ادا بھی وہ ایک یاد پیش بھی نہ کر سکی تھی کہ میرن آگے بڑھا اور اس کے رخساروں پر دودھ لپٹے رہید کر بیٹے۔ ہر انسان اگر گرتی میرن نے ایک سپاہی کو حکم دیا: "اسے بند کر دیا جائے؟"

ہر انسان قید میں ڈال دی گئی۔

تین دن بعد سراج الدولہ کی کشتی مارت محل سے چارمیل دور موضع نیچر پور کے ایک دریاں میں پرکھ اور بھوکے پیاسے میاں بیوی دم لینے کی خاطر اتر پڑے اور ایک دریاں کشیا میں پناہ لی، اس کشیا تک دانا شاہ سراج الدولہ سے واقف تھا دیکھتے ہی پہچان لیا کبھی کسی جرم میں سراج الدولہ نے اس کا گناہ کٹوا دیا تھا۔ دانا شاہ نے سکرتے ہوئے اس غریب الوطن صوبے دار کا استقبال کیا اور اپنے کمرے



بھوتے جلاہت سے کہا۔ "مقی! یہ مصائب کا مارا نوجوان ہماری ہمدردیوں کا مستحق ہے!"  
 اسی وقت میرا آیا اور ہمیں کوٹھڑی کے نکل جانے کا حکم دیا۔ دونوں کے ساتھ وہ خود بھی  
 پس گیا۔ باہر سے اس کی آواز صاف آ رہی تھی سراج الدولہ نے سنا۔ وہ کہہ رہا تھا۔ "مدم اور ہمدردی کے جذبہ  
 کی طرف سے ہمیں یہ معاملات کو بگاڑ دیتے ہیں اس لئے یہ قابلاً غفلت ہیں!"  
 کوٹھڑی میں رہ کر کوٹھڑی کا دروازہ پھر کھلا اور محمد بیگ نامی ایک شخص ابھرے دولہ کے ساتھ  
 مرد داخل ہوا۔ اس کے ہاتھ میں خنجر چمک رہا تھا سراج الدولہ نے سہم کر خنجر پر نظر ڈالی اور کہا: "کیا یہی  
 بیات بھی پسند نہیں کرتی اپنی باقی زندگی اس کینج عاقبت میں رہ کر گزار دے گی؟"  
 محمد بیگ نے سراج الدولہ کی آواز کسی بہرے کی طرح سنی اور اپنی طاقتور کلائی سے سراج الدولہ کے  
 چھیدنے والا خنجر باریاد مرانہ الدولہ کے جسم میں پیوست اور ہونکر نکلتا رہا۔ سراج الدولہ نے ادھر لڑ  
 ایک کمرادر ہاتھوں کو باریاد خنجر کے سامنے کر کے جان بچانے کی ناکام کوشش کی اور اپنی ہتھیلیوں اور  
 ٹانگوں کو بھی چھلنی کراڈالا۔ زخموں سے بے دم ہو کر وہ گر گیا۔ اس کا چہرہ شک اور ہمان ہو چکا تھا۔ اس وقت میں بھاگ کر مرشد آباد روانہ کر دیا گیا۔ جب کشتی نے دو میل کا فاصلہ طے کیا تو جمعہ کے آسمان  
 نے مزاحمت ترک کر دی اور ڈرتے ہوئے بچو میں کہا۔ "بس کرو! بس اب ہم خود ہی مر جائیں گے؟" اگلے دن  
 مرنے کے بعد اس کی لاش ہاتھی پر ڈال کر مرشد آباد کی سڑکوں پر پھرائی گئی تو سراج الدولہ  
 نے اس انجام پر حیرت زدہ رہ گئے۔ محل کے ایک بھروسے کے یہ عبرتناک منظر سراج الدولہ کی ماں آئندہ کو یاد رہیں!  
 نے بھی دیکھا اور پانچوں کی طرح محل کے باہر نکلی گئی اور ذکر باقی کے پاس پہنچ گئی اور ہر قسمت مرانہ  
 لاش ہاتھی پر سے اتاری اور اس کے چھلنی جسم کو لوہے سے دیئے گئے۔ وہ زار و قطار دوڑ رہی تھی اس کا منہ دینے والے ان دونوں نے محل چل کر سپاہیوں سے جھٹ جانا چاہا لیکن سپاہیوں نے انہیں پانی میں ڈھکیں  
 دپٹے اور ہر جوتیوں سے محروم تھے، اس منظر کو میر نے بھی دیکھا اور اس نے چند ملازمین کو آسمان کا ادبب انہوں نے دوبارہ کشتی پر چڑھنے کی کوشش کی تو ان کے سروں اور گدیوں پر ملا بھی کی سڑی  
 رفتار سے لے روانہ کر دیا۔ ان ملازمین نے آئندہ بیگ کو نہایت بے رحمی سے پکڑ کر کھینچ لیا اور مالنگا کر پانی میں ڈھکیں دیا گیا۔ کئی سپاہیوں نے ان کے مصروف جہر جہر ہاتھوں کو کھلائی سے  
 لے داپس لے گئے۔ اس کے بعد آئندہ بیگ اور ہرانت کو جہانگیر نگر (ڈھاکہ) روانہ کر دیا گیا۔  
 میر جعفر نے صوبے دار کے محل میں دو کروڑ ستر لاکھ روپے کیسے کو ادا کئے اس میں سے بار  
 کھائی ہزار کھائی کے حصے میں آئے اور جو بیس پر گوں کی زندگی بھی کینی کوئی دے گئی کھائی کو ان کو معاف نہیں کرے گا اور انتقام تو خود لے لے گا!"  
 یا گری ملی جس کی سالانہ آمدنی آٹھائیس ہزار پونڈ تھی۔  
 کلائیو اور میر جعفر باہر نکلے تو وہاں اسی چنداپنے نوکرانوں کی پلٹنے کے ان کا منتظر نظر آیا۔ کلائیو میں رات گزارتے چلا گیا۔ باہر موٹا دھار بادش ہو رہی تھی، ایک خوفناک کرک کے ساتھ بلی گری آند  
 سے دیکھ کر مسکرایا اور رک لپٹے ایک ساتھی کے کان میں کچھ کہا اور خود میر جعفر کے ساتھ آگے بڑھ گیا کلائیو کو جلا کر غائب ہو گئی اس کے سر میں چھ شگاف ہو گئے اور اس کے سر ہلنے لگی ہوئی تلووار بھی جڈ بیگ  
 کا ساتھی اسی چند کے قریب گیا اور بے غور سے کہا۔ "۱۳ مئی چند! جو عہد نامہ نہیں دکھایا گیا تھا وہ ہے چھلنی ہو گئی۔ جس بیاد پانی پر لٹا تھا وہ بھی جل گئی۔  
 تھا، کھائی تو مجھے مجھے حکم دیا ہے کہ اس قریب سے میں نہیں مطلع کر دوں، تم سے دھوکا کیا گیا تھا اس  
 نہیں کچھ بھی نہیں لے گا!"

اسی چند نے کسی پاگل کی طرح آنکھیں پھاڑ کر اسے دیکھا اور نیم ہوش آواز میں پوچھا۔ "مجھ  
 دھوکا کیا گیا تھا؟"  
 اس نے جواب دیا۔ "ہاں تم سے دھوکا کیا گیا تھا۔ اصل معاہدہ جو سفید کاغذ پر تھا اس  
 بھاد کوئی ذکر نہیں ہے، دوسرا جہاد ہی کاغذ پر تھا اور ہمیں دکھا دیا گیا تھا وہ جعلی تھا" اس میں  
 اسی چند نے ہوش ہو کر گر گیا اور اس کے آدمی اسے پانکھ میں ڈال کر اٹھالے گئے۔ جب  
 میں آیا تو پتہ چلا کہ اس کا دماغی توازن بگڑ چکا ہے، کھائی تو اس سے ملا اور اس نے اس پاگل کو تیرہ تیرا  
 دھوکہ دیا۔ وہ مالہ گیا اور دیوانگی ہی میں جان دے دی۔  
 کچھ عرصے بعد میر نے ہر النسا اور آئندہ بیگ کو جہانگیر نگر (ڈھاکہ) سے مرشد آباد بلایا۔ جسارت  
 اور سواریوں اور ایک جمعہ کے ساتھ ڈھاکہ پہنچا اور انہیں مرشد آباد طلبی کا فرائض سنایا۔ دونوں کو  
 اس وقت میں بھاگ کر مرشد آباد روانہ کر دیا گیا۔ جب کشتی نے دو میل کا فاصلہ طے کیا تو جمعہ کے آسمان  
 نے مزاحمت ترک کر دی اور ڈرتے ہوئے بچو میں کہا۔ "بس کرو! بس اب ہم خود ہی مر جائیں گے؟" اگلے دن  
 مرنے کے بعد اس کی لاش ہاتھی پر ڈال کر مرشد آباد کی سڑکوں پر پھرائی گئی تو سراج الدولہ  
 نے اس انجام پر حیرت زدہ رہ گئے۔ محل کے ایک بھروسے کے یہ عبرتناک منظر سراج الدولہ کی ماں آئندہ کو یاد رہیں!  
 نے بھی دیکھا اور پانچوں کی طرح محل کے باہر نکلی گئی اور ذکر باقی کے پاس پہنچ گئی اور ہر قسمت مرانہ  
 لاش ہاتھی پر سے اتاری اور اس کے چھلنی جسم کو لوہے سے دیئے گئے۔ وہ زار و قطار دوڑ رہی تھی اس کا منہ دینے والے ان دونوں نے محل چل کر سپاہیوں سے جھٹ جانا چاہا لیکن سپاہیوں نے انہیں پانی میں ڈھکیں  
 دپٹے اور ہر جوتیوں سے محروم تھے، اس منظر کو میر نے بھی دیکھا اور اس نے چند ملازمین کو آسمان کا ادبب انہوں نے دوبارہ کشتی پر چڑھنے کی کوشش کی تو ان کے سروں اور گدیوں پر ملا بھی کی سڑی  
 رفتار سے لے روانہ کر دیا۔ ان ملازمین نے آئندہ بیگ کو نہایت بے رحمی سے پکڑ کر کھینچ لیا اور مالنگا کر پانی میں ڈھکیں دیا گیا۔ کئی سپاہیوں نے ان کے مصروف جہر جہر ہاتھوں کو کھلائی سے  
 لے داپس لے گئے۔ اس کے بعد آئندہ بیگ اور ہرانت کو جہانگیر نگر (ڈھاکہ) روانہ کر دیا گیا۔  
 میر جعفر نے صوبے دار کے محل میں دو کروڑ ستر لاکھ روپے کیسے کو ادا کئے اس میں سے بار  
 کھائی ہزار کھائی کے حصے میں آئے اور جو بیس پر گوں کی زندگی بھی کینی کوئی دے گئی کھائی کو ان کو معاف نہیں کرے گا اور انتقام تو خود لے لے گا!"  
 یا گری ملی جس کی سالانہ آمدنی آٹھائیس ہزار پونڈ تھی۔  
 کلائیو اور میر جعفر باہر نکلے تو وہاں اسی چنداپنے نوکرانوں کی پلٹنے کے ان کا منتظر نظر آیا۔ کلائیو میں رات گزارتے چلا گیا۔ باہر موٹا دھار بادش ہو رہی تھی، ایک خوفناک کرک کے ساتھ بلی گری آند  
 سے دیکھ کر مسکرایا اور رک لپٹے ایک ساتھی کے کان میں کچھ کہا اور خود میر جعفر کے ساتھ آگے بڑھ گیا کلائیو کو جلا کر غائب ہو گئی اس کے سر میں چھ شگاف ہو گئے اور اس کے سر ہلنے لگی ہوئی تلووار بھی جڈ بیگ  
 کا ساتھی اسی چند کے قریب گیا اور بے غور سے کہا۔ "۱۳ مئی چند! جو عہد نامہ نہیں دکھایا گیا تھا وہ ہے چھلنی ہو گئی۔ جس بیاد پانی پر لٹا تھا وہ بھی جل گئی۔  
 تھا، کھائی تو مجھے مجھے حکم دیا ہے کہ اس قریب سے میں نہیں مطلع کر دوں، تم سے دھوکا کیا گیا تھا اس  
 نہیں کچھ بھی نہیں لے گا!"



دو مہینوں میں ایک بار انگریزوں نے اسے معزول کر دیا تھا۔ چوتھے سال یہ بوجھ بھاری محفل کے  
 کوٹنے میں یکہ و تنہا ہوا تھا۔ متقی بیگم اور بچہ قریب بھونے کے باوجود اس سے کوسوں دور تھیں۔  
 گاراس کے پاس جاتے ہوئے گھنٹیاں بٹنے، اس کی ناک کان اور انگلیاں گل کر گر چکی تھیں، وہ  
 دن جیٹا سیسک رہا تھا۔ یہاں تک کہ جب اس نے آخری سالوں کی تو اس کے حلق میں پانی کے  
 قطرے ڈالنے والا بھی کوئی نہ تھا۔





تاریخ اسلام کے خاتمہ و جب بر جھانج بن یوسف کی قسمی  
 تصویر۔ اس کا نام خوف اور دہشت کا پیغام تھا، بڑے بڑے  
 سرکشوں اور بہادروں کو لرزہ بر اندام کر دینے والے سفاک مذہب  
 کا جب ایک عورت سے واسطہ پڑا اور یہ پتھر اسیس شینے سے  
 ٹکرایا تو پتھر پاش پاش ہو گیا۔ دہشت، خوف، تجسس اور ڈمان  
 کا ایک خوبصورت ترین امتزاج

دہشت





ہمسائے کو بلا کر گزرے ہوئے تقریباً بارہ سال ہو چکے تھے اس مختصر مدت  
 میں دنیا کے اسلام پر اختلاف اور انتشار کی کئی آندھیاں حملہ آور ہوئیں اور سخت جان  
 اسلام چٹان کی طرح ان کے مقابل ڈٹا رہا۔ کربلا میں حضرت امام حسینؑ خود اپنے  
 اپنے اہل و عیال اور رفیقوں کے خون سے اسلام کی مٹھائی ہوئی جڑوں کی آبیاری کر  
 چکے تھے۔ بنو امیہ کی خوش قسمتی سے انہیں عبدالملک بن مروان جیسا اقبال مند اور  
 صاحب تدبیر خلیفہ میسر آ گیا۔ چاروں طرف خود سری کی ہوائیں چل رہی تھیں جو سردار  
 بھی اپنے آس پاس چند آدمی جمع کر لیتا وہ اس کے خلاف باغیانہ روش اختیار  
 کرتا۔ عبدالملک کی اپنی فوج کا یہ حال تھا کہ جس کا جی چاہتا سفر و حضر میں عبدالملک  
 کا ساتھ دیتا اور جس کا نہ جی چاہتا ساتھ چھوڑ دیتا۔ کوفے اور بصرہ جیسی چھاؤنیوں  
 کے لوگ آرام طلب اور موقع پرست ہو گئے تھے انہیں جنگوں سے زیادہ سازش اور  
 سیاست پسند آنے لگی تھی خلیفہ کے احکام سے روگردانی ان کے لئے نہایت معمولی بات  
 تھی۔ قصہ خلافت سے انہیں حکم ملتا کہ فوج کی اتنی تعداد باغیوں کے مقابلے پر روانہ کر دی  
 جائے لیکن اس حکم کی تعمیل کرانے کی کسی ایک میں بھی ہمت نہ تھی چاروں طرف بد نظمی  
 کا دور دورہ تھا۔

دمشق سے دور مکه میں حضرت ابو بکر صدیقؓ کے نواسے حضرت عبداللہ ابن زبیرؓ  
 اپنی خلافت قائم کر چکے تھے۔ ان کی موجودگی میں عبدالملک کا امیر المومنین بن جانا ناممکن تھا  
 عبدالملک کو ہر وقت یہی دھڑلکار رہتا کہ کہیں اس کے اپنے آدمی عبداللہ ابن زبیرؓ  
 سے نہ جاملیں۔ یہی خدشہ اسے سختی کے بجائے نرمی اور جنگ کے بجائے سازش  
 اور سیاست پر کاربند رکھتا۔

عبدالملک نے کوفے سے بصرہ کی طرف کوچ کیا تو اسے یہ دیکھ کر غصہ آیا



عبدالملک اس عجیب و غریب شخص کی باتوں سے ذرا متاثر ہوا، پوچھا: زیادہ  
معتدی لوگوں کو تیرا دور سرکشی پر مادہ کر دیتی ہے، تیرے پاس اس کا بھی کوئی حل ہے؟  
حجاج نے جواب دیا: سازش، سیاست، تیرا دور سرکشی یہ سارے متعدی امری  
ان پر سختی اور تشدد ہی سے قابو پایا جاسکتا ہے۔

عبدالملک نے اسے اپنی افواج کا افسر اعلا بنا دیا۔  
حجاج نے نظم و نسق کی بجالی اور سیاد میں متعدی پیدا کرنے کے لئے جس نظم و  
نظم سے کام لیا۔ اس کا مشہور جنگل کی آگ کی طرح دور دور پھیلتا چلا گیا۔  
لوگ حجاج کی بابت طرح طرح کی حدیثیں گویا کرتے، وہ چند پر مہربانیاں کر کے  
نہایت کو ظلم و تشدد سے دبائے رکھا اور پھر اکثریت بھی اس کی اطاعت اور فرماں برداری  
ہی میں اپنی عافیت سمجھ کر اطاعت اور وفاداری کا دم بھرنے لگتی۔ اس نے بہت جلد سپاہیوں  
کے دلوں میں اپنا خوف بٹھا دیا۔

سر سبز و شاداب بستان میں تیار کئے ہوئے ابھی چند ہی دن گزرے تھے کہ ایک تجربے  
دار اور عقلمند بوڑھے نے حجاج کو ایک انوکھی تدبیر سے زیر کرنے کی کوشش کی حالانکہ وہ یہ  
کوشش بھی جانتا تھا کہ اگر نشانہ خطا کر گیا تو اس کی موت یقینی ہے۔ اس نے بھڑکے شمالی  
کے ایک نہایت حسین و جمیل دوشیزہ کا ہڑا چرچا سنا تھا، وہ دن کی کوششوں کے بعد وہ اسے  
کھینچنے میں کامیاب ہو گیا، یہ واقعی بہت حسین تھی، اتنی حسین کہ اس بوڑھے نے اپنی ستر سالہ  
نہایت حسین کوئی اور لڑکی نہ دیکھی تھی، دوشیزہ کا نام ہندہ تھا اور اس کے باپ کا نام  
نعمان تھا۔ یہ شخص طائف کا رہنے والا تھا اور یہاں تجارت کر کے گزراؤ قات کر رہا تھا۔  
بوڑھے نے سوچا اگر حجاج بن یوسف کا ہندہ سے سنا منا کر دیا جائے اور سنگدل حجاج اس پر  
عاشق ہو جائے تو اس کی ساری شقاوت اور متعدی ہوا ہو جائے گی۔

بوڑھا ڈرتے ڈرتے خیمے کے گھلے راستے سے اندر داخل ہوا تو حجاج کو مضطرب ٹھہرا ہوا  
پایا، بٹ پاتے ہی حجاج نے گھوم کر دیکھا، اور خونخوار نظروں سے دیکھتا ہوا گرجا: تو کہاں تھا، او  
پروردگار! موت کے جننے؟

بوڑھے کی غیرت جوش کھا گئی ذرا اونچی آوازیں بولا: سردار! انجھ کالی رت دوا  
حجاج کے ہاتھ میں کورا تھا۔ بوڑھے کو کھڑے برساتے شرور گردے بوڑھا اس مصیبت  
کے لئے بالکل تیار نہ تھا۔ اس نے تلوار کئے سننے پر جیسے ہی ہاتھ رکھا حجاج نے اس کا ارادہ بھانپ  
لیا اور بجلی جیسی سرعت سے کام لے کر اپنی تلوار سے اس کا بازو کاٹ دیا بوڑھا چیخ مار کر ڈھیر ہو گیا۔

کہ بہت سے فوجی بدستور کھانے پینے میں مشغول تھے اور ان کے چہروں پر سفر کے خطر  
کی جگہ قیام کے سکون کا قبضہ تھا۔ عبدالملک نے صاحب الشطرانہ شیکہ جنرل یوسف  
روح بن زنباع کو طلب کیا اور اس سے شکایتا مشورے کے طور پر کہا: ابن زنباع  
فوج میں نظم و ضبط ختم ہو چکا ہے میری سمجھ میں نہیں آتا کہ اسے کس طرح بحال کیا جائے  
ابن زنباع نے جواب دیا: "امیر المومنین تشدد ہی اس کا حل ہے!"  
عبدالملک نے اپنی بے بسی کا اظہار کیا، بولا: "ان حالات میں کسکے میں ابن  
خلافت کے دعویدار ہو چکے ہیں اور کوفے کے آس پاس بھی بغاوتیں ہو رہی ہیں کیا ہمارا  
سختی سے یہ سرکشی اور سازشیں نہ اختیار کریں گے؟"

ابن زنباع نے کہا: "امیر المومنین! سختی آپ نہیں کریں گے بلکہ میں آپ  
ایک ایسا آدمی دیتا ہوں جو سب کو سیدھا کر دے گا!"

عبدالملک نے بے چینی سے پوچھا: "وہ کہاں ہے؟"  
ابن زنباع نے جواب دیا: "وہ میرا ماتحت ہے!"  
حکم ہوا: "اسے فوراً حاضر کیا جائے!"

ذرا دیر بعد ابن زنباع نے گندمی مائل گھیری داڑھی، بڑے بڑے کان  
جیسی ناک اور چوڑے چکلے درمیانی قد کے ایک شخص کو عبدالملک کے سامنے لا کھڑا کیا  
اس کے ہاتھ بھی دوسروں سے زیادہ لمبے تھے۔ کھڑے ہونے پر گھٹنوں کے اوپر تک  
پہنچ جاتے تھے، عبدالملک نے پہلی نظر میں ہی یہ محسوس کر لیا کہ یہ کوئی غیر معمولی شخص نہ  
عبدالملک نے پوچھا: "تیرا کیا نام ہے؟"

اس شخص نے جواب دیا: "حجاج ابن یوسف!"  
"تو کس قبیلے سے تعلق رکھتا ہے؟"

اس نے جواب دیا: "بنو ثقیف سے!"  
عبدالملک نے کہا: "اگر ہم تجھے اپنی افواج کا افسر اعلا بنا دیں تو کیا تو اسے نظم و

کا خوگر بنا دے گا؟"

حجاج نے جواب دیا: "امیر المومنین! ماتحت کے سامنے دو باتیں ہوتی ہیں، حکم کی تعمیل  
یا موت، ان دو کے سوا کچھ کسی تیسری بات کا علم نہیں ہے اور اگر میرا کوئی ماتحت حکم  
کی تعمیل نہیں کرتا تو اسے اس بات کا پوری طرح یقین ہوتا ہے کہ اس کی زندگی کے دنوں  
ہو چکے ہیں۔"



حجاج پیچ رہا تھا کیا تو نہیں جانتا کہ اس وقت تو حجاج ثقفی سے باتیں کر رہا ہے  
حکم کی تعمیل یا موت کے اصول پر اپنے ماتحتوں سے تعلقات رکھتا ہے۔  
لوڑھے نے ٹپتے ہوئے کہا: "سردار! تو مجھے ہلاک کر دے مجھے کوئی پروا نہیں ہے۔"

جب حسین ترین خوروں جیسی شکل اور غیر معمولی عقل والی ہندہ کسی اور کے قابو میں چلی  
گی تب میں مجھے یاد آؤں گا!"

حجاج نے کچھ سوچتے ہوئے پوچھا: "کون ہندہ؟ کہاں ہے وہ؟ تو اسے کہا  
جانتا ہے؟"

لوڑھے نے نیم بے ہوشی میں جواب دیا: "اُس اور ہندہ کے کنارے اس پری پیکر  
حورشائل کا مکان ہے۔ مجھے اپنی موت یا زخم کا کوئی ملال نہیں لیکن ملال صرف اتنا ہے  
ہندہ تیرے لائق تھی سردار! منگ تیری لاعلمی کی وجہ سے وہ کسی اور کے تصرف میں  
جائے گی!"

حجاج اس پر جھٹک گیا، بولا: "جو کچھ تو کہنا چاہتا ہے سچ سچ بتا دے!"  
لوڑھے کے کٹے ہوئے بازو سے خون کی دھار کسی سرشور چشمے کی طرح اُبل رہی تھی۔

لوڑھا نیم بے ہوشی کی کیفیت میں مبتلا تھا۔ اس نے اٹک اٹک کر کہا: "اُس اور ہندہ کے  
نعمان تاجر۔ اس کی بیٹی ہندہ۔ نہایت حسین پری صورت! حورسیرت رسا اور طباطبائی  
کی مالک..... پھر بے ہوشی میں لوڑھے کا تخت الشعور بڑبڑایا: "ایک ایسا فقیر  
تیرے سارے کس بل نکال دے گا!"

حجاج نے ساری باتیں ذہن میں محفوظ کر لیں اس کے بعد اس نے ایک باب  
جھٹک کر لوڑھے کی حالت کا جائزہ لیا اور یہ کہتا ہوا اسیدھا ہو گیا: "غالبا اب مجھ  
رہنے کا کوئی حق نہیں! اس کے بعد اس کا تلوار والا ہاتھ ایک بار پھر فضا میں بلند  
اور لوڑھے کی گردن کٹ کر ایک طرف جاگری۔ لوڑھے کا لاشہ پھڑکنے لگا۔

پھر حجاج نے نالی بجائی جس کے جواب میں کئی خدمت گار حاضر ہوئے۔  
حجاج نے انہیں حکم دیا: "اس ملعون کی لاش دجلہ کے حوالے کر دی جا  
غلاموں نے لاش سیٹ لی اور اسے دریا کے دجلہ میں پھینک کر واپس آئے۔

حجاج اپنے خیمے میں در رنگ ہندہ کی بابت سوچنا رہا۔ سینے میں ایک  
بھٹی جل رہی تھی جو اسے ہندہ تک پہنچنے اور اسے دیکھنے پر آمادہ کر رہی تھی۔  
سہ پہر کو اس نے گھوڑا ران تلے دبایا اور نہرا اُس اور ہندہ کے کنارے ہندہ

کی تلاش میں نکل گیا بڑی دشواری سے ہندہ کا گھر ملا اسے یہ مکان بہت پسند آیا  
بنانے والے نے اسے اس طرح بنوایا تھا کہ اس کے بالکل سامنے نہرا اُس اور ہندہ  
رہی تھی اور مکان کا چھتیا نہیں پر جھکا ہوا تھا۔

وہ جس منصب اور مرتبہ کا آدمی تھا۔ اس میں اسے یہ قطعی زیب نہ دیتا تھا  
کہ کسی گنوار کی طرح وہ ہندہ کا دروازہ کھٹکھٹانے لگتا۔ اس نے ترکش سے ایک  
تیر نکال کر مکان میں اُچھال دیا اور پھر ہندہ کا دروازہ کھٹکھٹانے لگا۔ ذرا دیر  
بعد دروازے کی آڑ سے ایک حسین چہرہ نمودار ہوا اور نہایت شیریں آواز کا نول  
میں رس کھولتی دل میں اُترتی چلی گئی: "کون؟ کس سے ملنا ہے؟"

حجاج نے جواب دیا: "میں امیر المومنین عبد الملک بن مروان کی فوج کا ایک  
سپاہی ہوں میرا ایک تیر تمہارے مکان میں کہیں آگرا ہے اگر تم اجازت دو تو  
میں اسے تلاش کر لوں!"

ذہن اور حاضر جواب لڑکی نے برجستہ سوال کیا: "کونسا تیر؟ اگر تیرے چوٹی تیر  
کی نوک میں نیزے جیسی انی لگی ہے تو تو میرے گھر میں داخل ہو کر بشوق اسے تلاش کر  
سکتا ہے لیکن اگر تیرے تیری مراد وہ تیر ہے جس کی نوک پر تیرے ہوس کی انی لگی ہوئی ہے  
تو اندر آنے کی کوئی ضرورت نہیں!"

حجاج اس کی لسانی کا شکار ہو گیا لیکن بگڑ کر بولا: "زیادہ باتیں نہ بنا لڑکی! ہم  
سپاہی شاعری کی زبان میں باتیں نہیں کرتے!"

ہندہ ہٹ گئی اور حجاج اندر داخل ہو گیا، وہ ادھر ادھر گھوم پھر کر اپنا تیر تلاش  
کرنے لگا۔ ہندہ اس کے سامنے کھڑی اس غیر معمولی انسان کو گھورتی رہی حجاج نے  
اسے کئی بار غور سے دیکھا اسے ایسا لگا جیسے بابل و بینو اک اشتار (زہرہ) ہندہ کی  
شکل میں اس کی رنگ دلی کا امتحان لینے کی آسمان سے اُتر آئی ہے خلیج فارس کی راہ سے  
آنے والا ہندوستان کا سُرخ ریشمی کپڑا ہندہ کو میر پہنٹی بنائے ہوئے تھا۔ کنگھی سے بے نیاز  
بڑے بڑے بال پشت پر بکھرے ہوئے تھے اور چہرے کا گلابی رنگ میا کی سُرخ سے کچھ زیادہ  
گہرا ہو گیا تھا۔

حجاج نے سوال کیا: "لڑکی تیر نام کیا ہے؟"  
ہندہ نے ترشی سے جواب دیا: "سپاہی! اپنا کام کر اور گھر کی راہ لے۔"  
حجاج تلملا گیا: "تیرا پ کیا کرتا ہے؟"



ہندہ نے جواب دیا: ”آخر تو یہ ساری باتیں کہیں کر رہا ہے؟ اپنا تیر تلاش کر اور باہر نکل!“

”اوبد زبان لڑکی!“ حجاج غصے میں بولا ”تو نہیں جانتی کہ میں کون ہوں، اگر جانتی تو ایسی باتیں ہرگز نہ کرتی!“

ہندہ نے اس کے غصے کی پروا کئے بغیر غصے میں کہا: ”تو کوئی بھی ہو مجھے اسے کیا۔ ظاہر ہے تو امیر المومنین یا حجاج ابن یوسف کو نہیں ہو سکتا ان دونوں کے سوال کو کوئی بھی ہو، میں کسی سے بھی نہیں ڈرتی!“

حجاج نے اس کے منہ سے اپنا نام سن کر بڑی خوشی محسوس کی۔ پوچھا: ”تو حجاج کو جانتی ہے؟“

”یہ تو چھکڑا سے کون نہیں جانتا۔ طائف کے بنو ثقیف کا شیطان، آج اتنا ہی مشہور ہے جتنا فرشتوں کا معلم الملکوت۔“

حجاج خون کے گھونٹیلی کر رہ گیا۔

اس نے اپنا تیر تلاش کر لیا اور واپس جاتا ہوا بولا: ”لڑکی تو نے یہیں اپنا نام نہیں بتلایا۔ خیر کوئی بات نہیں، لیکن یہ تو بتا کیا ہم کبھی دوبارہ بھی یہاں آسکتے ہیں کوئی ضرورت نہیں“ لڑکی نے جواب دیا: ”مجھے تو تو امیر المومنین کی فوج کا کوئی بھگور معلوم ہوتا ہے۔“

حجاج کو لفظ بھگور سے پر ایسا غصہ چڑھا کہ اگر وہ ضبط و احتیاط سے کام لیتا تو اس وقت ہندہ کے بال اس کے ہاتھ میں نہ ہوتے اور وہ اس کی اتنی پٹائی کرتا کہ وہ بے ہوش ہو جاتی!

حجاج وہاں سے چلا آیا لیکن ہندہ کی صاف گولی اور اس کا بھولا بھالا حسن اپنا کام کر چکا تھا۔

حجاج نے کئی بار یہ کوشش کی کہ ہندہ کو اپنے دل سے نکال دے لیکن ناکام رہا وہ اسے جتنی بھول جانے کی کوشش کرتا۔ ہندہ اتنی ہی شدت سے اسے یاد آتی۔

بصیر میں اپنا دم ختم کر کے عبد الملک واپس جانے والا تھا۔ حجاج کی سمجھ میں نہ آتا تھا کہ وہ ہندہ کے معاملے میں کیا روش اختیار کرے۔ بے بسی



بہانے گھر میں گھس آیا تھا۔ مجھے یہ کوئی اچھا آدمی نہیں لگتا۔

حجاج نے سنی اُن سنی کرتے ہوئے حاکمانہ انداز میں کہا: تم دونوں بھی بد اخلاق ہو، اپنے بہانوں کو کہیں بٹھاتے بھی نہیں، میں یہاں دروازے پر کھڑے کھڑے باتیں کرنے کا بائسل عادی نہیں ہوں!

بوڑھے نے نرمی سے کہا: میں ہندہ کا باپ ہوں تو کون ہے؟

میں نہیں جانتا۔ تو خود کو امیر المومنین کی فوج کا سردار کہتا تو ممکن ہے تو ہی کہہ رہا ہو لیکن یہ تو بتا تو ہم سے آخر چاہتا کیا ہے؟

حجاج نے جواب دیا: پہلے کسی اچھی سی جگہ بٹھا کر بنید وغیرہ سے میری پوری بات تو اضع تو کرو اس کے بعد مطلب کی باتیں بھی ہو جائیں گی!

بوڑھے کو ایسے ڈھیٹ بہانے سے کبھی کاہتے کو واسطہ پڑا ہوگا۔

حجاج کے لب و لہجے سے وہ خوفزدہ ضرور ہوا۔ بولا: بھائی! میں ایک غریب تاجر ہوں اور میرے گھر میں تمہارے شایان شان کوئی جگہ بھی نہیں

لئے بہتر یہی ہے کہ یہیں بات چیت کر کے اپنا راستہ لو اور مجھے زیا

پریشان نہ کرو!

حجاج نے بوڑھے کو اندر کی طرف ڈھکیلتے ہوئے کہا: کیا تیرا دامغ تو خراب

نہیں ہو گیا۔ امیر المومنین کو سپاہیوں کی ضرورت ہے اور تو تاجر بنا بیٹھا ہے

کل صبح ہمارے پاس فوج میں حاضری دینی ہے!

بوڑھے نے مجبور ہو کر حجاج کو ایک پر تکلف کسر میں بٹھایا وہ حجاج کی آخری

بات سے بہت زیادہ خوفزدہ ہو گیا تھا۔ اس کے ضعیف اغصاں سپہ گری کے

متصل نہ ہو سکتے تھے۔ حجاج نے بیٹھتے ہی کہا: میں چاہتا تھا کہ تجھے کام کا آدمی

دوں لیکن تو جوانی اور توانائی کے ساتھ ہی عقل بھی گنوا چکا ہے!

ہندہ اب تک خاموش رہی تھی اس سے اپنے باپ کی بے بسی نہ دیکھی گئی

ذرا سختی سے بولی: تو خود عقل گنوا چکا ہے کہ تجھے یہ بھی نہیں معلوم ایک بوڑھے

بزرگ سے کس طرح کلام کرنا چاہیئے، اگر میرا باپ فوجی خدمات انجام دینے تیرے

فوج میں چلا جائے گا تو یہاں میری دیکھ بھال کون کرے گا؟

حجاج نے پوچھا: تیری ماں کہاں ہے؟

ہندہ نے جواب دیا: اللہ کو پیاری ہو چکی!

بوڑھے نے سہمے لہجے میں کہا: اگر امیر المومنین حکم دیں گے تو میں فوجی خدمات

حجاج نے سخت لہجے میں کہا: امیر المومنین تجھ حقیقتاً جبر سے خود تو باتیں کرنے

پر مجھے انہوں نے یہ خدمت میں سے ہٹا دی ہے جو کہوں گا اس میں زبان تو میری

لیکن فرمان امیر المومنین کا ہو گا!

بوڑھے اب لہجے سے حجاج کی صورت دیکھنے لگا۔

ہندہ نے بے زاری سے کہا: تجھے جو کچھ کہنا ہے فوراً کہہ دے۔ میں کچھ تیرا مطلب

حجاج نے ہندہ کو ڈانٹا: پھر اس کے باپ سے مخاطب ہوا: بوڑھے یہودی!

یہ باتیں ذرا غور سے سن!

بوڑھے کے چہرے کا رنگ متغیر ہو گیا، لفظ یہودی اس کے لئے گالی سے کم نہ تھا۔

حجاج نے شکایتاً کہا: تمہارا مجھے یہودی کہہ کر ذلیل نہ کرو، میں مسلمان ہوں!

حجاج نے کہا: تو تاجر ہے اسی لئے میں نے تجھے یہودی کہا۔ امیر المومنین کو

بدول کی ضرورت ہے اور توجہ دہ سے جان چڑا رہا ہے۔ ٹھیکر جاب میں تیری ساری سستی

بوڑھے کو اس قبیلے انسان سے عاجز آچکا تھا کچھ مجھ میں نہ آتا تھا کہ اس سے

کس طرح چپچپا ٹھکرائے۔

ہندہ دوسرے کسر میں جانے لگی تو حجاج نے اسے روکا۔ بولا: ٹھیکر جاب

بوڑھے نے جواب دیا: ابھی نہیں اس سلسلے میں فکر مند ہو رہا ہوں!

حجاج نے کہا: تو پھر مبارک ہو کہ تیری یہ فکر اب دور ہو جائے گی!

کس طرح؟ بوڑھا حیرت سے اس کی صورت تک رہا تھا۔

مجھے تیری بیٹی پسند آگئی ہے تو اسے میری زوجیت میں دے دے!

ہندہ نے لذت سے منہ بنایا: اٹھ کر دو سسٹے کسر کو طرف جاتی ہوئی

لی: تم سے مقابلے میں اس اورہ کی آغوش زیادہ اچھی ہے خبیث انسان!

حجاج نے بوڑھے سے کہا: مجھے میری بات کا فوراً جواب دے کیونکہ



باہر میرا کھڑا کھڑے کھڑے تھک رہا ہوگا۔

بوڑھے نے جواب دیا: مجھے غور کرنے کا کچھ موقع دوا۔

حجاج کھڑ ہو گیا۔ بولا: میں نے جو کہہ دیا وہی ہوگا۔

وہ دروازے کی طرف بڑھا، باہر نکلنے سے پہلے مڑا، بوڑھا ہاتھ میں مشعل لے

تھے چھ چلا آ رہا تھا۔

حجاج ایک لمحے کے لئے رکا اور متکبرانہ شان سے بولا: اور ہاں اب جب

میں سارا معاملہ طے کر چکا ہوں ضروری سمجھتا ہوں کہ اپنا تعارف بھی کرادوں کل

جب تم فوج میں پہنچنا تو وہاں کسی سے بھی حجاج ابن یوسف ثقفی کا پتہ پوچھ لینا!

بوڑھے کے ہاتھ سے مشعل گر گئی۔

حجاج باہر نکل گیا۔ اس کا ساتھ کھڑے کھڑے پریشان ہو گیا تھا۔ حجاج کے معاملے میں کوئی کس طرح مداخلت کر سکتا ہے!

سایے کو اپنی طرف آتے دیکھ کر وہ پوری طرح حیا و چوہ بند ہو گیا۔ حجاج نے اپنے گھوڑے

کی نظام بکری اور ایک کراس کی پشت پر جا بیٹھا۔ اس کے ساتھ ہی اس کی تقلید کی جانے کے بعد تو ہندہ کو میری امانت سمجھ گیا۔ اور اس کی حفاظت کرے گا تیری یعنی

حجاج اپنے گھوڑے کو بھگتا ہوا ہندہ کے مکان کی طرف لے آیا اور اچھٹی نظروں سے دور کے پیش نظر میں اپنا ایک آدمی بھی ہمیں تھوڑے جا رہا ہوں، وہ مجھے دم بہ دم کی خبریں دیتا

پر نظر ڈالتی وہاں دو سایے اس کی طرف نظر میں جمائے دیکھ رہے تھے اس نے سمجھ لیا کہ وہ گناہگار تو واپس جا اور اپنی خود سر لڑکی کی حفاظت کرتا رہا!

نعمان فوراً واپس چلا گیا۔

عبدالملک کی سواری آگے نکل گئی۔ اور حجاج کے ڈر سے فوج بھی اس کے ساتھ

دوسرے دن عبدالملک نے کوچ کا حکم دیا خیمہ اکھڑنے لگے۔ میدان میں دھماکے کو چمکے لئے تیار ہو گئی۔

فوج کا وہ حصہ جو حجاج ابن یوسف کے محسن اور سابق آقا و روح بن زبناغ

کی ماتحتی میں تھا اب بھی ناو لوش میں لگا ہوا تھا۔ ابن زبناغ کے ماتحت حجاج سے زیادہ

بالکل صبر و تحمل کے بعد ایک سا ہی ہندہ کے باپ کو دونوں شانوں سے پکڑ کر

حجاج کے روبرو پہنچا۔ اب یہاں کا تو تھا اٹھ ہی کچھ اور تھا۔ حجاج بن یوسف شاہانہ

انداز میں گاؤں کے لئے سہارے بیٹھا ہوا تھا۔ ہندہ کا باپ نعمان خوفزدہ تو پہلے

ہی تھا اب کچھ زیادہ دہشت زدہ ہو گیا۔ وہ آتے ہی ادب سے حجاج کے روبرو

کھڑا ہو گیا۔ بولا: جناب! میں عسکری خدمات کے لئے حاضر ہوں میرے لئے کیا حکم ہے

حجاج نے ڈنڈا استنبھالا۔ پوچھا: میری رات والی بات کا کیا جواب لایا؟

بوڑھے نے مایوسی سے کہا: سردار! میں تو تیار تھا۔ لیکن ہندہ تیار نہیں ہوئی

وہ معلوم نہیں کیوں تمہیں بالکل پسند نہیں کرتی!

حجاج نے کہا: اس کی پسند! پھر زور زور سے ہنسنے لگا۔ بولا: پسند اور

پسند کا اختیار تو مجھے ہے اس نا سمجھ بھیر کو کیا پتہ کہ میں کیا ہوں اور وہ کس بلند پایہ

فرد کی بیوی ہنسنے والی ہے!

بوڑھے نعمان نے کہا: میرے لئے کیا حکم ہے؟

حجاج نے جواب دیا: تیرے لئے کوئی حکم نہیں تو ہمارے کام کا نہیں ہے جو شخص

اپنی لڑکی کو قابو میں نہ رکھ سکے وہ خطرناک دشمن کا مقابلہ کرے گا۔ جا اپنے گھر جا

میں سارا معاملہ طے کر چکا ہوں ضروری سمجھتا ہوں کہ اپنا تعارف بھی کرادوں کل

جب تم فوج میں پہنچنا تو وہاں کسی سے بھی حجاج ابن یوسف ثقفی کا پتہ پوچھ لینا!

بوڑھے کے ہاتھ سے مشعل گر گئی۔

حجاج باہر نکل گیا۔ اس کا ساتھ کھڑے کھڑے پریشان ہو گیا تھا۔ حجاج کے معاملے میں کوئی کس طرح مداخلت کر سکتا ہے!

سایے کو اپنی طرف آتے دیکھ کر وہ پوری طرح حیا و چوہ بند ہو گیا۔ حجاج نے اپنے گھوڑے

کی نظام بکری اور ایک کراس کی پشت پر جا بیٹھا۔ اس کے ساتھ ہی اس کی تقلید کی جانے کے بعد تو ہندہ کو میری امانت سمجھ گیا۔ اور اس کی حفاظت کرے گا تیری یعنی

حجاج اپنے گھوڑے کو بھگتا ہوا ہندہ کے مکان کی طرف لے آیا اور اچھٹی نظروں سے دور کے پیش نظر میں اپنا ایک آدمی بھی ہمیں تھوڑے جا رہا ہوں، وہ مجھے دم بہ دم کی خبریں دیتا

پر نظر ڈالتی وہاں دو سایے اس کی طرف نظر میں جمائے دیکھ رہے تھے اس نے سمجھ لیا کہ وہ گناہگار تو واپس جا اور اپنی خود سر لڑکی کی حفاظت کرتا رہا!

نعمان فوراً واپس چلا گیا۔

عبدالملک کی سواری آگے نکل گئی۔ اور حجاج کے ڈر سے فوج بھی اس کے ساتھ

دوسرے دن عبدالملک نے کوچ کا حکم دیا خیمہ اکھڑنے لگے۔ میدان میں دھماکے کو چمکے لئے تیار ہو گئی۔

فوج کا وہ حصہ جو حجاج ابن یوسف کے محسن اور سابق آقا و روح بن زبناغ

کی ماتحتی میں تھا اب بھی ناو لوش میں لگا ہوا تھا۔ ابن زبناغ کے ماتحت حجاج سے زیادہ

بالکل صبر و تحمل کے بعد ایک سا ہی ہندہ کے باپ کو دونوں شانوں سے پکڑ کر

حجاج کے روبرو پہنچا۔ اب یہاں کا تو تھا اٹھ ہی کچھ اور تھا۔ حجاج بن یوسف شاہانہ

انداز میں گاؤں کے لئے سہارے بیٹھا ہوا تھا۔ ہندہ کا باپ نعمان خوفزدہ تو پہلے

ہی تھا اب کچھ زیادہ دہشت زدہ ہو گیا۔ وہ آتے ہی ادب سے حجاج کے روبرو

کھڑا ہو گیا۔ بولا: جناب! میں عسکری خدمات کے لئے حاضر ہوں میرے لئے کیا حکم ہے

حجاج نے ڈنڈا استنبھالا۔ پوچھا: میری رات والی بات کا کیا جواب لایا؟

بوڑھے نے مایوسی سے کہا: سردار! میں تو تیار تھا۔ لیکن ہندہ تیار نہیں ہوئی



ہوئے بہادروں کی ایک جماعت لے کر ابن زبائغ کے مسخوں میں واپس آگیا۔ سامنے ہی ابن زبائغ کا شاندار خیمہ ایستادہ تھا۔ حجاج نے ابن زبائغ کے ایک سپاہی سے پوچھا ”تمہارا سردار کہاں ہے؟“

اس نے ٹھجور کی ٹھیلیاں اگلے اور ٹھجور کی جگالی کرتے ہوئے جواب دیا ”وہ بہادری سردار نہیں بلکہ تیرا بھی ہے۔ تمہیں اس مرتبے تک اسی نے تو پہنچایا ہے زیادہ تر تر کرے گا تو ابھی اس سے تیری شکایت کر کے معزول کرادوں گا!“

حجاج نے اپنے سپاہیوں کو حکم دیا ”ان سب پر تشدد کیا جائے اور جو مزاحمت یا مقابلہ کرے اسے قتل کر دیا جائے“ اس کے بعد وہ چند نوجوانوں کو لے کر ابن زبائغ کے خیمے پر حملہ آور ہو گیا۔ نہایت پر جوش اور بلند آواز میں حکم دیا ”اس خیمے کو لوٹ کر اس سردار کی بیٹی سزا ہے۔ یہی تو ہے وہ شخص جس کے بل بوتے پر اس کے ذلیل آدمی ہماری بیعت کر رہے ہیں اور اسی شخص کی ڈھیل اور سستی کا نتیجہ ہے کہ اس کی ماتحت فوج امیر المومنین کے کوچ فرما جانے کے بعد بھی ڈیرہ ڈالے پڑی ہے!“

شہر و غل کی آواز سن کر ابن زبائغ باہر نکل آیا یہاں اس نے جو منظر دیکھا اس نے ابن زبائغ کے ہوش اٹا دیئے اس کی سپاہ حجاج کے شور و ہشتوں کے ہاتھوں بٹ رہی تھی۔ ان کے خیمے نذر آتش کئے جا رہے تھے اور خود ابن زبائغ کے خیمے کو تباہ و برباد کیا جا رہا تھا۔ ذرا سی دیر میں اس کا سارا سامان لٹ گیا۔ ابن زبائغ کے چند غلام مقابلے میں نکلے لیکن انہیں حملہ آور ہونے یا دفاعی قدم اٹھانے سے پہلے ہی قتل کر دیا گیا۔

ابن زبائغ غصے میں حجاج کی طرف بڑھا اور طیش میں بولا ”افظالم احسان فراموش! یہ تو کیا کر رہا ہے اس کے تبارک بہت بُرے نکلیں گے!“

حجاج ڈنڈا لے کر اس پر حملہ آور ہو گیا اور کئی زوردار ڈنڈے رسید کر دیئے ابن زبائغ بے دم ہو کر گر گیا۔ حجاج نے شیر کی طرح گرج کر کہا ”احسان فراموش تو ہے کہ امیر المومنین کے احسانات کا یوں بدلہ چکا ہے کہ تو اور تیرے آدمی امیر المومنین کی سواکھ کے آس پاس چلنے کے بجائے کاہل بنے نا و نواش میں مشغول ہیں ظالم تو ہے کہ امیر المومنین کی نوازشات اور عنایات کا احسان تک نہیں مانتا اور اپنے ناپاک اور آرام طلب نفس کی ذیل خواہشات پر اس کی اطاعت کو قربان کر دیا ہے!“

اس محاربہ میں کتنے ہی آدمی قتل کر دیئے گئے۔ بہتوں کے ہاتھ پر توڑ دیئے گئے کسی کا سر پھٹ گیا کسی کے کوٹھے کی پڑی ٹوٹ گئی۔ جیسے ہوسے خیموں کی قاتل طاریں بڑا

ایک اور المناک منظر پیش کر رہی تھیں ان خیموں کا لوہا ہوا سامان حجاج کے سپاہی اپنے قابو میں کر چکے تھے۔

ابن زبائغ نے پوچھا ”امیر المومنین کہاں ہیں؟“  
”کیوں ان سے کیا کام آئے گا؟“

ابن زبائغ نے جواب کا انتظار بھی نہ کیا اور ایک گھوڑے کو ران تلے دبا کر

عبدالملک کے پاس روانہ ہو گیا۔  
کافی دیر بعد جب حجاج اپنی اور ابن زبائغ کی زخمی اور تباہ حال سپاہ کے ساتھ عبدالملک کے مستقر میں داخل ہوا تو اس کے ایک فوجی سردار نے اسے مطلع کیا ”آپ کو امیر المومنین یا دفن مار رہے ہیں!“

وہ ڈرنا عبدالملک کے پاس چلا گیا۔ شاہی خیمے کے باہر ابن زبائغ کا چنگاٹا گھوڑا بار بار دم ہلاتا تھا اور جھجھکیاں لے کر پیر پٹک رہا تھا۔ ان جھجھکیوں کا زیادہ زور ایال والے حصے پر محسوس کیا جاسکتا تھا۔

عبدالملک کے ایک خدمت مند نے اسے اند تک پہنچا دیا۔ عبدالملک بہت برسم چھا تھا اور اس کے سامنے زخمی ابن زبائغ گردن جھکے ٹھہرا ہوا تھا۔ اس کا لبادہ لگی جگہ سے پھٹا ہوا تھا اور زمین پر گرے اور گھسنے کے باعث پسینے کی نمی نے مٹی کے ٹانگوں کو بہت گہرا کر دیا تھا۔ لہو لہان پیشانی کا خون رخساروں سے گزر کر داڑھی اور سینے کو تر کرنا ہوا قدموں میں جمع ہو رہا تھا۔

عبدالملک کی قابو نہ نظر میں حجاج کی طرف اٹھیں اور گرجہ آواز گونجی۔ ”اؤ لائدہ عتاب خداوندی! یہ تو نے کیا کیا؟“

حجاج نے معصومیت سے پوچھا ”کیا امیر المومنین؟ میں نے تو حجاج بھی نہیں کیا!“

عبدالملک نے حیرت سے پوچھا ”ابن زبائغ کا یہ حال تو نے نہیں تو کس نے کیا؟“

حجاج نے جواب دیا ”امیر المومنین! ابن زبائغ کی جو درگت بنی ہے خود امیر المومنین کے ہاتھوں بنی ہے!“

اس عجیب و غریب جواب پر عبدالملک اور ابن زبائغ ایک ساتھ چونکے۔

عبدالملک نے کہا ”کیوں تجھ کوٹ بولتا ہے؟“



حجاج نے جواب دیا: "امیر المومنین نے مجھے اپنی افواج کا سردار بنایا ہے مجھے یہ حکم دیا ہے کہ میں اس میں نظم و نسق قائم کروں!" اس کے بعد اس نے

تفصیل عبد الملک کے رویہ رویاں کر دی۔ آخر میں بولا: "ان دلائل اور واقعات کی روشنی میں یہ طے ہو جاتا ہے کہ امیر المومنین کی تائید میں جو اقدام بھی کروں گا وہ خود امیر المومنین کا اقدام ہو گا۔ میں نظم و نسق کی بجائی اور قیام کی خاطر جو تشدد بھی کروں گا وہ امیر المومنین کی جانب سے ہو گا!"

عبد الملک حجاج کے جواب سے بہت خوش ہوا اور ابن زبناغ کا مشاعرہ معنوم چہرہ اور زیادہ شست گیا اور زیادہ اتر گیا۔

عبد الملک نے فکر مند لہجے میں کہا: "لیکن ابن زبناغ کو جو نقصان پہنچا اس کے لئے کیا کیا جائے؟"

حجاج نے جواب دیا: "امیر المومنین کے قبضہ و اختیار میں بہت کچھ ہے ہاتھ خیموں کو جلا کر خاکستر کر سکتا ہے وہ اتنے ہی خیمے انعام میں بخش بھی سکتا ہے جو ہاتھ ابن زبناغ جیسے نافرمان اور جاہل کے خطا کار غلاموں اور سپاہیوں کی نظم و نسق کی بجائی کی خاطر قتل کر سکتا ہے وہ اسے ان سے زیادہ تعداد میں فرما بھی کر سکتا ہے۔"

عبد الملک نے تالی بجائی کی حبشی غلام اور خوبصورت کینیز خیمے میں حاضر ہو گئیں۔

عبد الملک نے حکم دیا: "حاجب! کہو ابن زبناغ کے نقصانات کا جائزہ لے کرے اور نقصانات کا مالی تخمینہ لگا کر اس کی دو گنی رقم دے کر اس فضول مقدمہ کو ختم کرے!"

حبشی غلام فوراً جدھر سے آئے تھے اسی طرف غائب ہو گئے۔

عبد الملک نے ابن زبناغ کو سرزنش کی: "ابن زبناغ! اس بار تو مجھے معاف کیا جا رہا ہے لیکن اگر تو نے یا تیرے آدمیوں نے پھر کبھی اس تساہل اور سستی کا مظاہر کیا تو مجھے یقین ہے کہ بنو ثقیف کا یہ شیطان مجھے ہرگز نہ معاف کرے گا اب میسر ہے اس نزع کا کوئی دوسرا مقدمہ لائے کی ہمت بھی نہ کرنا!"

ابن زبناغ کے واقعے نے حجاج ابن یوسف کی ایک خاص شخصیت عبد الملک کے سامنے عیاں کر دی اس نے حجاج کے مرتبے میں کچھ اور اضافہ کر دیا۔ اور ابن زبناغ

قسمت قدم قدم پر حجاج کا ساتھ دے رہی تھی اور موقع شناس اور زیادہ زیادہ اختیارات اور اقتدار پر بھی قناعت نہ کرنے والا حجاج ہندہ کے معاملے میں بہت پس منہ تھا جس نے ابن زبناغ اور اس کے ماتحتوں کے عبرتناک حشر سے بڑے سرکشوں کو لرزہ بر اندام کر دیا تھا وہ ایک معمولی تاجر کی بیٹی ہندہ کو ذرا ہر غیب نہ کر سکتا تھا۔ وہ فرائض منصبی کی بجائ اور سی کے دوران ہندہ کی تسخیر کی بات ہو سوتھا تھا اس کے لئے بظاہر یہ کام اتنا دشوار نہ تھا۔ وہ چاہتا تو ہندہ کو دوستی آٹھو الیہا لیکن ایسا کرنے میں دو خیال مانع تھے، ایک تو یہ کہ آپستہ آستہ جس اقتدار کو حاصل کرنے کی فکر میں تھا وہ نہیں چاہتا تھا کہ ہندہ جیسا کوئی بولی سا واقعہ سنگ گراں بن کر بیچ میں آگرے دوسرے یہ کہ ہندہ کی محبت نے اس دل گذر کر دیا تھا۔ اور وہ ہندہ کے معاملے میں اسے جبر و زیادتی سے منع کرتا تھا۔

دوسری طرف بصرے میں حجاج کے خوف نے ہندہ کے باپ نعمان کا بڑا برا کر رکھا تھا۔ کئی بار اس کے جی میں آئی کہ وہ بصرہ چھوڑ کر کسی دور دراز علاقے میں چل جائے اور بقیہ زندگی گسائی میں گزار دے لیکن حجاج بن یوسف کا آدمی سایہ طرح اس کے ساتھ لگا ہوا تھا۔

خونزدہ ہندہ بھی تھی لیکن وہ زیادہ پریشان نہیں تھی اسے حجاج پر رہ کر غصہ آتا اور وہ اپنی مجبوری کی حدود میں بھی ایسے ایسے خیالی منصوبے بناتی رہتی کہ اگر انہیں کسی اور پر ظاہر کیا جاتا تو اس کا ہشتے ہشتے برا حال ہو جاتا۔ کبھی سوچتی حجاج سے شادی کر لینی چاہئے۔ اور زہر میں بچھا ہوا خنجر ساتھ رکھ کر پہلی رات کو اس کا قہقہہ باک کر دینا چاہئے لیکن جب اس کے دوسرے پہلو پر غور کرتی تو اپنی ہزیمت کا امکان بھی دکھائی دینے لگتا کیونکہ حجاج جیسا چالاک اور عیار شادی کے بعد ملاقات سے پہلے اس کی تلاشی بھی لے سکتا تھا اور تلاشی کے بعد جب زہر میں بچھا خنجر ٹپکے گا تو یہ ظالم خود اس پر اور اس کے بوڑھے باپ نعمان پر جیسا ظلم ڈھائے گا اس کا بھی اسے خوب اندازہ تھا۔ کبھی سوچتی حجاج کی شکایت لے کر عبد الملک کے پاس پہنچنا چاہئے لیکن اس وقت تک ابن زبناغ



کا واقعہ اتنا مشہور ہو چکا تھا کہ حجاج کے مخالفین عبد الملک سے حجاج کے خلاف انصاف پانے سے مایوس ہو گئے تھے۔ ان مایوسیوں کی تاریک فضا میں امیر کی ایک ایسی شعلہ بھی موجود تھی جو ناقص عقل کے تھک ہار جانے پر عموماً دل کے ایک گوشے سے طلوع ہر طمانیت کا سبب بنتی ہے اور مایوس انسان نا اُمیدی کا بھاری تھکے بآسانی اٹھا لیتا ہے۔ یہ شعلہ اس امید کی تھی جو کسی معجزے یا کرامت کی شکل میں کسی گوشہ کش کے بغیر غیب پیدا ہوتی ہے۔ اس نے بارگاہ ایزدی میں گر کر رور و کر خدا سے حجاج کے ظلم و شقاوت سے نجات کی دعائیں مانگیں اس کی سجدہ گاہ آنسوؤں سے بھیگ جاتی اور بہت سارے آنسو بہا چکے کے بعد جب اس کے دل کا بوجھ ذرا ہلکا ہو جاتا تو وہ یہ خیال کرنے لگتی کہ اس کی دعائیں اب باب اجابت کو پہنچ چکی ہیں اور اب کچھ نہ کچھ غیب سے اس کی اعانت میں ظاہر ہونے والا ہے وہ یہ دعائیں بھی مانگتی کہ خدا حجاج کو کسی مہم پر بھیج دے جو اس سے اسے واپسی نصیب ہو لیکن یہ ساری دعائیں تو ایک طرف رہیں حجاج ترقی کے مدارج طے کرتا ہوا کہیں سے کہیں پہنچ گیا۔

اسی دوران حجاج نے ایک اپنا ہی جیسا سخت مزاج قاصد بصرے بھیجا۔ وہ بڑے نعمان کے نام ایک سخت خط لے کر آیا تھا یہ شخص اس اور ہنر کے کنارے کنارے چل کر ہندہ کے گھر پہنچ گیا حقیقت حال سے آگاہ ہونے پر نعمان نے اس کی شاندار پرزائی کی اس نے حجاج کا خط دیتے ہوئے نعمان کو پیغامِ زبانی درشت لہجے میں سنایا۔

”میکرو لی نعت حجاج نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں تمہیں صاف صاف بتا دوں کہ اگر تم نے ان معاملات کی بھٹک بھی امیر المومنین کے کانوں تک پہنچائی تو وہ نفسِ نفیس تادیب کو تشریف لائیں گے وہ خدا کے قہر کی ایسی تلوار ہیں جس سے دنیا کے کسی گوشے میں بھی پناہ نہیں حجاج کا ہاتھ اتنا دراز ہے کہ وہ ہر کہیں پہنچ سکتا ہے۔“

نعمان نے سردی کی لپکا پاٹ میں حجاج کا زبانی پیغام سنا اور پھر اس کا خط پڑھنے لگا۔ یہ ایک عجیب خط تھا جس سے لکھنے والے کی عجیب و غریب طبیعت کا عجیب سا اندازہ ہوتا تھا۔

قبیلہ بنو ثقیف کے سب سے زیادہ سنوت خو حجاج ابن یوسف کے تھر جیسے دل میں محبت کی خم ریزی کرنے والی حور شامل حسد ہندہ کے قابل احترام باپ نعمان کے نا اُبعد سے آنے کے بعد میں اکثر تم دونوں کی بابت سوچتا رہا ہوں تم ہندہ کے باپ ہو اس لئے مجھ سے بھی اپنے عزت و احترام کا حق رکھتے ہو میں ہندہ کو اپنی دھن بنانے

کا اصل فیصلہ کر چکا ہوں اور چاہتا ہوں کہ میں تمہیں اپنی دامادی کے شرف سے سرفراز کروں وہ دن دور نہیں جب لوگ تمہیں بھی ادب و احترام کی نظر سے دیکھیں اور تم جلد سے بھی گزر لوگ رعبا و احرام تھے تمہارے رویہ و اپنے سر جھکا دیں میں تم پر اپنے الطاف و عنایات کی بارشیں کرنا چاہتا ہوں واللہ تمہارا فرض ہے کہ تم اپنی جی ہندہ کے ساتھ موڈ باز میری طرف بڑھو اور جس عزت و شرف سے میں تمہیں نوازا جاتا ہوں اسے حاصل کرو، آج مملکت اسلامیہ میں امیر المومنین عبد الملک کے بعد مجھ سے بڑا کوئی شخص بھی نہیں تمہیں اللہ نے یہ موقع عطا کیا ہے کہ تم ہندہ کے وسیلے سے مجھ سے بھی برتر حیثیت حاصل کر لو یہ میرا وعدہ ہے کہ اگر تم نے ہندہ کو میری زوجیت میں دے دیا تو میں تمہیں خلافت کی طرف سے کسی بہت بڑی تجارت کا مالک بنا دوں گا۔

لیکن اگر تیرا جواب نفی میں نکلا تو او ذلیل تاجر اور سود و زبان کے بہانے سے زندگی کو ناپنے والے بوڑھے غیث اس سوئے میں تھر سر اسر خسارہ رہے گا تیرے کمزور اور ناتوان ہاتھ ہندہ کی حفاظت نہیں کر سکیں گے اور وہ بجائے خوش قسمت ہوئی کے لونڈی کی حیثیت سے میسر حرم میں آجائے گی۔ تجھے میں اپنے در کی در بانی پر ناپاک کتے کی طرح بٹھائے رکھوں گا۔ اور میسر معمولی خدمت گار اور غلام عقوبت کے فرشتوں کی طرح تیسرے سر پر مسلط رہیں گے اور تجھ مرنے نہیں دیں گے وہ صبح سے شام تک آتے جاتے تیسرے سر پر تھوکتے رہیں گے، سن لے کہ میری بخشش خدا کی بخشش ہے اور میرا قہر خدا کا قہر ہے۔ ان دو میں سے جو تو پسند کرے اس سے محروم نہیں رکھا جائے گا۔

میرا قاصد تجھے ہندہ کے ساتھ لینے آ رہا ہے اب یہ تیسرا اختیار میں ہے کہ چاہا تو حجاج کے خوش قسمت نسبتی باپ کی حیثیت سے میسر پاس آئے یا حقیر و ذلیل لونڈی کے باپ کی حیثیت سے۔

بڑا نعمان لرز گیا اور فوراً ہی دمشق جانے پر رضا مند ہو گیا اس نے حجاج کے قاصد سے کہہ دیا ”میں بخوشی ہندہ کو لے کر حجاج کی خدمت میں حاضر ہونے کو تیار ہوں لیکن مجھے دو دن کا موقع دوا“

قاصد نے ترشی سے پوچھا ”یہ دو دن کی پہلت کیوں؟“

نعمان نے جواب دیا ”جس کا لینا دینا ہے اس سے فراغت حاصل کر لوں اور یہاں کی املاک کو بھی فروخت کر دوں کیونکہ اب میں بصرے میں رہا کر گیا کروں گا!“



قاصد نے دودن کی مہلت بھی دے دی۔

وہ خط لے کر اندر پہنچا اور اسے ہندہ کے ہاتھ میں دے دیا اور اس کے چہرے پر غور کرنے لگا۔

ہندہ خط پڑھنے لگی، وہ جیسے جیسے آگے بڑھی اس کے چہرے کا رنگ بدلتا گیا، تک کہ جب وہ خط کے گز والے حصے پر پہنچی تو اس کے چہرے پر کھینچاؤ پیدا ہو گیا اور غصے چہرہ سرخ ہو گیا۔ خط پڑھ کر ایک طرف پھینک دیا اور پھر تھرائی آواز میں پوچھا: آپ فیصلہ کیا؟

بوڑھا اپنا فیصلہ سناتے گہرا ہاتھ بولا: "جوتو فیصلہ کرے گی وہی میرا بھی فیصلہ ہے۔ ہندہ چپ ہو کر کچھ سوچنے لگی، بوڑھا باپ اُمید کی نظر میں جمائے اسے دیکھتا رہا۔ ہندہ کی آنکھیں بھیک گئیں بولی، اگر میں یہ کہوں کہ میں اس کے حکم کی تعمیل کروں گی تو کیا ہوگا؟"

بوڑھے باپ نے کہا: "پھر وہی ہوگا جس کا اس خبیث نے اپنے خط میں ذکر کیا ہے۔" قاصد کہتا ہے کہ حجاج خدا کے قہر کی ایک ایسی تلوار ہے جس سے دنیا کے کسی گوشے میں پناہ نہیں اس کا ہاتھ اتنا دراز ہے کہ وہ ہر کہیں پہنچ سکتا ہے! ہندہ نے دکھ سے کہا: "عالم ارواح میں تو اس کا ہاتھ نہیں پہنچ سکتا ہم خود کر سکتے ہیں!"

بوڑھا گھبرا گیا، جلدی جلدی بولا: "نہ بٹی ایسی بات سوچنا بھی نہیں اسلام نے حرام قرار دی ہے اور پھر اس سے ہم دونوں کو کیا فائدہ پہنچے گا؟"

ہندہ نے آنکھ ملائے بغیر اٹھتے ہوئے کہا: "باوا جان! آپ تاجر ہیں تجارت کو ہر مسئلے پر سود و زیاں کے حساب سے سوچنے کا عادی بنا دیا ہے، عربوں کی شجاعتانہ غیرت جو صرف بہادری کی صفت ہے ایک تاجر میں کہاں مل سکتی ہے!"

بوڑھا ایک دم منجید ہو گیا، بولا: "تب پھر میں اس خبیث کے قاصد سے یہ کہنے ہوں کہ مجھے اس کی دونوں صورتیں نا منظور ہیں!"

ہندہ دوسرے کمرے میں جاتے جاتے رک گئی لمحے بھر کے لئے باپ سے نظریں ملائی اور پوچھا: آپ کے اس جواب کا انجام کیا ہوگا؟

بوڑھے نے فیصلہ کن لہجے میں کہا: "انجام کچھ بھی نکلے، مجھے اس کی پروا نہیں ہندہ نے دوسرے کمرے کی طرف جاتے ہوئے جواب دیا: اگر مردانہ وار مجھ

مقابلے کی ہمت موجود ہو تو یہ جواب بہت مناسب ہے ورنہ پھر میں اس ملعون کی پہلی بات کو اپنی جانیتے، اسی میں ہماری بھلائی ہے۔ اسی میں ہماری فلاح ہے!"

یہ کہہ کر ہندہ دوسرے کمرے میں چلی گئی نعمان بھی وہیں پہنچ گیا۔ ہندہ کے عاملانہ جواب نے میں ذرا ہمت پیدا کر دی تھی وہاں پہنچ کر وہ کچھ دیر ہندہ کے پیچھے کھڑا رہا۔ ہندہ بستر پر گر کر میری طرف منہ کر کے رو رہی تھی۔

پھر اس نے ہندہ کی سسکیوں کی آواز سنی وہ اس کے تجھ میر کے قریب بیٹھ کر سر پر ہاتھ رکھنے لگا اور پھر یہ دقت تمام کہا: ہندہ میری بیٹی! تجھ پر کوئی جبر نہیں ہے میں نے اس خبیث قاصد سے دودن کی مہلت لے لی ہے ان دو دنوں میں ہم یہ تو کر ہی سکتے ہیں کہ چوری چھپے فرار ہو کر کہیں دور دراز علاقے میں چلے جائیں!"

ہندہ نے رندھی ہوئی آوازیں جواب دیا: "اس ظالم کا ہاتھ واقعی بہت لمبا ہے باوا جان! اس سے کہیں بھی مفر نہیں آپ قاصد سے کہہ دیجئے کہ ہم باعزت طریقے سے اس کے ساتھ جانے پر آمادہ ہیں!"

بوڑھے نے داہنیں کے انداز میں کئی بار اس کی پشت تھپتھپائی اس کے بعد اٹھتا ہوا بولا: "ہندہ! میری بیٹی! خدا تجھے خوش رکھے تو نے میری مشکل آسان کر دی!"

حجاج کا جو آدمی پہلے سے نعمان کی نگرانی پر متعین تھا اس نے حجاج کے قاصد میں چونکا دینے والا تغیر محسوس کیا حجاج کا قاصد دودن تک ہندہ کی جھلک تک نہ دیکھ سکا لیکن اس کی آنکھ جھانک سے یہ مفر و محسوس ہوتا تھا کہ وہ ہندہ کو ایک نظر دیکھنا ضرور چاہتا ہے، دودن بعد اس نے نعمان سے پوچھا: "کیا تم نے اپنا کام ختم کر لیا اور دمشق کی روانگی کے لئے تیار ہو؟"

نعمان نے التجا جت سے جواب دیا: "ایک دن اور مکمل تک میں ضرور روانہ ہو سکوں گا!" قاصد نے فراخ دلی سے ایک دن کی مہلت اور دے دی کہنے لگا: "ایک دن اور سہی میری طبیعت بھی کچھ بھیک نہیں ہے، ہو سکتا ہے مجھے خود بھی چند دن رکنا پڑے!"

نعمان قاصد کی نرمی سے بہت خوش ہوا۔ اور خدا کا شکر ادا کیا۔

بھسکے کے مشرق میں جہاں دجلہ و فرات ایک دوسرے میں مدغم ہو جاتے ہیں، اُبنامی ایک چھوٹا سا آباد اور مستحکم شہر ہے، یہاں سے ایک شاندار نہر نکالی گئی تھی جو بصرے تک چلی گئی تھی اور اس کا نام شہر کے نام پر نہر اُبنامی رکھا گیا تھا۔ اُبلہ سے بصرے تک نہر کے دونوں طرف کنارے کنارے شاندار باغات کا سلسلہ چلا گیا تھا۔ حیدر نے مختلف نوع کے سبز و شاداب درخت عجیب بہار سے سجائے تھے، ان کے نیچے کھجور، پھل، روٹی اور دودھ بیچنے والے اپنی دکانیں



مدنذب نعمان سوچ میں پڑ گیا جب عادت بولا "مجھے سوچنے کے لئے کچھ وقت دو!"

"کتنا وقت؟"

"صرف ایک دن!"

"سوچ لیجئے! قاصد نے کہا: "چھ دن بعد ایک جہاز ساحل مکران جانے والا ہے یہیں اس سے فرار ہو جانا چاہئے، مجھے آپ سے ہمدردی ہے!"

نعمان نے ہوشیاری سے کام لیا بولا "بہتر ہے میں تمہارا ہمیشہ شکر گزار رہوں گا!"

اسی دن سپر کولر بھٹے نعمان کی عدم موجودگی میں تیز طرار قاصد اندر گھس جانے کی ہمت کر بیٹھا۔ ہندہ کے لئے وہ کوئی اجنبی تو تھا نہیں لیکن اس نے قاصد کو ڈانٹ ضرور پڑائی بولی "تم بغیر اجازت اندر کیوں آگے، کیا تم یہ بھول گئے کہ میں ایک ظالم شخص کی مطلوبہ ہوں!!"

قاصد ہنسنے لگا "اب تو کسی بھی ظالم کے حوالے نہ کی جاسکتی، میں نے تیرے باپ سے اس معاملے میں بات چیت کر لی ہے مجھے خوش ہونا چاہیے کہ میں تیرے دو نفری خاندان کا حجات و بندہ ہوں!"

ہندہ نے بدستور ناگوار رویہ برقرار رکھا بولی "اچھا تم اسی وقت باہر واپس جاؤ ورنہ میں تمہیں مار مار کر باہر نکال دوں گی!" یہ کہہ کر وہ بھاگ کر کمرے میں چلی گئی اور وہاں سے ایک ڈرہ نکال لائی۔ قاصد نے بات بگڑنے دیکھی تو چپ چاپ باہر چلا آیا۔

باہر بشیر سے گھور رہا تھا۔ قاصد گھبرا گیا بولا "دوست! میں غلطی سے یہ بھٹھا کر بیٹھا

نعمان مجھے آواز دے کر اندر بلا رہا ہے۔ جب اندر پہنچا تو وہاں نعمان کا کہیں پتہ تک نہ تھا ہندہ کو دیکھتے ہی شرم کر بھاگ آیا۔ آقہ۔ نادانستگی اور غلط فہمی میں کسی خطرناک چوک ہو گئی تھی مجھ سے الہی توبہ! الہی توبہ!"

بشیر نے کوئی جواب نہ دیا جو کچھ ایک کان سے سنا تھا دوسرے سے نکال کر سامنے سے ہٹ گیا۔ لیکن ہندہ کے لیے پناہ مثالی حسن نے قاصد کو دیوانہ بنا دیا۔

مستقبل کے حسین خوابوں نے قاصد کو ریت پر مار مار کر دیا وہ گھوٹے کوراٹوں تلے دبائے بصر کے گلی کوچوں اور بازاروں کی سیر کرتا رہا۔

شام سے ذرا پہلے جب وہ بصر کے قبرستان کے سامنے سے گزر رہا تھا تو اس نے اس جگہ نعمان کو کھڑے دیکھا تو اس کے قریب پہنچ گیا پوچھا "جناب! یہاں کیسے آنا ہوا؟"

لگائے بیٹھے تھے خریداروں کے ہجوم سے کھوے سے کھوا پھلتا تھا ابلہ سے ذرا آگے خلیج فارس ایک دن قاصد علی الصباح اٹھ کر ابلہ جلا گیا اور وہاں سے خلیج فارس کے اس کنارے گیا جہاں سے کشیاں یا پھوٹے چھوٹے بحری جہاز مسافروں کو اس پار یا مکران ساحل تک لے جاتے تھے۔ قاصد ساحل پر بہت ساری تفصیلات حاصل کر کے واپس آگیا۔ اس کی پراسرار حرکات و سکنات نعمان اور حجاج کے نمائندے بشیر کے لئے پرکھ گن تھیں۔

خلیج فارس سے واپس آکر قاصد نے بشیر سے پوچھا "کیا تو نے ہندہ کو دیکھا؟" بشیر نے جواب دیا "ہاں ایک آدھ بار اس کی بھلک دیکھی تو ہے!"

قاصد نے کچھ سوچتے ہوئے پوچھا "کیا یہ واقعی بہت حسین ہے؟"

"ہاں! بشیر نے جواب دیا "حجاج جیسا سنگدل اس پر یوں ہی تو نہیں ہوگا"

قاصد نے کہا "اسے میں بھی دیکھنا چاہتا تھا!"

بشیر نے بے دلی سے جواب دیا "تب پھر ہندہ کے باپ سے بات کرو!"

قاصد نے کہا "مثالی وہ اسے پسند نہ کرے!"

بشیر چپ ہو رہا۔ بشیر قاصد کی نگرانی کرنے لگا۔

رات کو عشا کی نماز کے بعد مسیہ سے واپس آتے ہوئے قاصد نے نعمان سامنے ایک چوٹا دینے والی پیش کش رکھ دی، کہنے لگا "بزرگوار! حجاج ایک نمند ظالم انسان ہے میری ذاتی رائے یہ ہے کہ آپ کی بیٹی ہندہ وہاں خوش نہ رہ سکتی گی! نعمان نے بے بسی سے جواب دیا۔ لیکن حجاج قضاے مبرم ہے اس سے بچھا تو نہیں چھڑایا جاسکتا!"

یہ سچھا چھڑایا جاسکتا ہے! قاصد نے کہا "میسر ذہن میں ایک ایسی تجویز کہ اگر آپ تیار ہو جائیں تو ہم سب حجاج کی ظالم دسترس سے دور ہو سکتے ہیں!"

"وہ کس طرح؟" نعمان نے حیرت سے سوال کیا۔

"پہلے رازداری کا عہدہ کیجئے!"

"تجزیہ نہیں بغیر کس طرح عہدہ کر سکتا ہوں پہلے اپنی تجویز تو بتاؤ!"

قاصد نے سرگوشی میں کہا "میں خلیج فارس تک جا چکا ہوں وہاں میں سوہم ہندہ تک لے جائے والے بحری جہاز مل جائیں گے۔ کیوں نہ ہم تینوں یہاں سے نکل چلیں زندگی کی آخری ساعتوں تک آپ کا ساتھ دینے کو تیار رہوں!"



نعمان نے قاصد کے منصوبے سے بشیر کو مطلع کر دیا، بولا: تم بتاؤ کہ میں ان حالات میں کیا کرنا چاہتا ہوں؟

بشیر نے فکر مندی سے جواب دیا: میں پہلے دن سے اس کی نیت پر شبہ کر رہا ہوں خدا اپنی پناہ میں رکھے، یہ شخص کتنا بے وقوف ہے جو حجاج کی آبرورہا تھو ڈال رہا ہے یہ تو ویسی ہی بات ہو گئی کہ کوئی گیارہ شیر کے شکار پر منہ مار کے شیر کے ہاتھوں جہنم واصل ہو جائے! نعمان نے کہا: میں یہ ساری باتیں تمہارے علم میں اس لئے لے آیا ہوں کہ تم حجاج کی طرف سے یہاں متیقن ہو اگر کوئی ایسی ویسی بات ہو گئی تو اس کے تم بھی ذمے دار ٹھہرے جاؤ گے! بے شک بے شک! بشیر نے گردن ہلائی: لیکن اب آپ کا کیا منصوبہ ہے؟

نعمان نے جواب دیا: ہم دمشق چلنے کو تیار ہیں کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ حجاج کا غنا ہمیں کہیں بھی سکون سے رہنے دے گا!

بشیر کسی خیال سے خوش ہو گیا، بولا: تب میرا ایسا ہو گا کہ آپ دونوں میرے ساتھ دمشق چلیں گے اس طرح قاصد کی خدمت میں انجام دے کر حجاج سے انعام و اکرام کا مستحق ٹھہریں گے! نعمان نے تشویش سے پوچھا: اور یہ قاصد کا کیا ہے گا؟

بشیر نے جواب دیا: میں آج ہی ابلہ کی راہ کی راہ میں کہیں چھپ جاؤں گا اور جب قاصد یہاں واپس آ رہا ہو گا تو میں تجھے سے وار کر کے سے جہنم رسید کر دوں گا! نعمان نے پوچھا: اور حجاج خاموش رہے گا؟

بشیر نے جواب دیا: جب اس کے قوت حجاج کے روبرو بیان ہوں گے تو وہ مجھے اس فعل میں حق بجانب قرار دے گا اور بہت ممکن ہے کہ مجھے انعام و اکرام کا مستحق بھی قرار دیا جائے! نعمان کچھ دیر خاموش رہا۔ پھر اس خاموشی کو خود بشیر نے توڑ دیا بولا: لیکن جناب اس سلسلے میں ذرا آپ کو بھی ساتھ دینا پڑے گا!

نعمان نے پوچھا: وہ کس طرح؟

بشیر نے جواب دیا: قاصد کی ساری بددیانتی اور بے ایمانی کی تفصیل حجاج کے روبرو بیان کرنا پڑے گی!

نعمان نے اپنے سینے پر ہاتھ مار تے ہوئے کہا: میں اس کے لئے ہر طرح تیار ہوں! اس مشورے اور تجویز کے بعد بشیر ابلہ کی راہ پر ہولیا۔ اور ابلہ و بصرہ کے درمیان براہ پائی جانے والی ایک مراے میں فرود کش ہو گیا۔ وہ تیرکان لے کر کسی درخت کی آڑ میں ٹھہرے ہو کر یا بیٹھ کر صبح سے شام تک قاصد کا انتظار کرتا رہا۔ ایک دوپہر کو اس نے

نعمان نے ایک قبر کے قریب کھڑی ہوئی ہندہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا: میں نے لے کر آیا تھا یہ مزار حضرت علیہ السلام کا ہے انہوں نے رسول اللہ کو اپنا دودھ پلایا تھا۔ ہندہ سوچا جب ہم لوگ بصرہ کے کوچھوڑ دیں گے تو یہاں کیوں نہ آخری بار مقدمات متبرکہ کی زیارت کرتے چلیں!

قاصد نے اجازت طلب کی: کیا میں بھی اس مزار تک جاسکتا ہوں؟

نعمان نے جواب دیا: تمہارے منصوبے کا ہندہ کو کوئی علم نہیں ہے اور نہ میں چاہتا ہوں کہ اس کا ہم دونوں کے سوا کسی اور کو قبل از وقت علم ہو، کہیں اپنے قریب دیکھ ہندہ بدگ جائے گی!

ہندہ دونوں ہاتھ پھیلائے فاتحہ پڑھ رہی تھی فاتحہ کے بعد اس نے دعا مانگی: اے میرے مولا! جلیلہ سعیدہ کے طفیل میری گزارش سن لے۔ میں بنو لہب کے شیطان کو ذلیل کرنا چاہتا ہوں اپنے رسول کے طفیل میری مدد فرما!

نعمان نے دور سے آواز دی: بیٹی ہندہ! شام ہو رہی ہے اب گھر واپس چلو! ہندہ نے دونوں ہاتھ جیسے پر پھیر لئے اور چپ چاپ باپ کے ساتھ ہوئی، اپنے قریب قاصد کو دیکھ کر وہ جیسے بیٹھ گیا باپ سے پوچھا: یہ یہاں کیوں آیا؟ باپ نے جواب دیا: بیٹی! یہ ادھر سے گزر رہے تھے ہمیں دیکھ پاس آ گئے۔ ویسے یہ بہت اچھا آدمی ہیں مجھے ان پر بڑا اعتماد ہے!

قاصد نے کہا: میری اچھائی نرائی کا اندازہ یوں کس طرح ہو سکتا ہے، وقت آنے میں اپنے آپ کو خوب اچھی طرح ثابت کر سکوں گا!

پوڑھے نعمان نے گھر آ کر کہا خاموش خاموش شرفاں راہ باتیں نہیں کرتے! گھر پہنچ کر نعمان نے قاصد سے تنہائی میں کہا: جناب مجھے اس بات کا ڈر ہے کہ تمہاری عجلت سارا کھیل بگاڑ دے گی میری بیٹی ہندہ کے مزاج سے کم واقف نہیں ہو، اس سلسلے میں جلد بازی سے مت کام لو ورنہ ٹھٹھا و گے!

قاصد نے معذرت کے انداز میں کہا: مجھے غلطی ہوئی، میں آئندہ احتیاط سے کام لوں گا!

نعمان نے سرگوشی میں کہا: تم ایک بار پھر خلیج فارس کے جنوبی ساحل پر آؤ اور بحری جہاز کی بات لگ کر لو، ایسا نہ ہو کہ عین وقت پر جس دھوکا ہو جائے! قاصد دو سب دن علی الصبح ابلہ کی راہ سے خلیج فارس کے جنوبی ساحل کی طرف روانہ



بشر اس خوشخوار انسان کے ساتھ لرزاں و ترساں اس طرح گھر پہنچا جیسے بکری تصاب

کے ساتھ کیلے پہنچتی ہے۔  
 حجاج فکر مند اور گھبراہٹا ایک تخت پر بیٹھ گیا اور بشیر سے کہنے لگا "ہاں تو تو مجھ  
 کیا کہہ رہا تھا؟" تو نے مجھے جیسی خبریں سنائی ہیں اس کے نتیجے میں تو بشیر کس طرح ہو سکتا  
 ہے بشیر کا مطلب ہے بشارت دینے والا۔ لیکن تو نے ہمیشہ مجھے ایسی خوفناک خبریں  
 سنائی ہیں کہ میں مجھے دیکھ کر خوفزدہ ہونے لگتا ہوں میں کیوں نہ تیرا نام نذر رکھ دوں۔  
 تو نے نہ تو میرے معنی میں ڈرانے والا۔ تو نے اب تک جتنی خدمات انجام دی ہیں ان سے  
 رات ہی کی خبریں ملی ہیں!"

بشر جب حجاب کھڑا اپنی ذات پر کئے جانے والے تمسخر کو بہت سے جھٹلایا۔  
 اچانک حجاج کا لہجہ بہت سخت ہو گیا۔ بولا "تو تو نے بے ایمان قاصد کو کھانے  
 دیا، لیکن تو مجھے کس طرح اس بات کا یقین دلائے گا کہ تو نے مجھ سے جو کچھ کہا۔ اس میں  
 کچھ سچ ہے!"

بشر نے جواب دیا "میں نے جو کچھ عرض کیا، وہ سارا کا سارا سچ ہے افسوس  
 انعمان اور ہندہ یہاں موجود نہیں ہیں ورنہ وہ دونوں میرے ساتھ گواہ ہوتے!"  
 "اچھا سر دست تم مجھے قاصد کی موت اور انعمان اور اس کی بیٹی کے فرار کے  
 بارے میں معمولی سی سزا دیں گے کیونکہ خطا چھوٹی ہو یا بڑی خطا ہی ہوتی ہے!"  
 بشیر کی جان ہی تو نکل گئی، بولا "مجھ ان کی تلاش کے لئے تھوڑا وقت  
 دے گا ہے!"

حجاج نے ہنستے ہوئے جان لیوا آواز میں کہا "خوب! تو اب تو بھی مجھے  
 دھوکا دے کر فرار ہونا چاہتا ہے لیکن ایسا نہیں ہو سکتا!" گھر انہیں میں مجھے  
 بھی وہیں روانہ کرتا ہوں جہاں قاصد تیرے ہاتھوں پہلے ہی پہنچ چکا ہے!"  
 اس کے بعد اس نے ایک سپاہی کو گردن زدنی کا حکم دیا اور پھر بشیر کا  
 منہ تڑپنے لگا۔

اس رات وہ دیر تک ہندہ کو یاد کرتا رہا اور قسم کھائی کہ وہ جب  
 بھی ان دونوں کو یا جائے گا انعمان کو قتل کر دے گا اور ہندہ کو اپنے حرم  
 میں لونڈی بنا کر ڈال لے گا۔



قاصد کو گھوڑا دوڑائے اپنی طرف آتے دیکھا۔ اس نے تیرے میں رکھا اور اس کے حلق کا نشانہ  
 جب وہ بالکل زرد میں آگیا تو بشیر نے تیر چھڑ دیا۔ وہ سنسناتا ہوا قاصد کے حلق میں بیوی سے  
 فضا میں ایک دردناک جھنجھٹ بلند ہوئی اور قاصد تیرا گھوڑا سے نیچے آگیا۔ بشیر دوڑ کر  
 کے قریب پہنچا اور زلمواریاں سے نکال لی۔

بشر اپنا کام ختم کر کے جب بعروہ واپس پہنچا تو یہ جان کر نالائقی میں آگیا کہ انعمان  
 ہندہ اپنا مکان کسی اور کے ہاتھ پر چکر فرار ہو چکے تھے۔ نئے مالک کو کچھ پتہ نہ تھا کہ دونوں  
 کہاں گئے۔

بشر پریشان ادھر ادھر مارا مارا پھرتا رہا اب اسے دمشق جاتے ہوئے ڈنک ہاتھ  
 خیال کر رہا کہ ہو سکتا ہے دونوں خود ہی حجاج کی خدمت میں چلے گئے ہوں بشیر نے بہت سے  
 لیا اور تنہا دمشق روانہ ہو گیا۔

دمشق میں داخل ہوتے ہی وہ سیدھا جامع مسجد پہنچا۔ بیٹھ کر وقت تھا علم  
 امامت کر رہا تھا۔ دو سے مسلمانوں کی طرح اس نے بھی نماز ادا کی۔ نماز کے بعد عبد الملک  
 سے سوال کیا۔ لوگو! عبد اللہ ابن زبیر نے دستور شکنی اختیار کی ہے۔ میں جس طرح ایک نیم  
 دو ٹولہ ابن ایک آسمان پر دو سورج اور ایک ملک میں دو مساوی الاختیار بادشاہ نہیں  
 سکتے اسی طرح ملت اسلام پر دو خلیفہ کس طرح فائز رہیں گے تم میں کون ایسا ہے جو عبد  
 ابن زبیر کو ہماری راہ سے ہٹا دینے کی عظیم الشان خدمت انجام دینے کی ہمت رکھتا ہے؟  
 مجمع اس طرح خاموش رہا گویا کسی سوئے ہوئے آدمی عالم میں حجاج ابن یوسف  
 کھڑا ہوا اور کہنے لگا "امیر المؤمنین! خدا آپ کو اس وقت تک سلامت اور فائز الرام رکھے  
 ایک فتنہ بھی باقی ہے آپ مجھے عبد اللہ ابن زبیر کے مقابلے کے لئے مکر و تدبیر کر دیکھے، میں انہیں  
 کر لوں گا کیونکہ میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ میں نے ابن زبیر کو گرفتار کر کے ان کی کھال کھینچ  
 ہے مجھے یقین ہے کہ میں ابن زبیر کو آپ کی راہ سے ہٹا دوں گا!"

عبد الملک نے اس کی درخواست منظور کر لی اور شامیوں پر مشتمل سپاہ اس کے حوالے  
 کرنے کا فرمان صادر کر دیا۔

مسجد سے نکلے ہوئے بشیر حجاج کے سامنے کھڑا ہو گیا۔ حجاج اسے اچانک اپنے سامنے دیکھ کر  
 سے بولا "تو بصرے سے کب آیا؟" قاصد کہاں ہے؟ کیا ہندہ آگئی؟"

بشر نے وقت ڈرتے ساری تفصیل عرض کر دی حجاج غصے سے کانپنے لگا بولا "یہاں پر  
 گھر چل وہاں تیری روداد سن کر کسی نتیجے پر پہنچنے کی کوشش کی جائے گی۔"



اور دمشق سے چل پڑا۔

اس نے مجھے کا محاصرہ کر لیا اور منجنیقیں نصب کر کے سنگ باری شروع کر دی۔  
حرم پاک جہاں خون خرابہ اور قتل و غارت گری خدا کی طرف سے حرام قرار پاچکے تھے حجاج  
کی بدولت تباہ کاری اور غارت گری کا مرکز بنا ہوا تھا۔ عبداللہ ابن زبیر رضی اللہ عنہ اس کے مقابلے  
سے یوں قاصر رہ گئے کہ ان کے ساتھ تھیں تو بڑا لڑائی لگ گیا تھا۔ محاصرہ تنگ  
تنگ تر ہوتا چلا گیا یہاں تک کہ ابن زبیر رضی اللہ عنہ خانہ کعبہ میں پناہ گزین ہو گئے۔ حجاج نے  
خانہ کعبہ پر بھی سنگ باری شروع کر دی۔ جب فوج والوں نے خدائی قہر و عذاب سے  
ڈر کر منجنیقوں سے ہاتھ کھینچ لیا تو حجاج خود آگے بڑھا اور منجنیقیں چلائے لگا پتھروں  
کی آتش باری نے خانہ کعبہ کے غلاف کو جھلسا دیا اور متبرکات حضرت ابراہیم  
جل گئے۔

سات ماہ سے کچھ زیادہ مدت کے محاصرے کے بعد ابن زبیر رضی اللہ عنہ آخری مقابلے  
کے لئے باہر نکلے۔ انہوں نے اپنی تکر کو ایک روناں سے کس رکھا تھا۔ انہوں نے رجز و  
نعرہ بلند کیا۔ لوگو! مجھے سچا نواں رسول مقبول کے دست راست صدیق رضی اللہ عنہ کا  
لوا سنا! ان کی محبوب بیوی عائشہ رضی اللہ عنہا کا بھائی جاسم بن ابی اسحاق  
پھیرے بھائی تھے اور ہم زلف بھی اور مجھے اس بات کا شرف بھی حاصل ہے کہ میں  
ہجرت کر کے آنے والوں میں پہلا نوموؤد تھا جو مہاجرین میں پیدا ہوا، میری ماں  
اسمارہ نے مجھے حکم دیا ہے کہ اگر میں خود کو حق و صداقت پر سمجھتا ہوں تو اس راہ میں  
اپنی جان دینے سے بھی دریغ نہ کروں۔

اس کے بعد ابن زبیر رضی اللہ عنہ نے اتنا سخت حملہ کیا کہ حجاج کی فوج کو دو رتک دھکیلے  
چلے گئے۔ اس دوران حجاج کے کسی آدمی نے ایک بھاری پتھر ان کے منہ پر پھینک مارا  
کٹپٹی اور سر سے خون کا فوارہ بہہ نکلا، آپ کو چکر آگیا اور چہرہ لہو لہاں ہو گیا۔ آپ نے  
اسی حالت میں خوش و خوش سے ایک شعر رچھا۔  
”ہم ان لوگوں میں سے نہیں ہیں جو ایشیت پر زخم کھاتے ہیں اور اڑیاں ان کے خون  
سے خالی ہو جاتی ہیں بلکہ خون تو ہمارے پیچوں میں گرتا ہے۔“  
شعر رچھتے ہوئے حجاج کی فوج میں گھس گئے۔

اسی عالم میں ایک عورت چینی تھی اور امیر المومنین افسوس امیر المومنین  
ہلاک ہو گئے۔

حجاج بھاگا ہوا اس عورت کے پاس پہنچا، پوچھا: ”مقتول ابن زبیر کھانا کھا رہے ہیں؟“  
عورت نے ان کی لاش کی طرف اشارہ کرتے ہوئے جواب دیا: ”وہ رہے سفید مائل  
کے لباس والے!“

ابن زبیر کی لاش کو دیکھتے ہی حجاج سجدے میں گر گیا۔ اس کے بعد اس نے ابن زبیر رضی اللہ عنہ کا  
رکھ کر قلعہ کی خوشنہری کے ساتھ عبدالملک کو روانہ کر دیا اور دھڑ کو صلیب پر چڑھا دیا تاکہ  
عبدالملک کے مخالفین اس سے عبرت حاصل کریں۔

تین دن گزر چکے تھے حجاج ابن زبیر رضی اللہ عنہ کی مصلوب لاش کے پاس کھڑا لطف اندوز ہو رہا  
تھا کہ ایک تقریباً سو سالہ نابینا عورت ایک بینا عورت کا ہاتھ پکڑے وہاں پہنچی اور عورت سے  
پوچھا: ”ابن زبیر رضی اللہ عنہ کی لاش کہاں ہے؟“

اس عورت نے حجاج کو وہاں کھڑے دیکھا تو سہم گئی۔ منہ سے تو کچھ نہ بولی، نابینا  
عورت کا ایک ہاتھ پکڑ کر مصلوب لاش پر رکھ دیا۔ انہوں نے لاش کے مختلف حصوں کو ٹٹول  
کر دیکھا، تھک چلا اس کا جوڑ جوڑا لگ ہے۔ پھر نابینا عورت نے دریافت کیا: ”کیا یہ سوار ابھی تک  
اپنے گھوڑے سے نہیں اُترے؟“ اس سے کہو جنگ ختم ہو چکی اب تو نیچے آجائے!“

حجاج نے اس عجیب و غریب نابینا عورت کے بارے میں سوال کیا: ”یہ کون ہے؟“  
نابینا عورت نے جواب دیا: ”ابن زبیر رضی اللہ عنہ کی ماں اسماء رسول اللہ رضی اللہ عنہ کی چہیتی  
عائشہ رضی اللہ عنہ کی بڑی بہن اور ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بڑی بیٹی۔“

حجاج خاموش کھڑا انہیں دیکھتا رہا۔ حضرت اسماء نے کہا: ”میرا بیٹا مسکے  
خوالے کیا جائے!“

حجاج نے جواب دیا: ”ایسا نہیں ہو سکتا!“  
حضرت اسماء واپس چلی گئیں۔

حجاج معلوم نہیں کیا کیا سوچتا رہا۔ اس کے بعد اس نے حضرت اسماء کے پاس ایک  
آدمی بھیجا کہ ”جا ان بڑی بی کو بلالائے۔“

لیکن جب حضرت اسماء کو یہ پیغام ملا تو آپ نے جانے سے انکار کر دیا۔

حجاج نے دوبارہ دھمکی آمیز پیغام بھیجا کہ بلایا اگر خیریت چاہتی ہو تو چپ چاپ  
چلی آؤ ورنہ بالوں سے گھسیٹتی لالی جاؤ گی۔“

حضرت اسماء نے جواب دیا: ”میں ہرگز نہ جاؤں گی اس ظالم سے کہو مجھے بالوں  
گھسیٹ کر بلوائے۔“



حجاج نے اپنی فوج میں سے بارہ شہسواروں کا انتخاب کیا اور نہایت اعلا اور رفقا اور نشینوں پر سوار ہو کر کوفہ روانہ ہو گیا۔

مرجہ باریک علمے سے اپنا چہرہ چھپائے اور ترکش اور کمان کو اپنے کاندھے پر لے ہوئے اپنے بارہ شہسواروں کے ساتھ حجاج جب کوفہ میں داخل ہوا تو دن کی طرح چڑھ آیا تھا۔ وہ آندھی طوفان کی طرح اچانک مازل ہوا تھا اس لئے کوفہ کے اس کے اس تقریر سننا واقف تھے وہ کوفہ کی گزند گاہوں سے جامع مسجد کی طرف بھاگ چلا گیا۔ اس کے ساتھی باواز بلند حجاج کو لوگوں سے کہہ رہے تھے "لوگو! مسجد میں جمع ہو جاؤ تاکہ تمہارے سامنے ایک ایسی تقریر کی جائے جس سے تم سب پر ایک زور فیز انکشاف ہو جائے۔"

لوگ انہیں خارجی مبلغ سمجھ بیٹھے تھے ذرا سی دیر میں مسجد میں بہت بڑا ہجوم جمع ہوا لیکن ان میں بہتوں کے ہاتھوں میں پتھر دبے ہوئے تھے اور انہوں نے یہ طے کر لیا تھا کہ اگر کوئی خارجی مبلغ نکلا تو اس پر پتھروں کی بارش کر دی جائے گی، حجاج منبر پر چڑھ گیا۔ اس کے ساتھی اس کے سامنے بیٹھ گئے۔

حجاج نے منبر پر کھڑے ہوتے ہی گرجا رآوازمیں ایک شعر پڑھا۔  
"لوگو! میں وہ آفتاب ہوں جو ظلمت کے پردے کو تار تار کر دیتا ہے میں عنقریب میرے منصب اعلیٰ بلند ترین گھاٹی سے طلوع ہونے والا ہوں اور جب میں اپنا عامہ چہرے لے کر ہٹاؤں گا تو تم سب مجھے اچھی طرح پہچان لو گے۔"

یہ کہتے ہوئے اس نے اپنا عامہ چہرہ سے ہٹا دیا۔ لوگ اسے دیکھ کر سہم گئے۔ حجاج نے ان کی کثرت اور شری ارادوں کی پروا کئے بغیر تقریر شروع کی "اے عراق اور اہل شقاق و نفاق و مراق، مساوی الاخلاق دعوت و نفاق و جنون اور ررے اخلاق والو! امیر المومنین نے تمہاری سرکشیوں کے مقابلے میں اپنے رکش سے تیر نکالے اور انہیں دانتوں سے چاب کر ان کی سختی کا امتحان لیا۔ پھر ان تیروں میں ایک ایسا تیر مل گیا جو سختی میں اپنا ذاتی نہ رکھتا تھا اور یہ تیر ہمیں پیوست ہو جانے کی صلاحیت رکھتا تھا، وہ سخت تیر میں ہوں امیر المومنین نے اس تیر کو تیر جلادیا ہے انہوں نے تمہارے لئے میسرے گلے میں کوڑا اور تلوار ڈال دی مگر کوڑا کہتین کر گیا اور تلوار رہ گئی۔"

اس آخری جواب پر حجاج حضرت اسماعیل کے پاس خود پہنچا اور کہا "او دشمن خدا ابن زبیر رضی اللہ عنہ! میں حجاج تیرے سامنے کھڑا ہوں!" آپ نے کوئی جواب نہ دیا۔

حجاج نے شقاوت سے ہنستے ہوئے پوچھا "تو میں نے دشمن خدا ابن زبیر کے ساتھ کیسا سلوک کیا؟"

حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کی بے لور آنکھیں آنسوؤں سے لبریز ہو گئیں آپ نے جواب دیا "میسرے بیٹے کی دنیا بگاڑ دی اور میرے بیٹے نے تیری عاقبت خراب کر دی" پھر کچھ سکوت اختیار کر کے فرمایا "میں نے رسول اللہ کو یہ فرماتے سنا ہے کہ بنو ثقیف میں ایک جھوٹا ایک ظالم پیدا ہو گا۔ جھوٹے مختار بن ابی عبید ثقیفی کو تو دیکھ چکی ہوں اور ظالم تو ہے حجاج، حضرت اسماء کی دلیری پر دم بخود انہیں دیکھتا رہ گیا پھر ایک عجیب و غریب خواہش کا اظہار کیا۔ بولا "میں چاہتا ہوں کہ تم مجھ سے نکاح کر لو۔"

حضرت اسماء چراغ پا ہو گئیں فرمایا "او ذلیل، عاقبت نااندریش ظالم ایک سو سالہ نابینا کو تو نکاح کا پیغام دے کر اسے ذلیل کرنے کی کوشش کر رہا ہے کیا تو اتنا بھی نہیں جانتا کہ عزت اور ذلت خدا کی طرف سے ہے تیرے ذلیل کرنے سے میں ذلیل نہیں ہو جاؤں گی!"

حجاج نے خلاف امتد زری سے جواب دیا "نہیں میرا ایسا کوئی ارادہ نہیں بلکہ میں رسول اللہ کی ہم زلفی اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی دامادی کا شرف حاصل کرنا چاہتا تھا!"

حجاج نے ابن زبیر کی لاش اُترا کر یہودیوں کے قبرستان میں پھینکوا دی جہاں سے حضرت اسماء نے اٹھوالی اور اپنی نگرانی میں غسل دلو کر تھپتھپ کر فرمائی۔

انہی دنوں بصرے اور کوفہ میں خارجیوں نے ہنگامے شروع کر دیئے اور یہ لوگ عبدالملک کے لئے مصیبت بن گئے۔ ابن زبیر رضی اللہ عنہ کی شہادت سے حجاج کی طرف سے بے فکری ہو گئی تھی اسی دوران حجاج کو عبدالملک کا ایک نیا فرمان موصول ہوا عبدالملک دمشق سے حجاج کو لکھا تھا۔

"حجاج! تم نے اب تک اپنی جن غیر معمولی صلاحیتوں کا مظاہرہ کیا ہے ان کے پیش نظر میں تمہیں عراق کا والی مقرر کر رہا ہوں تم فوراً کوفہ پہنچو اور کوفہ والوں کو ایسا روندو کہ بصرے کے سرکش کمزور چاہن میں تمہیں زری سے بچنے کا حکم دیتا ہوں۔"



لوگ خوف اور دہشت سے حجاج کی تقریر سن رہے تھے اور ان کے حوصلے جواب دے چکے تھے، حجاج نے خونخوار نظروں سے مجمع کا جائزہ لیا اور تقریر دوبارہ شروع کر دی۔ بخدا میں سرگواس کے ٹھکانوں ہی میں دفن کر دیتا ہوں اور جو جیسا کرتا ہے اس کا ویسا ہی بدلہ دیا جاتا ہے۔ میں تم میں بہت سے ایسے سردیکھ رہا ہوں جو پھلوں کی طرح پک چکے ہیں اور انہیں توڑ لینے کا وقت قریب آچکا ہے۔ میں بہت سارے عماموں اور داڑھیوں کو خون سے لالہ کر رہا ہوں۔ اے عراق کے لوگو! تمہیں یہ معلوم ہونا چاہیے کہ مجھے انجیر کی طرح دبایا نہیں جاسکتا۔ غصہ دراز سے فتنہ و فساد تمہارا شیوہ ہو گیا ہے اور بغاوت تمہارا مسلک بن گیا ہے لیکن ایسا نہیں کر سکتے۔ کیونکہ میں تمہیں اس طرح اُدھیر کر رکھ دوں گا جس طرح لکڑی سے اس کی تھال اُتاری جاتی ہے۔ میں تمہیں اس طرح کاٹ کر ڈال دوں گا کہ طرح درخت کاٹ دیا جاتا ہے اور تمہیں اس طرح پٹیوں کا جیسے اجنبی اونٹ بیٹھا جاتا ہے۔ میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ یا تو تم میرے ہاتھوں انصاف قبول کرو اور فتنہ و فساد اور جھوٹ افواہوں سے باز آ جاؤ ورنہ یہ جان لو کہ میرے نزدیک معمولی کاٹ چھانٹ کوئی چیز نہیں۔ میں تلوار سے تمہاری ایسی سی قطع برید کروں گا کہ تمہاری عورتیں بیوہ اور بچے یتیم ہو جائیں گے۔ لوگو! مجھے معلوم ہے کہ تم خارجیوں کے مقابلے میں جہلنے سے جی چراتے ہو اور اس سلسلے جو مہمات امیر المومنین نے روانہ فرمائی ہیں تم میں اکثر وہاں سے بھاگ آئے ہیں۔ تم سے قسم کھا کر کہتا ہوں کہ آج سے تین دن بعد میں جسے یہاں دیکھوں گا اس کی گردن مار دوں گا۔

اسی مجمعے میں نعمان بھی موجود تھا اور اس میں اتنی ہمت نہ تھی کہ وہاں سے چپ چاپ فرار ہو جاتا۔ اس نے لوگوں کے درمیان دیک کر جھینے کی کوشش کی لیکن حجاج کی تیز نظروں نے اسے پہچان لیا۔ اس نے نعمان پر نظریں گاڑتے ہوئے کہا: "اوشتر مرغ کی طرح ریت میں منہ چھپانے والے! اٹھ کر کھڑا ہو جا!" نعمان اٹھ کر کھڑا ہو گیا لیکن اس کی پسٹلیاں جواب دے رہی تھیں جس سے اس کا سارا جسم کپکپا رہا تھا۔

حجاج نے اسے حکم دیا: "یہاں میرے قریب آ جا!" نعمان لوگوں کو ہٹاتا ہوا آہستہ آہستہ حجاج کی طرف بڑھنے لگا۔ حجاج نے لوگوں کو اپنے گھروں کو واپس جانے کی اجازت دے

دی اور خود منبر سے نیچے آ گیا۔ پھر اپنے بارہ شہسواروں کے ساتھ لے کر والی کوفہ کے محل کی طرف روانہ ہو گیا۔

نعمان کو اپنے انجام کا علم تھا۔ زندگی سے مایوس ہو جانے کے بعد اس نے حق گوئی اختیار کی۔

حجاج نے اس کی کمر کئی کوڑے رسید کئے، بولا: "کیا میرے قاصد نے تجھے یہ نہیں بتا دیا تھا کہ میری تلوار سے تجھے کہیں بھی پناہ نہ مل سکے گی اور یہ کہ میرے ہاتھ اتنے لمبے ہیں کہ یہ ہر کہیں پہنچ سکتے ہیں!"

نعمان نے جواب دیا: "حجاج! میں تم سے جھوٹ نہیں بولنا چاہتا کیونکہ کذب گوئی کے بعد موت مومن کے لئے اچھا انجام نہیں ہے۔ میں تیرے قاصد کے ساتھ دمشق جانے پر تیار ہو گیا تھا لیکن اس کی بدلی ہوئی نیت دیکھ کر میں نے یہ سوچا کہ پہلے تمہارے بد بخت اور بد دیانت قاصد سے پیچھا چھڑاؤں اس کے بعد کوئی قدم اٹھاؤں چنانچہ میں نے تمہارے نمائندے بشر کے ذریعے اس کا کام تمام کرادیا۔ پھر اچانک بشر کی عدم موجودگی میں شیطان نے مجھے ورغلا یا اور میں ہندہ کو لے کر کوفہ چلا آیا۔ یہاں میں اس لئے آیا تھا کہ میرے خیال میں یہاں کے لوگ ایسے کرکش تھے جن پر تمہارا قابو مشکل ہی سے چل سکتا!" پھر مایوسی سے گردن جھکالی اور کہنے لگا: "لیکن تمہارے زور و خطابت اور ڈراوے نے ان سرکشوں کو بھی خوفزدہ کر دیا اور یہ میری بد قسمتی کو اس ہجوم میں میں بھی موجود تھا جس سے تم خطاب کر رہے تھے اور تم نے مجھے پہچان لیا! حجاج نے کئی کوڑے اور رسید کر دیے اور پوچھا: "اب تیرا کیا ارادہ ہے؟" نعمان نے درد سے کراہتے ہوئے جواب دیا: "میں اپنی بیٹی ہندہ کو عزت و آبرو کے ساتھ تمہارے حوالے کرنا چاہتا ہوں!"

حجاج نے سختی سے کہا: "عزت آبرو سے حوالے کرنے کا وقت گزر چکا!" نعمان نے جواب دیا: "حجاج! جو شخص زندگی کا خیال دل سے نکال چکا ہو اسے کوئی چیز بھی نہیں ڈرا سکتی!"

حجاج نے پوچھا: "تو کیا چاہتا ہے؟" نعمان نے دلیری سے جواب دیا: "وہی جس کا میں ابھی ذکر چکا ہوں!"



حجاج نے خلاف توقع نری سے کہا: ”مجھے تیری صاف گوئی پسند آئی، ورنہ میسر پاس تیسکے لئے موت کے سوا کوئی علاج نہ تھا۔“ میں تیری بیٹی ہندہ کو دولہا کے درم ہر کے عوض اپنی زوجیت میں لانا چاہتا ہوں اس کی یہ بہت بڑی قیمت ہے جو میں ادا کر سکتا ہوں!“

نہان اس کی صورت دیکھتا رہا۔ حجاج نے مزید کہا: ”میسر پاس زیادہ وقت نہیں ہے، دو دن کے اندر ہندہ کو میری دھن بن جانا چاہئے، اگر تو نے اس بار جالا کی سے کام لیا اور فرار ہو جانے کی کوشش کی تو اس کے نتائج بہت عبرت ناک نکلیں گے!“

نہان شادی کر دینے پر آمادہ ہو گیا۔ اور دو سو ستر دن نظر اور عمر کے درمیان ہندہ حجاج سے وابستہ کر دی گئی۔ شادی کے بعد حجاج ہندہ کے پاس فوراً نہ پہنچ سکا، وہ خلافت کے امور میں نصف رات تک الجھا رہا۔ سوگوار اور افسردہ ہندہ دھن بنی اس کا انتظار کرتی رہی اس دوران اسے وہ ساری باتیں یاد آتی رہیں جو اس نے حجاج سے بچنے کے لئے مختلف مقامات متحرکہ اور بارگاہ ایزدی میں دعاؤں کی شکل میں گزاری تھیں اور اب ان کی بے اثری کا عبرت ناک مرقع بنی بیٹھی تھی۔

لطف شب کے بعد خواب گاہ کا دروازہ کھلا اور حجاج اندر داخل ہوا کینیزیں ادھر ادھر ہو گئیں۔

حجاج ہندہ کے قریب جا کر کھڑا ہو گیا۔ ہندہ سر جھکائے بیٹھی رہی حجاج نے کسی کینز کو آواز دی لیکن جب وہ حاضر ہوئی تو حجاج نے اسے ڈانٹ کر بھگادیا۔ ہندہ اس کی اس عجیب و غریب حرکت پر حیران ہو رہی تھی۔

حجاج نے ایک بیک کرخت لہجے میں ہندہ کو مخاطب کیا: ”بے وقوف لڑکی! کیا تجھے ابھی تک میری آمد اور موجودگی کا علم نہیں ہوا؟“

ہندہ نے فرمائی آواز میں جواب دیا: ”ہوا کیوں نہیں جب آپ کے آتے ہی کینزیں میسر پاس سے کھسکنے لگی تھیں اسی وقت مجھے آپ کی آمد کا علم ہو گیا تھا!“

حجاج نے اپنی ران پر زور سے ہاتھ مارا، غصے میں بولا: ”پھر بھی تو مجھے نظر انداز کر رہی ہے مجھے میسر احترام میں کھڑا ہو جانا چاہئے تھا۔ کیا تیرے باپ نے مجھے آدابِ نشست و برخاست نہیں سکھائے؟“

ہندہ نے پورے اعتماد سے جواب دیا: ”میرا باپ میری ماں کی

عزت کرتا تھا۔ اسی لئے اس کا یہ خیال تھا کہ تو بھی میری عزت کرے گا۔ یہ کیا معلوم تھا کہ میں حجاج کی زوجیت کے بجائے ملازمت میں جا رہی ہوں اور ابھی تھوڑی دیر پہلے تیری آمد سے پیشتر مجھے خود بھی اس کا کوئی علم نہ تھا۔“

حجاج اس کے قریب پہنچ گیا اور کہنے لگا: ”تو ذہین اور حاضر جواب بھی ہے، خوب!“

پھر بول چھا: ”ہندہ! سچ بتا کیا تو واقعی یہ سمجھتی تھی کہ میں تجھ پر عاشق ہو گیا ہوں؟“

ہندہ نے جواب دیا: ”نہیں میرا ایسا کوئی خیال نہ تھا!“

”تو جھوٹ بولتی ہے!“ حجاج ڈانٹنے کے انداز میں بولا: ”تو اور تیرا باپ دونوں ہی سچے سمجھے تھے، لیکن ذرا سوچ تو سہی میں تجھے کیوں چاہوں گا؟ اس لئے کہ تو خوبصورت ہے یا اس لئے کہ تو ذہین اور حاضر جواب بھی ہے، نہیں ایسی کوئی بات نہیں میری نظر میں تیری حیثیت اُس اونٹنی جیسی ہے جس کے عوض میں دوسری اونٹنی پر بھی گزار کر سکتا ہوں اگر تو میسر دل میں ہوتی تو میں اُس دل کو اپنے سینے سے نکال باہر کرتا۔ بھلا میں حجاج، یوسف یحییٰ کا بیٹا کس طرح کسی کا پابند اور مجبور بن کر رہ سکتا ہے۔ میں نے تجھ سے اس لئے شادی کی ہے کہ اس طرح میں تیری اور تیسرے باپ کی انا کو چھٹا چور کرنا چاہتا تھا۔ میں نے تجھے دولہا کے درم حق ہر کے عوض خریدا ہے تو میری کینزیں ہے ایکساعلا درجے کی کینزیں!“

حجاج سے وہ نفرت تو پہلے ہی کرتی تھی لیکن اب ان باتوں سے اور زیادہ بڑھ گئی وہ اپنی بدقسمتی پر افسوس ہانپنے لگی، حجاج نے اس کی آنکھوں میں آنسو جوڑ دیے تو پیچھے ہٹ کر بولا: ”تو رو کیوں رہی ہے؟ کیا یہ خوشی کے آنسو ہیں کہ قسمت نے تجھے والی عداوتی حجاج ابن یوسف کی بیوی بنا دیا ہے یا اس کا کوئی اور سبب ہے؟“

ہندہ نے جواب دیا: ”یہ آنسو خوشی کے نہیں کرب کے ہیں یہ رات جس میں ہر دونوں یک جا ہوئے ہیں، بجائے خوش قسمتی کے بدقسمتی کی رات ثابت ہو رہی ہے اور مجھے یہ احساس پریشان کر رہا ہے کہ میں جس شخص کے حوالے کر دی گئی ہوں اسے انسانی معیار کا کوئی علم نہیں، وہ بے حس تنگ دل اور ظالم ہے، مجھے اس کی کوئی پروا نہیں اگر میں اپنی صاف گوئی کے جرم میں قتل کر دی جاؤں!“

حجاج نے ہنستے ہوئے کہا: ”میں تجھے قتل نہیں کروں گا نہ طلاق دوں گا، لیکن تجھے یہ ضرور چاہتا ہوں گا کہ میسر دل کو ایک لڑکی میں کسکتی میں پھر بھی کہوں گا کہ دنیا کی ہر شے طالع ہے میں نے تجھے دولہا کے درم کی



طاقت سے حاصل کر لیا ہے میں دُنیا کی ہر چیز طاقت سے زیر کر سکتا ہوں!“  
ہندہ نے کہا: ”کیا تو نے دولاکھ درم مجھے ادا کر دیئے؟“  
حجاج نے جواب دیا: ”یہ قیمت ابھی نہیں فصیح معاہدہ کے وقت ادا کی جائے گی جس کا بھی کوئی ارادہ نہیں!“  
ہندہ نے بے بسی سے جھنجھلا کر کہا: ”خدا ہماری مشکل آسان کرے!“  
حجاج نے ہنس کر آئین کہا: ”اور ہند کا باپ تھ پکڑ لیا۔“

خلوت سے نکلے ہی اس کے آدمیوں نے بتایا کہ کوفہ کے بعض لوگ ابھی تک اس کے حکم کی تعمیل نہیں کر رہے ہیں اس نے تکبیریں دلو کر لوگوں کو اکٹھا کیا اور انہیں مخاطب کرتے ہوئے کہا: ”لوگو! کیا بات ہے؟ کیا تم پر میری گذشتہ دھمکی کوئی اثر نہ ہوا۔ اسے بے وقوف لونڈی جنوا اور سیوہ اور لاوارث ماؤں کے بیٹوں کی طرح اپنے عزیزانک انجام سے ذرا بھی خوفزدہ نہیں میرا سکوت اور تمہاری سرکشی یہ دونوں ایسے غبار ہیں جن کے پردے سے سخت اور تیز آندھی آنے والی ہے۔ میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ عنقریب میں تمہیں ایسی سخت مرادوں کا جو تمہارے لئے عذاب اور آئے والی نسلوں کے لئے عبرت ثابت ہوگی۔ کیا وہ جب تک کہ تم میں اب بھی ایسے لوگ موجود ہیں جو ابھی تک خوارج سے جنگ کرنے کو فحش سے باہر نہیں نکلے!“

تقریر کے بعد عیمر بن ضبابی نامی ایک نر سیدہ شخص کھڑا ہوا اور حجاج سے کہا: ”خدا امیر کے کاموں کی ہمیشہ صلاح کرتا رہے، میں اس مہم میں شریک تھا جو کوفہ سے باہر خراجوں سے لڑی جا رہی ہے لیکن میں بیمار اور بوڑھا انسان ہوں“ پھر ایک جوان کو آگے بڑھاتے ہوئے کہا: ”یہ میرا بیٹا ہے میں چاہتا ہوں کہ میرے بدلے اسے مہم پر روانہ کر دیا جائے!“  
حجاج نے پوچھا: ”تو کون ہے؟“

عیمر نے جواب دیا: ”میرا نام عیمر ہے اور میں بنو تمیم سے تعلق رکھتا ہوں!“  
حجاج نے درشتگی سے پوچھا: ”کیا تو نے میری پہلی تقریر نہیں سنی تھی؟“  
”سنی تھی“ عیمر نے جواب دیا۔  
کسی شخص نے حجاج کے کان میں کہا: ”حضور! یہ وہی عیمر بن ضبابی

ہے جس نے امیر المومنین حضرت عثمانؓ کے قتل میں حصہ لیا تھا۔“  
حجاج نے عیمر سے پوچھا: ”کیا واقعی تو وہی شخص ہے جس نے حضرت عثمانؓ کو لاکھکان پر جلا کیا تھا؟“  
عیمر نے جواب دیا: ”بے شک میں وہی شخص ہوں!“  
حجاج نے پوچھا: ”تو نے ایسا کیوں کیا تھا؟“  
عیمر نے جواب دیا: ”عثمانؓ نے مجھے ساتھ زیادتی کی تھی انہوں نے میرے باپ کو قید خانے میں ڈال دیا تھا!“  
حجاج نے ایک شعر پڑھا۔

”میں نے ارادہ کیا مگر اسے عملی جامہ نہیں پہنا سکا، میں اس فعل کو کر گزرنے والا تھا۔ کاش میں عثمانؓ رضہ کو ایسی حالت میں چھوڑتا کہ ان کی بیویاں ان پر لوجہ لاری ہی ہوتیں!“

یہ شعر پڑھ کر حجاج نے پوچھا: ”کیا یہ تیرا شعر ہے؟“  
”ہاں!“ عیمر نے جواب دیا۔  
حجاج نے کہا: ”پھر کیا وجہ ہے کہ میں تجھ سے حضرت عثمانؓ رضہ کا بدلہ نہ لوں؟“

عیمر نے ابھی کچھ کہنے کو زبان ہی کھولی تھی کہ حجاج کے حکم سے عیمر کا مال اسباب لوٹ لیا گیا اور حجاج کے اشارے پر عیمر ضبابی کو قتل کر دیا گیا۔  
ہندہ روز اس قسم کے واقعات دیکھتے دیکھتے تنگ آگئی تھی۔ وہ ہر وقت کڑھتی رہتی کہ قسمت نے اسے کس ظالم سے وابستہ کر دیا ہے۔ حجاج بھی وقتاً فوقتاً اسے شرمندہ دلائل کرتا رہا اس طرح وہ ہندہ سے انتقام لے رہا تھا۔ ہندہ کے آس پاس کنیزوں کا ہجوم رہتا۔ دولت کی کوئی کمی نہ تھی لیکن حجاج کا اہانت آمیز رویہ اسے ذہنی اذیت میں مبتلا رکھتا۔

وہ اب بھی کوفہ کے مقدس مقامات کی زیارت کرتی اور وہاں حجاج سے رہائی کی دعائیں مانگتی رہتی۔ حجاج نے اس کے باپ کو زکات کی وصولیائی اور بیت المال میں داخل کرنے کی خدمت پر لگا دیا تھا۔ اس منصب دار کو مصدق کہتے تھے، حجاج اس سے بہت کم لوٹتا تھا۔  
کوفہ کا انتظام کر کے وہ بصرہ جانے والا تھا کہ نعمان کو بلایا اور



کہا: بڑے میاں! سنتا ہوں تم اپنے فرائض نخت اور دیانت سے نہیں انجانے دے رہے ہو!۔

نعمان زرد پڑ گیا۔ پوچھا: یہ تمہیں کس طرح معلوم ہوا کہ میں اپنے فرائض نخت اور دیانت سے نہیں انجام دے رہا ہوں!۔

حجاج ایک دم بگڑ گیا۔ بولا: بے وقوف بوڑھے! یہ تو مجھ سے سو کر رہا ہے کہ مجھ سے ایسا کس نے کہا۔ مجھ سے کسی نے بھی کہا اس سے مجھ کو کیا سروکار سن میں جب بھسکے سے واپس آؤں تو مجھے اپنا خزانہ لبریز نظر آئے۔ نعمان نے جواب نہ دیا۔

حجاج اندر ہندہ کے پاس پہنچا، کہنے لگا: تیرا باپ میری عزت کرتا میسر مجھے وہ معلوم نہیں کیا اگر گزرتے اس لئے تو اپنے باپ کی دقت بن، اگر اس سے کسی قسم کی بھول چوک ہوئی تو اس کی ذمہ داری تو ٹھیکر جائے گی!۔

ہندہ نے جواب دیا: میں اپنے باپ کی ذمہ داری کس طرح بن سکتی ہوں جس طرح میں بنا رہا ہوں اس طرح اور کس طرح؟۔

ہندہ نے کہا: میرا باپ بہت ایماندار ہے تمہیں ہرگز یہ زیب نہیں آئے کہ تم اس پر غلط قسم کے الزامات لگاتو۔

حجاج نے اسے بھی ڈانٹا، بولا: واللہ میں ٹیڑھوں کو سیکھنے کی طرح بنا کر دیتا ہوں، میں بھسکے سے واپس آکر باتیں کروں گا!۔ وہ بھسکے چلا گیا۔

جب بھسکے سے واپس آیا تو کوئی خوبصورت کینز اس کے ساتھ تھیں وہ پر بہت ہریان تھا اس نے ہندہ کے سامنے ان سے محبت اور لگاؤ کا سلوک کیا۔ ہندہ کی محسولیاں میں اسے جو ذرا زحمت پیش آئی تھی اس طرح وہ اس کا انتہا لے رہا تھا۔ حجاج کی ذہنی کیفیت پر عجیب ہی تھی جس شے کو اس نے ذرا دشواری سے حاصل کیا تھا اب اسے پا کر اس کی قدر و قیمت بھلا بیٹھا تھا۔ اب ہر ایسے اقدام پر رائل تھا جس سے ہندہ کو ذہنی اذیت پہنچ سکتی تھی لیکن ہندہ نے ضبط و تحمل کا عظیم الشان مظاہرہ کیا، وہ حجاج کے ہر حملے کو سکون

اور وائی سے چھیل کر بے اثر کر دیتی جس سے حجاج کے جذبہ انتقام میں اور زیادہ شدت پیدا ہو جاتی اور وہ ہندہ کو تھانے کے منتہی طریقے سوچنے لگتا۔

حجاج ہندہ کے سامنے اسے نظر انداز کر کے کسی خاص کینز میں دلچسپی لیتا اور جب ہندہ اٹھ کر جانے لگتی تو وہ اسے جگہ روک لیتا۔ وہ ہندہ کے بوڑھے باپ سے ایسی مشقت کرتا کہ نعمان کا کمزور جسم اس کا تحمل نہ ہو سکتا لیکن حجاج ذرا بھی نہ پسینا بلکہ اٹے شرمندہ اور ذلیل کرنے کی کوشش کرتا۔ اس نے نعمان سے سختی کے ساتھ زکات کا حساب طلب کیا اور یہ دیانت دار انسان اس پر پورا اترتا۔ اس نے نعمان کو کئی بار حساب کتاب کے ساتھ دمشق بھیجا اور اس جہان لیوا سفر میں ہر بار بوڑھا نعمان بے حال ہو گیا۔ ہندہ یہ سب خبر و شکر سے برداشت کرتی رہی اس کے دل میں معلوم نہیں کون بیٹھا یہ کہہ رہا تھا کہ یہ ساری مصیبتیں ہنسی خوشی چھیلنے صبر کبھی رائیگاں نہیں جاتا کیونکہ خدا صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

خارجی سردار شیب اسے کئی سال سے تنگ کر رہا تھا اور کئی معرکوں میں حجاج کی افواج کو شکست دے چکا تھا اور اس کے نامی گرامی سپہ سالار کام آچکے تھے، لیکن ایک دن دوپہر کے بعد ایک فوجی دستہ شیب کی لاش خنجر پر لا دے ہوئے اس کے محل کے بڑے پھاٹک پر حاضر ہوا۔ حجاج کے لئے یہ اتنی بڑی خبر تھی کہ ابن زبیر رضی اللہ عنہ کے بعد اہمیت اور مسرت کے اعتبار سے کوئی دوسرا خبر اس کا مقابلہ نہ کر سکتی تھی۔

اس نے ہندہ نعمان اور دوسرے بہت سارے آدمیوں کو اس لاش کے گرد کھڑا کر دیا۔ لاش سے بدبو آنے لگی تھی اس نے نعمان کو حکم دیا: آگے بڑھ اور شیب کا پیٹ چاک کر!۔

نعمان کو تامل ہوا۔ حجاج نے سختی سے دوبارہ حکم دیا: حکم کی تعمیل کر ورنہ میں تیرا پیٹ چاک کر دوں گا۔ یہ کہتے ہوئے اس نے خنجر نعمان کی طرف اس طرح پھینکا کہ اگر وہ ٹھوکتی سے پڑ نہ جائے تو اس کے سینے میں پوسٹ ہو جاتا۔ نعمان نے خنجر اٹھالیا اور بجبر و کراہ شیب کی لاش کے پاس کھڑا ہو گیا۔ حجاج چیخا: حکم بجالانے میں عجلت سے کام لے، ورنہ خود مرنے کے لئے تیار ہو جا!۔



نعمان بھولا ناک سیکڑتا ہوا لاش پر جھکا اور خنجر سے اس کا پیٹ چاک کر دیا۔  
 حجاج نے پڑسرت آواز میں کہا: ”خوب اچھی طرح چیر دے مجھے اس کا دل  
 درکار ہے!“

نعمان نے پسلیوں میں بھی شگاف ڈال دیا۔  
 حجاج دیوانہ وار آگے بڑھا اور نعمان کے ہاتھ سے خنجر چھین لیا۔ نعمان خوفزدہ  
 ہو کر پیچھے ہٹا۔ ہندہ کو خورشہد ہوا کہ حجاج شاید اس کے بوڑھے باپ کو قتل کر دینا  
 چاہتا ہے۔ دوڑ کر باپ کے درمیان آگئی لیکن حجاج ان باتوں سے بے خبر اور نے نیا  
 خنجر کے شبیب کی لاش پر جھک گیا اور اس کی پسلیاں چیر چیر کر دل تلاش کرنے لگا اور  
 دل پر نظر پڑتے ہی اسے نوح کر باہر نکال لیا اور لاش کو پیروں سے روند ڈالا۔ اس  
 کے بھاری پاؤں پسلیوں میں اتر گئے۔

لاش کو خوب اچھی طرح تہ و بالا کرنے کے بعد اس نے دل کو زمین پر دے مارا  
 دل گیند کی طرح اچھلا۔ سپاہیوں کو حکم دیا۔ دل اٹھا کر دوبارہ اس کے حوالے کیا جائے  
 اس نے اس دل کو خنجر سے چاک کر دیا اور اس وقت حجاج کی حیرت کی انتہا نہ رہی جب  
 اس نے دل کا اندر سے ایک عجیب سی تھیلی جیز برآمد کی۔

کسی سپاہی نے اس تھیلی جیز کو دیکھ کر کہا: ”شبیب کے سینے میں دل  
 کی جگہ یہ تھری تو تھا جس نے اسے اتنا جری اور شجاع بنا رکھا تھا!“  
 حجاج نے سپاہی کو حکم دیا: ”شبیب کے اس مداح کو شبیب کے پاس  
 پہنچا دیا جائے!“

ابھی اس کا جملہ پوری طرح ادا بھی نہ ہوا تھا کہ شبیب کے مداح کا سر  
 جسم سے الگ ہو گیا۔  
 ہندہ نے آنکھیں بند کر لیں حجاج اس بات پر اس سے وہاں تو نہیں  
 بولا، لیکن اندر پہنچتے ہی ہندہ سے سوال کیا: ”کیا تو میری خوشیوں کی دشمن ہے یا  
 تجھے میری سرتوں سے دکھ پہنچتا ہے؟“

ہندہ نے جواب دیا: ”میری زندگی میں اب خوشی کے لمحات ہیں ہی کہاں  
 تمہاری خوشیوں پر نہ تو مجھے خوشی ہوتی ہے نہ غم۔“  
 ”تو جھوٹ ہے!“ حجاج نے کہا: ”باہر جی میں نے شبیب کے مداح کی گردن زدن کا  
 حکم دیا تو تو نے اپنی آنکھیں کیوں بند کر لی تھیں؟“

ہندہ نے کہا: ”اگر میں تمہاری طرح صاحب اختیار ہوتی تو تم سے یہ سوال کرتی  
 اور سفاک کی توقع پر تم نے اپنی آنکھیں کھلی کس طرح رکھیں!“  
 حجاج نے چکر کر کہا: ”اے کاش تو ذرا حق ہوتی تو کتنا اچھا ہوتا۔ تجھے یہ حاضر  
 ہوائی کہاں سے ملی؟“

ہندہ نے جواب دیا: ”میکے اللہ کی طرف!“  
 حجاج نے کہا: ”پھر لوگ میری سفاک کی مذمت کیوں کرتے ہیں کیونکہ میں جو کچھ  
 بھی ہوں اللہ کی طرف سے ہوں!“

ہندہ نے جواب دیا: ”یہ تو غلط کہتا ہے تجھ میں جو کچھ بھی ہے اللہ کی طرف سے  
 نہیں شیطان کی طرف سے ہے جو تیری دنیا سنوارنے اور آخرت بگاڑنے میں سرگرم عمل ہے  
 اور تیری آخری سانسوں میں تجھے تنہا چھوڑ کر فرار ہو جائے گا!“

حجاج نے ایک بھر بوٹھا پنچ اس کے رخسار پر جڑ دیا جس سے ہندہ کا سر جھپک گیا لیکن  
 وہ رونی نہیں آنکھیں البتہ بھرائیں۔

حجاج نے شور و غل مچاتے ہوئے کہا: ”بجدا میں تیرے لئے ایک ایسی سزا کی  
 تلاش میں ہوں جس سے تو زندگی بھر قریع عبرت بنی رہے!“  
 ہندہ نے کوئی جواب نہیں دیا۔ ڈبڈبائی آنکھیں زمین میں گڑو کر  
 بیٹھ گئی۔

عبدالملک نے اسے دمشق طلب کیا۔ حجاج جب روانگی کی تیاریاں  
 کر رہا تھا تو اس نے ہندہ اور نعمان کو بھی ساتھ چلنے کا حکم دیا اسے ان دونوں پر اعتبار  
 نہ تھا۔ اس نے دمشق کے لئے دشوار گزار اور پھیدہ راستہ اختیار کیا، دوران  
 سفر ہندہ کو نظر انداز رکھا۔ کھانے پینے کا کوئی خاص خیال نہ کیا۔ کئی جگہ نعمان کو  
 حجاج کے اونٹ کی ساربان کی خدمت انجام دینی پڑی۔ ہندہ محل سے جھانک کر باپ  
 کی معیتوں کو دیکھتی اور سسکیاں بھرتے لگتی۔ اس کی کنیز اسے تسلی دے سکتی  
 تھیں کیونکہ انہیں معلوم تھا کہ حجاج ان کے اس انسانی عمل سے خوش نہیں ہوگا۔  
 تند و تیز اور گرم ہوا میں اور ریت کے ذرات نعمان کو جھلسا دیتے۔ اسی عالم میں حجاج  
 بار بار کوئی نہ کوئی چیز نیچے گرا دیتا اور نعمان کو اسے اٹھانے کا حکم دیتا۔ منزل تک پہنچتے  
 پہنچتے بوڑھی ہڈیاں جواب دے گئیں۔ ایک جگہ حجاج کا کوڑا اوپر سے ریت پر گرا اور



حجاج کو جب یہ پیغام ملا تو وہ ہندہ کے پاس آیا اور غصے میں پوچھا

”کیا چاہتی ہے؟“

ہندہ نے جواب دیا ”مجھے یہیں باوا جان کے پاس چھوڑ دو۔ میں آگے نہیں  
چلیں گی!“

حجاج نے کہا ”ایسا نہیں ہو سکتا۔ یہ تو میں خود بھی جانتا ہوں کہ تو زندگی بھر میرے  
نہیں رہ سکتی لیکن جلدی کا بھی وقت نہیں آیا۔“

”ظالم انسان!“ ہندہ چیخ مار کر رونے لگی ”خدا کے غضب سے ڈر۔ حضرت علیؓ  
دیکھتے تھے کہ زمین اور آسمان میں مظلوم کی آہ بھر کا فاصلہ ہے!“

حجاج نے غضبناک آواز میں کہا ”اودھمن خدا تو علیؓ کا کانام احترام سے لیتی ہے!“

”ہاں میں اس مقدس ہستی کا نام احترام ہی سے لوں گی کیونکہ اس نے جو کچھ کہا  
ہادی اور دائمی صداقت بن گیا!“

حجاج دانت پیتا ہوا بولا ”اچھا پھر تو ذرا دم لے میں تجھے عنقریب ایسی سزا  
دے گا جو تجھے زندگی بھر یاد رہے گی اور لوگ تجھ سے عبرت حاصل کریں گے!“

ہندہ نے ترکی بہ ترکی جواب دیا ”امور سیاست و شقاوت میں تو کتنا ہی  
ظالم کیوں نہ ہو لیکن اور معاملات میں تو براحق ہے کیا تو نہیں جانتا کہ عبرت لوگ

ظلم سے نہیں ظالم سے حاصل کرتے ہیں اگر تیرے ظلم نے مجھے مرقع عبرت بنا دیا تو دیکھنے  
والی آنکھیں مجھ سے نہیں تجھ سے عبرت پکڑیں گی اور دلوں میں تجھ پر لعن طعن کریں گی۔“

حجاج نے تقریباً کسی پاگل کی طرح چیخ کر کہا ”گستاخ لڑائی! تیرا عمر تناک انجام  
تجھ پر سایہ فگن ہو چکا ہے دمشق تیرا رقبہ ہے۔“ پھر کنیزوں کو حکم دیا ”اسے پکڑ کر

کھڑا کر دیا جائے گا!“

وہ بڑبڑاتا ہوا اپنے اونٹ پر سوار ہو گیا اور قافلے کو حکم ”سفر جاری ہے!“  
قافلہ چل دیا۔ بوڑھے نعمان کی لاش پر سے اونٹوں کی قطاریں گزر گئیں ہندہ

مسکتی رہی، روتی رہی۔

دمشق میں وہ جس شاندار محل میں اتری اس کے خدمت گار اور کنیزیں حجاج کے  
ہم کر کسی بدترین خلاق مجرم کی طرح اس کی نگرانی کرنے لگیں۔ حجاج عبدالملک کی خدمت

میں موجود رہا۔ وہاں معلوم نہیں کن کن مسائل پر صلاح مشورے ہوتے رہے بعض  
مثلاً عبداللہ ابن زبیر رضی اللہ عنہ کی لاش کے سلسلے میں

حجاج نے اسے اٹھانے کا حکم دیا۔ بوڑھے نعمان اسے بے دلی سے اٹھانے کے لیے  
جھکتا ہی چلا گیا یہاں تک کہ ریت پر لیٹ گیا۔ حجاج نے گرد و پیش چلنے والے کے

خدمت گار کو حکم دیا ”اس کام پر فوراً کھڑا کر دو!“

خدمت گار نے اسے اٹھانے کا حکم دیا لیکن نعمان کھڑے ہونے کے بجائے اس  
بازوؤں میں جھولنے لگا۔ اس کی گردن خدمت گار کے سینے پر ایک طرف اڑھک

اور دونوں پیر ریت پر جھکنے کے بجائے پھسلنے چلے گئے۔ بالکل اس طرح جیسے کسی  
آدمی کو سنبھالا جا رہا ہو۔

حجاج نے پوچھا ”کیا یہ بے ہوش ہو چکا ہے؟“

خدمت گار نے جواب دیا ”شاید یہی بات ہے کیونکہ اس کے تمام  
ٹہیٹھ پڑ گئے ہیں!“

حجاج نے اوپر ہی سے حکم دیا ”اس کی ناک پر اپنی ہتھیلی تو رکھنا کیا یہ سزا  
لے رہا ہے؟“

خدمت گار نے تھوڑی دیر تک اپنی ہتھیلی نعمان کے نتھنوں پر بھرا لے  
پھر بالیوسی سے جواب دیا۔

”حضور والا! شاید یہ زندہ نہیں ہے!“

حجاج نے کہا ”انا للہ۔“

خدمت گار نے پوچھا ”اس کے لئے اور کوئی حکم؟“

حجاج نے جواب دیا ”اس مصیبت کو یہیں رہنے دیا جائے، صحرا کی ریت  
اسے چھپالے گی!“

لیکن جب ہندہ کو اس سانحے کا علم ہوا تو وہ چیخ مار کر رودی اور محل سے  
کو پڑنے کی کوشش کی۔ لیکن کنیزوں نے اسے سنبھالے رکھا۔

حجاج نے قافلے کو حکم دیا ”سفر جاری رہے!“

ہندہ نے چیخ کر کہا ”لیکن میں آگے نہیں جاؤں گی۔ مجھے یہیں  
باوا کے پاس چھوڑ دو!“

حجاج کی آواز پھر گونجی ”سفر جاری رہے!“

ہندہ کے محل میں ایک ہنگامہ مچا تھا اور سفر دشوار ہو رہا تھا کسی کنیز نے باوا  
کہا ”رودار سے کہو اس کی جنوں خیزیاں ہمارے قافلو سے باہر ہوتی جا رہی ہیں!“



عبدالملک نے اس سے ترشی سے کہا: ”بد بخت! تجھے ابن زبیر رضی اللہ عنہ کی لاش فوراً ہی اس ماں کے حوالے کر دینی چاہیے تھی!“

حجاز نے عاجزانہ جواب دیا: ”امیر المومنین! کسی خطرناک باغی سے ابن زبیر کی لاش جیسا سلوک کرنا اس لئے ضروری ہے کہ اس سے دوسرے شرکشوں کی پست ہو جاتی ہیں میں نے جو کچھ بھی کیا وہ امیر المومنین کی غیر خواہی میں کیا ہے“ عبدالملک نے کہا: ”میں تیری وفاداری اور سیاست کا قاتل ہوں لیکن ابھی میں یہ ضرور کہوں گا کہ جہاں بات سے کام چلتا ہو وہاں درہ نہیں اٹھنا چاہیے اور جہاں درے سے کام چل سکتا ہو وہاں تلوار نہیں اٹھنی چاہیے۔“

حجاج نے انکسار سے جواب دیا: ”امیر المومنین جو کچھ فرماتے ہیں میں کی تائید کروں گا۔ لیکن یہ میل ذاتی تجربے کی سیاست اور حکمرانی میں طاقت اور اثر سے بڑھ کر کوئی متبھیا نہیں دنیا کی برائے انہی کی تابع ہے اسی ہتھیار سے ابن زبیر کو زیر کیا گیا۔ اور یہی وہ حربہ ہے جس سے مشہور خراجی سردار شبیب زبیر ہوا جو حماقت سے دوسروں سے خود کو امیر المومنین کہوانے لگا اور پھر یہ طاقت اور تشدد تو بے جن سے بے سکہ اور کوفے کے سرکشوں اور منافقوں کو قابو میں کیا گیا ہے!“ عبدالملک نے کہا: ”تو جیسا مناسب سمجھ کر تارہ مجھے پھر پر اعتماد ہے!“

ادھر سے فارغ ہو کر حجاج ہندہ کے پاس پہنچا۔ اس وقت ہندہ نے سارے لباس پہن رکھا تھا اور اس نے جس رومال سے اپنی کمر گس رکھی تھی اس کا رنگ ہلکا لال تھا۔ کالے لباس نے اس کے روشن چہرے کو حد درجہ حسین بنا دیا تھا۔ کالے لباس اور سیاہ بالوں کے درمیان سرخ و سپید جڑہ ایسا لگتا تھا جیسے رات کے اندھیرے سے شفق پھوٹ رہی ہو، حجاج بھی اس سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہا۔ ہندہ نے اس کی آمد کو جیسے محسوس ہی نہ کیا حجاج تھوڑی دیر تک اس کے پاس کھڑا رہا اور اس بات کا امتداد دیا کہ ہندہ اس کی طرف دیکھ کر ہلکا سا میں پہل کرے لیکن ہندہ نے اسے بالکل نظر انداز کر دیا۔

حجاج نے آہستہ سے کہا: ”ہندہ! یہ تو نے سیاہ لباس کیوں پہن رکھا ہے؟“ ہندہ نے جواب دیا: ”اس لئے کہ دنیا میں میرے لئے ماتم کردہ ہونے کی بجائے اور تمہارے اختیار اور اقتدار نے میرے ارمالوں اور خواہشوں کو ہلاک کر ڈالا ہے!“

”تجھے اپنے بوڑھے باپ کی موت کا غم ہے؟“

”نہیں! اس شخص کی موت کا اتنا غم نہیں ہے۔ تیرے ظلم کا میرا بوڑھا باپ کوئی پہلا شکار تو تھا نہیں۔“

حجاج نے درشت لہجے میں کہا: ”وہ بد دیانت تھا۔ اس کی موت تو اس کے حق میں ایک نعمت ثابت ہوئی اگر وہ زندہ ہوتا تو معلوم نہیں کسی عبرت ناک سزا کا مستحق ٹھہرتا اگر وہ زندہ ہوتا تو۔۔۔ اس رسوائی اور سزا سے بچانے کے لئے اسے میں خود ہی قتل کر دیتا!“ وہ خائف تھا۔

ہندہ نے غصے میں کہا: ”اب با واجان تو اس دنیا میں موجود نہیں جو الزام چاہے لگا تارہ۔ لیکن یہ مت بھول کہ کل قیامت میں تیرا زور نہیں چلے گا اور تجھے اپنے ظلم کا جواز اور الزام کی صداقت کا ثبوت دینا ہوگا۔“

حجاج نے زری سے کہا: ”میں تجھے قتل کر سکتا ہوں لیکن ایسا نہیں کروں گا۔ میں چاہتا تھا کہ تجھے پشیمان کر دوں اور اب تک مجھے جتنی آذیتیں دی گئی ہیں تو ان کے خلاف نالہ و فغاں کرے لیکن تیرا ضبط و تحمل میرے غیظ و غضب میں اضافے کا باعث بن گیا ہے جب تو میری کسی سزا کو خاموشی سے بھیل جاتی ہے تو گویا تو میری عیاں پشت پر ایک زوردار تازیانہ رسید کر دیتی ہے اب یہ سب کچھ میرے لئے ناقابل برداشت ہے!“ ہندہ نے کہا: ”تب پھر تو مجھے طلاق کیوں نہیں دے دیتا۔ تاکہ ہم دونوں کا مصیبت سے بچھا چھوٹے!“

”میں تجھے طلاق دوں گا اور ضرور دوں گا لیکن اگر تو یہ سمجھتی ہے کہ تو طلاق کے بعد کسی اور سے شادی کرے گی تو یہ تیری سخت بھول ہوگی۔ تو ہمیشہ تنہائی کی لاوارث زندگی گزارے گی اور بروہ باتھ جو تیری چاہت میں تیری طرف بڑھے گا اسے قلم کر دیا جائے گا جو تیری طرف اٹھیں گے تو زد سے جائیں گے اور جس دل میں تو بسے گی اسے شیب کے دل کی طرح چکر بھٹک دیا جائے گا۔“

ہندہ نے کہا: ”طلاق کے بعد تنہائی اور لاوارثی کا عذاب اتنا برا نہیں ہوگا جتنا تیری قربت اور نسبت سے میں اٹھا رہی ہوں۔“

اسی کشمکش میں کچھ دن اور گزر گئے۔ ایک دن دوپہر سے دو گھڑی پہلے ہندہ کو اطلاع دی گئی کہ حجاج کا خادم خاص عبداللہ بن طاہر ہندہ کے لئے حجاج کا کوئی



خاص پیغام لے کر آیا ہے!

ہندہ نے اسے زنان خانے کے قریب کے کمرے میں بلا لیا۔ عبد اللہ بن طاہر عذر صورت لئے بیٹھ گیا۔

ہندہ اس کے سامنے چلی گئی پوچھا: ابن طاہر! آخریت تو ہے تم سو گوار کیوں ابن طاہر نے افسوس سے کہا: ”باہر و نٹوں پر دو لاکھ درہم لے کر آئے ہیں یہ آپ کا حق مہر ہے جو حجاج نے آپ کی خدمت میں روانہ کیا ہے!“

ہندہ نے خوشی کو چھپاتے ہوئے پوچھا: اور کچھ؟  
ابن طاہر نے جواب دیا: ”حجاج نے آپ کو طلاق دے دی ہے۔ اور زبانی دیا ہے کہ آپ کسی اور سے شادی نہیں کریں گی، اگر ایسا کریں گی تو اپنے ہونے والے شوہر کی موت کو دعوت دیں گی!“

ہندہ نے کہا: ”اور کچھ؟“  
اس نے جواب دیا: ”اور یہ کہ آپ اسی وقت اس محل کو چھوڑ دیں کیونکہ طلاق ہو جانے کے بعد حجاج آپ کو اس محل میں نہیں دیکھنا چاہتا!“

ہندہ نے طنز آ کر پوچھا: ”کیا وہ سنگ دل مجھ سے الوداعی ملاقات بھی نہ کرے گا؟“  
ابن طاہر نے جواب دیا: ”حجاج کا خیال ہے کہ اس کا دل ناقابل تسخیر ہے ایک عورت تو اسے کسی طرح بھی زیر نہیں کر سکتی!“

ہندہ کے لئے دمشق میں کوئی اور ٹھکانا بھی تو نہ تھا۔ ذرا سی دیر کے لئے وہ پریشان ضرور ہو گئی لیکن پھر کچھ سوچتی ہوئی بولی: ”ابن طاہر! مجھے اس کے درہموں کی کوئی ضرورت نہیں تو نے مجھے میری زندگی کی جو عظیم الشان خوشخبری سنائی ہے یہ دو لاکھ درہم میں تجھے اس کے نذرانے میں پیش کر رہی ہوں مجھے اس ظالم کی دولت سے پسنا مانگتی ہوں!“

ابن طاہر کی خوشی کی کوئی حد نہ تھی چہک کر لولا: ”تب پھر مجھ پر یہ فرض ہو جائے گا کہ میں فوراً ہی کسی اور جگہ آپ کے قیام کا بندوبست کر دوں!“

ہندہ نے کہا: ”یہ دو لاکھ درہموں کا معاوضہ نہیں ہے لیکن میں بدست ٹھکانا چاہتی ضرور ہوں اس کے بعد دیکھا جائے گا کہ مجھے کیا کرنا چاہئے!“

ابن طاہر نے آہستہ سے کہا: ”لیکن میری ایک درخواست ہے!“  
”کہو۔ بیان کرو!“

ابن طاہر نے کہا: ”میں اس تعاون کا حجاج کو علم نہیں ہونا چاہئے!“  
ہندہ نے اسے اطمینان دلایا کہ تو مطمئن رہا!“

ابن طاہر نے ہسی دن دمشق کے شرق علاقے میں ہندہ کی رہائش کا انتظام کیا اور ہندہ فوراً ہی اس میں منتقل بھی ہو گئی۔

حجاج کا یہ ایک غیر معمولی اقدام تھا یہ داستان چھپی نہ رہ سکی حجاج کے ظلم ہندہ کے حسن ضبط اور حاعر جوانی کا چرچا بھیلنے لگا لوگ اس سے رجوع ہونا چاہتے لیکن حجاج کی دہشت انہیں بے بس کر دیتی حجاج کے مخالفین نے نہایت بدوشی اور غیر عبد الملک تک پہنچا دی۔ اور ہندہ کے حسن و جمال کا کچھ ایسا نقشہ کھینچا کہ نے بے ساختہ پوچھا: ”کیا وہ بہت زیادہ حسین ہے؟“

مصاحب نے عرض کیا: ”امیر المومنین خود ملاحظہ فرما سکتے ہیں نہ صرف حسین بلکہ حاضر جواب اور ذہین بھی اتنی ذہین کہ اس کی دوسری کوئی مثال بھی ملے گی!“

عبد الملک نے اپنی کینزوں کے ذریعے ہندہ کے بارے میں ساری بات جمع کر لیں اور اس نتیجے پر پہنچا کہ ہندہ ایک درنا یا ب ہے جسے نا اہل اور قدرنا شناس نے اپنی بد مذاقی سے کھو دیا۔ عبد الملک نے ہندہ کو ایک خط لکھوایا۔ اس کے باب نے کہا۔

”ہندہ! امیر المومنین نے تیسے حسن و جمال اور ذہانت کا شہر سن کر یہ فیصلہ کیا ہے کہ تو ان کے حرم کو اپنی دنیا پاشیوں سے منور کرے!“  
ہندہ نے نہایت دانائی سے جواب لکھا۔

”امیر المومنین کے لئے اس کینز کی جان تک حاعر ہے لیکن کینز یہ چاہتی ہے کہ امیر المومنین جو کچھ چاہتے ہیں اس کا خود ہی اظہار فرمادیں یہ کینز معلوم نہیں کیوں یہ ناپسند ہے کہ میں اس کا جواب دے دوں اور امیر المومنین کے مابین حاجب جیسی کوئی تیسری شخصیت بھی نہ ہو۔“

اس بار عبد الملک نے خود خط لکھا۔

”میں تیری شرط پوری کر رہا ہوں۔ میں جا ہوں تو جبر سے بھی کام لے گا ہوں، لیکن اللہ تعالیٰ قرآن پاک میں جگہ جگہ عدل اور انصاف کا دیکھا ہے ایک حکمران کی حیثیت سے جبر اور ظلم سے تجھے نہیں اپنا سکتا!“



ہندہ نے جواب دیا۔

”امیر المومنین نے اپنے موقر نامے میں جس شرط کا ذکر فرمایا ہے وہ نہیں درخواست تھی کنیز تو امیر المومنین سے اپنی وابستگی کو سرمایہ فخر و افتخار سمجھتی لیکن جیسا کہ خود امیر المومنین کو بھی علم ہوگا کہ کنیز مردم گزیدہ ہے اس لیے آدمیوں سے بہت کم رنگ ہے کنیز کا پہلا تجربہ اتنا تلخ اور سوہانہ تھا کہ اب بھی جب اس دور کو یاد کر لیتی ہوں تو میری ہجرت کا پیاسا اڑ جانے اور میں اپنا سکہ چھین تک کھو بیٹھتی ہوں، ان حالات میں اب کسی دوسرے تجربے کی کنیز خود میں ہمت نہیں پاتی۔ ورنہ یوں تو امیر المومنین کو اپنی رعایا کے لیے اختیار حاصل ہے یہ کنیز چند لمحوں میں داخل حرم ہو سکتی ہے!“

عبدالملک دل ہی دل میں ہندہ کی ذہانت کا قائل ہو گیا۔ اس نے کہا ”تم ایک سمجھ دار لڑکی ہو، میرا خیال ہے کہ تمہیں یہ معمولی سی بات ضرور معلوم ہوگی کہ دنیا کا ہر شخص حجاج نہیں ہے اس لیے اب تک جو بھی اللہ تشدد اور ظلم کا قدم اٹھایا ہے اس میں خلافت کی فلاح و بہبود ضرور کار فرما رہا ہوگا۔ اور یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ اس نے بعض کو اس بغض و عناد کا نشانہ بھی بنایا ہوگا اور اس سے اس کی سزا بھی ملنی چاہیے۔ خلافت اس کے اس نوع کے جرائم کی طرف سے اس کے چشم پوشی اختیار کرے کہ اس کا کام خلافت میں حجاج کا زبردست ہاتھ ہے حرم خلافت تیری پیش قدمی کے لئے کھلا ہے، جب بھی چاہے آ سکتی ہے۔“

اس خط و کتابت سے ہندہ کا چلوؤں خون بڑھ رہا تھا وہ حب گرفت سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے نکلی جا رہی تھی۔ ہندہ نے اپنے ترکش کا آخری نم چلا دیا۔ اس نے عبدالملک کو لکھا۔

”امیر المومنین چونکہ اس کنیز پر بے حد مہربان ہیں اس لئے درخواست ہے کہ جب میں امیر المومنین کے حوالہ عقد میں آ جاؤں اور میرا محل کھڑا ہو تو اس کی خدمت حجاج ابن یوسف پایادہ انجام دے۔ میں نے اپنے اللہ سے یہ منہ رکھی ہے اور امیر المومنین کی وساطت سے اپنی یہ منت پوری کرنا چاہتی ہوں۔ عبدالملک نے ہندہ کے اس آخری خط کی پشت پر حجاج حکم لکھ دیا :-

”منجانب عبدالملک بن مروان امیر المومنین خلافت اسلامیہ و بنو امیہ بنام حجاج بن یوسف ثقفی عامل عراقین!

تجھے اس تحریر کے ذریعے حکم دیا جاتا ہے کہ امیر المومنین کی ہونے والی حسرتیم ہندہ بنت نعمان کے اونٹ کی ساربان پر تجھے متعین کیا گیا ہے اس روز تیرا یہ فسرہ اس حجاج نے جب یہ فرمان پڑھا تو سناٹے میں آ گیا اور اس نے عبدالملک کو مطلع کر دیا کہ فرمان عالی سے غلام مطلع ہوا حسب الحکم

جب ہندہ کو یہ معلوم ہوا کہ عبدالملک نے اس کی درخواست قبول کر لی ہے اور حجاج کو اس کے محل کی پیادہ یا ساربان کی خدمت کا حکم صادر فرما دیا ہے تو بے اختیار مسجد کے میں گر گئی۔

اس لا وارث لڑکی کے لئے قصر خلافت سے کنیزوں اور خدمت گاروں کا ایک پرا نازل ہو گیا اور اس نے اسے دلہن بنا دیا۔ جب شادی کی مروجہ رسوم ادا کی جا چکیں تو محل بردار اونٹ دروازے پر کھڑا کر دیا گیا۔ پیادہ یا حجاج ابن یوسف کے ہاتھ میں اس کی مہار تھی۔

خدا نے شور مچایا ”ملکہ عالیہ تشریف لارہی ہیں اونٹ بٹھایا جائے!“ حجاج نے اونٹ بٹھا دیا۔

ہندہ کنیزوں کی مدد سے محل کے اندر چلی گئی دو کنیز اس کے ساتھ بٹھ گئیں۔ تھوڑی دیر بعد جب اونٹ قصر خلافت کی طرف روانہ ہوا تو ہندہ مافی میں چلی گئی اور حجاج کے مظالم یاد کر کے مغموم ہو گئی لیکن انہی لمحات میں کسی نے اس کے کان میں کہا ”اس وقت تیری حیثیت اس پھر جیسی ہے جس نے ہندہ بننے لگی، پھر ذرا اونچی آواز میں اپنی کنیزوں سے کہنے لگی ”تم

کنیز نہیں اس کے محل سوزل پر اس کا منہ تکنے لگیں۔

ہندہ نے خود ہی جواب دیا ”میں وہاں جا رہی ہوں جہاں ظالموں



کی تلوار میں میرا بیچا نہیں کر سکتیں اور لمبے ہاتھ وہاں تک نہیں پہنچ سکتے۔  
 حجاج ہندہ کا طنز محسوس کر رہا تھا لیکن صبر و شکر کے ساتھ  
 بجا رہا تھا۔

ہندہ نے سونے کے چند سکہ (دینار) نیچے گرا دیئے اور حجاج کو  
 دیئے اور ساریاں! میرے چند درہم (چاندی کے سکہ) نیچے گر گئے ہیں۔  
 تھا تو دینا۔

حجاج نے اونٹ کھڑا کر دیا اور پیچھے واپس آگیا۔ وہاں سے دینار  
 لایا۔ پھر محل کی طرف ہاتھ بڑھاتا ہوا بولا: "ملکہ عالیہ! آپ کو غلط فہمی  
 ہے کرنے والے سکہ درہم نہیں دینار ہیں!"

ہندہ نے دینار لے لئے اور اپنی کنز سے کچھ نیچے دے دیا۔  
 کار ساز ہے کہ گرے تو تھے چاندی کے سکہ لیکن بن گئے سونے کے سکہ۔  
 کسی پر مہربان ہوتا ہے تو اسی طرح ہوتا ہے!"

ہندہ نے اسے بار بار سنا اٹھا۔ کی زحمت دی حجاج  
 جھکے دہرا ہوا ہو گیا لیکن ملکہ عالیہ کی بجائے اور سی خدمت میں کوتاہی  
 کسی طرح بھی نہ دکھاسکتا تھا جب بھی حکم ملتا جھکتا اور گرنے والی چیز  
 ملکہ عالیہ کے حوالے کر دیتا۔

ہندہ نے ہنستے ہوئے اپنی کنزوں سے کہا: "اسکینز و کیا تو  
 ایک دانا و بینا فلسفی کا یہ نظریہ معلوم ہے۔"  
 کنیزوں نے بیک زبان پوچھا: "کون سا نظریہ؟"

ہندہ نے جواب دیا: "ہرگز دنیا کی ہر شے طاقت کی تابع ہے۔"  
 "جیسے شک، جیسے شک!" کنیزوں نے پڑھ پڑھائے اور رٹے  
 لوگوں کی طرح جواب دیا۔

حجاج کے لئے یہ سب بالکل ناقابل برداشت ہوتا جا رہا تھا اسے  
 موقع پر ہنس کر کا وہ ستر سالہ بوڑھا یاد آیا جس نے مرتے وقت  
 کو حجاج سے غائبانہ متعارف کرایا تھا اور مرنے سے پہلے مدد  
 یہ بھی کہہ دیا تھا کہ وہ ایک ایسا فتنہ ہے جو تیرے سارے کمر  
 نکال دے گی!"

حجاج کو تھکا سا آگیا۔ خود بخود بول اٹھا: "اولوڑھے! تو کہاں ہے  
 اپنی روح میرے آس پاس موجود ہے کیا تو ولی تھا۔ دیکھ تیرا آقا حجاج کس  
 ہندہ نے محل سے جھانک کر دیکھا۔ اپنی کمر کو ایک کپڑے سے کسے منہ پر

لپٹے بیروں پر گرد کی تہہ جھلکے اونٹ کی مہار تھا اسے حجاج بن بوسفہ معصوم  
 سورت کے ساتھ یوں چل رہا تھا جیسے وہ ہمیشہ سے ساربان کی خدمات  
 انجام دیتا چلا آیا ہے اور اس سے کبھی ایک چڑیا تک مارنے کا ظلم  
 نہ دیکھا ہے۔

بھوکے رنگ مایہ ناز قد اور دراز ریش عبد الملک نے اکیس سال  
 وادہ دس دن حکومت کر کے باسٹھ سال کی عمر میں انتقال کیا اور اس کی  
 جگہ بیٹا ناک، گنم گول، دراز قد اور جھیک منہ داغ بیس سالہ ولسد  
 اقتدار آیا عبد الملک نے مرنے سے پہلے اپنے بیٹے ولی کو حجاج کے  
 بطور خاص وصیت کی تھی کہ اس کا خاص احترام کیا جائے اور تندر خا اور  
 درم مزاج بیٹا باب کی وصیت پر یوری طرح کا رہنماریا۔

حجاج اپنے آباؤ کا درہ شہر واسط میں مقیم تھا اور عراق کی گورنری ریٹائر  
 ہوئے بیس سال گزر چکے تھے کراسے پیٹ کی بیماری کا عارضہ لاحق ہو گیا۔  
 اس کے پیٹ میں کیڑے پڑ گئے تھے جو اسے شب و روز تنگ کرتے اور حجاج  
 ہوا شقی القلب اور قوت برداشت کا انسان بھی اس کی تکلیف سے چیخنا  
 بنا رہتا اور بالآخر وہ اسی مرض اور ذات سے چل بسا۔ جب وہ مرا ہے تو  
 متفق الریاء اعداد و شمار کے مطابق میدان جنگ کے سوا محال تھا  
 اور آبادیوں میں وہ ایک لاکھ بیس ہزار انسانوں کے قتل کا مرکز ہو چکا تھا  
 اور واسط کے سیاسی قیدی خائے میں پچاس ہزار اور بیس ہزار عورتیں حجاج  
 کے ظلم و شقاوت سے سردی گری سے غیر محفوظ بدترین غذا اور بدبو دار پانی  
 میں سمسک کر رہی رہیں تھیں۔

اس کے انتقال پر ہندہ اس کی لاش پر پہنچی۔ اس وقت وہ کفن  
 میں لپیٹا پڑا تھا۔ ہندہ نے اس ظالم اور بھیاں تک انسان کے مکروہ  
 ہرے کو آخری بار دیکھا اور برجستہ چند شعروں میں اپنے واردات



قلبی کا اظہار کیا۔

”او کفن میں لپٹے ہوئے مجبور اور لاچار انسان! میں تجھے  
یہ بتانے آئی ہوں کہ تیرے مرنے سے میری اور دنیا والوں  
کی آنکھوں نے ٹھنڈک پائی۔ تو راندہ درگاہ عزرایل (شیطان)  
کا بہترین ساتھی تھا لیکن تو کتنا بد نصیب ہے کہ جب  
تو مرا تو تیرے بہترین ساتھی عزرایل نے بھی تجھے تنہا  
چھوڑ دیا۔“







# چاند کا خدا



# چاند کا خدا

مدی عجاسی کے عہد کی داستانِ قدس و فساد  
اس نے الوہیت کا دعوے کیا اور اپنے اس پاس سادہ  
لوحِ مقدس بن کا ایک شہر آباد کر دیا۔ پھر اس شہر کے لیے اس  
نے چاند تخلیق کیا، جو ہر روز شام کو غروب ہو کر چرخِ غروب ہو جاتا  
دلچسپ اور حیرت انگیز تاریخی داستان، کیف اور  
حمن و عشق کے ساتھ۔

وہ کوہستانی سلسلہ جو کابل، بلخ، ہمدان اور خراسان پر تک شتر تانے پھیل چکا تھا،  
درمیان میں بحیرہ خزر کے آبلے سے جنوب میں ٹمکھا کر دے ہوتا ہوا  
آندہ بائیمان میں داخل ہو گیا تھا اور یہاں وہ ایک بار پھر جنوب میں بلند ہوتا چلا گیا تھا۔  
بحیرہ خزر کے جنوب مشرق اور خراسان پر سے ذرا اوپر شمال میں ہو کر نامی ایک قصبہ آباد تھا۔  
اس کی محل آبادی بیشکل دس بارہ ہزار تھی۔ یوں تو اس قصبے میں مختلف عقائد و مذاہب کے  
لوگ آباد تھے میکس ای میں دو مذہبوں کے لوگوں کی اکثریت تھی۔ ایک تو وہ جو مسلمان کہلاتے  
تھے اور محمد کو خدا کا بندہ اور آخری نبی مانتے تھے۔ ان کا یہ عقیدہ و ایمان تھا کہ اگر رسول اللہ  
کے بعد کوئی شخص نبوت کا دعویٰ کرتا ہے تو وہ جھوٹا ہے۔ ان مسلمانوں کے صفت بل یہاں  
جو دوسرا مذہب اپنا دارۃ اثر بڑھا رہا تھا وہ سفید جامیان کے لوگ تھے۔ پہلے یہ لوگ  
بھی مسلمان تھے لیکن بعد میں انہوں نے مرد کے چھوٹے مدنی نبوت والوہیت کا شتم کاہن  
افتخار کر لیا جو تاریخوں میں تقیہ کے نام سے مشہور ہوا۔ سفید جامیان کا عقیدہ تھا کہ اللہ  
نے پہلی بار آدم کی شکل میں ظہور کیا۔ اس کے بعد وہ نوح، ابراہیم، موسیٰ اور عیسیٰ میں  
حلول ہو کر ظاہر ہوتا رہا۔ ان کے بعد خدا عرب میں حضرت محمد کی شکل میں نمودار ہوا اور  
آخر میں وہ ابوسلم خراسانی کے جسم میں حلول کر گیا اور ابوسلم خراسانی کے بعد خدا نے مرد کے  
عجیب و غریب باشندے ہاشم کی شکل میں ظہور کیا ہے۔ یہ ہاشم بعد ابوسلم خراسانی کی فوج  
کا ایک جوان تھا اور بعد ان کی خلافت عباسیہ سے تنخواہ مانتا تھا۔ اس نے ابوسلم کی زندگی  
میں اختلافاً دعویٰ کرنے کی ہمت نہ کی تھی کیونکہ وہ جانتا تھا کہ تہذیبِ خرد اور غیر معمولی ان کا حال ابوسلم  
اس کے اس دعوے کو کبھی بھی نہ مانا۔ مگر جب عباسی خلیفہ جعفر منصور نے ابوسلم کو قتل کر دیا تو  
ہاشم مرد و عا میں چلا آیا اور یہاں اس نے پہلی بار یہ اعلان کر دیا کہ خدا اس میں حلول کر سکتا ہے۔  
اس کی خواہش ہے کہ خلافت عباسیہ اور مسلمانوں سے ابوسلم کے خون کا بدلہ لیا جائے اور خلیفہ دہم،





کے دین کو جانوں طرف پھیلا دیا جائے۔

دیکھتے ہی دیکھتے اس مذہب نے دیرپائے بیجوں و جہیز کے دو آبے کو لیت میں لے لیا اور دوسرے سر قند و کشر تک ان کے مراکز قائم ہو گئے۔ بحیرہ خرد کا شرعی سامع شہر بزرگ بھی اسی کے زیر اثر تھے۔ دکان کے مسلمانوں نے مزاحمت کی اور دونوں کی کشمکش و مزاحمت نے جناب و جہد کی صورت اختیار کر لی۔ مسلمان کتے تھے کہ جس طرح ایک نیام میں دروہاراں ایک کائنات میں دروہاراں ایک ہی وقت میں رات اور دن یک جا نہیں رہ سکتے، اسی طرح بزرگ بریک وقت مسلمان اور سفید جابیان کس طرح اپنا مسلط اور اثر و اقتدار قائم رکھ سکتے ہیں۔ لیکن متقیان کے پیرو سفید جابیان یہ کہتے تھے کہ ان کے پیغمبر نفع کے تصور کے بعد خدا نے اسلام کو منسوخ کر دیا ہے اور جب خدا خود ہی نفع کی شکل میں ظاہر ہو کر اسلام کو باطل قرار دے رہا ہے تو اس کے بندوں کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ اس کے بعد بھی منسوخ شدہ دین پرست رہ کر اپنی دنیا غراب کریں۔ وہ آخرت کا نام یوں نہیں لیتے تھے کہ ان کے دین میں آخرت کا کوئی تقدر ہی نہ تھا۔

جب نئے تحریکیں جلتی ہیں اور لوگوں میں نئے عقاید داخل ہوتے ہیں تو معاشرے میں گھر گھر ایک پلچل مچ جاتی ہے۔ ایک ہی خاندان کے کچھ لوگ نئے عقاید اختیار کر کے ہنگاموں کا آغاز کر دیتے ہیں۔ بزرگ کا سب سے بااثر اور ذی اقتدار خاندان بھی اس لپیٹ میں آ گیا۔ اس خاندان کا سربراہ نصر جس طرح گوارا کر سکتا تھا کہ اس کا چھوٹا بھائی جو جعفر اسلام چھوڑ کر نئے دین میں داخل ہو جائے۔ ایک ہی مل کے پیٹ میں پردوش پانے والے دو بیٹے عقائد کی درمختلاف شاہراہوں پر گامزن ہو چکے تھے۔ بزرگ سے بھائی نے چھوٹے بھائی کی مخالفت کی، خاندان کے دوسرے لوگ بھی مخالفت سے باز نہ رہ سکے اور ان میں سے زیادہ تر لوگ تو نصر کی طرف ہر گئے اور کچھ نے جعفر کا ساتھ دیا۔ اس گروہ بندی میں ایک بات صاف نظر آتی تھی کہ نصر کا جن لوگوں نے ساتھ دیا وہ سارے وہی لوگ تھے جنہیں اسلام اور اسلام کے بانی سے غور بخورائی تھی اور جو جعفر کے طرفدار ہو گئے تھے ان میں خاندان کے وہ لوگ تھے جن کے ساتھ اہل خاندان نے زیادتیوں کی بھین اور جو مسلسل معاشی نا انصافیوں کا شکار ہوتے رہے تھے۔ یہ لوگ خود کو خاندان سے کچھ الگ تھلک سمجھتے کرتے رہے تھے اور جب انہیں ایسا موقع میسر آ گیا کہ وہ علی الاملائے مابین طور پر خود کو متمول اور خوش حال خاندان سے الگ کر لیں تو انہوں نے متفقہ کا دین اختیار کر کے گناہ کشی اختیار کر لی۔ اس اختلاف کا سب سے بڑا اثر نصر کے بیٹے لیث اور جعفر کی بیٹی بنو قہ پر پڑا۔ بنو قہ ایران کے ایک نام باغ کا ماوراء النہر ہی تھے عقائدی

دروہاروں نے دونوں گھروں کو ایک دوسرے سے جدا کر دیا۔ باپ نے بیٹے پر باندی عاید کر دی کہ اب وہ بنو قہ سے نہیں ملے گا۔ دوسری طرف بنو قہ کے باپ نے بیٹی کو چھوٹ دے دی کہ اگر کسی طرح وہ لیث کو اپنا محبت سے قابو میں لا سکتی ہے تو ضرور لائے گی۔ لیث اس طرح وہ سفید جابیان میں ایک شخص کے احضانے کا ثواب حاصل کر لے گی۔

بنو قہ گھر میں بیٹی لیث کی اس ایک آمد کی منتظر تھی۔ وہ اچھے لباس پہن کر باہر کو شانوں پر کھیر دیتی۔ اسی نے آئینے کے سامنے کھڑے ہو کر بارہا اپنی جاذبیت اور دلکشی کو خود اپنی نظروں سے دیکھا اور مسکراتی ہوئی شرمسار ہو گئی۔ گویا اس کا فرائز انما میں سے لیث نے دیکھ لیا ہو۔ یہ روش کئی ماہ جاری رہی لیکن لیث نہیں آیا۔ پھر خبر دینے والوں نے یہ اطلاع دی کہ لیث پر باپ کا دباؤ ہے۔ اور عام حالات میں اس کا بنو قہ آنا ناممکن ہے۔ پھر یہ بھی خبر دی کہ لیث بہت اداس ہے اور اکثر و بیشتر وہ بحیرہ خزر کے ساحل پر گم صم ادا اس اداس خبر کی لیث بہت اداس ہے۔ بنو قہ کے لیے یہ ایک بدترین خبر تھی۔ اس نے کا شفر کی راہ سے آیا ہو چھوٹا بھائی کا رشتہ لباس پہنا اور چھپنا کر کے کو کر کے گرد قیدی رشتہ رومال سے کس کر باندھ لیا جس سے کر کے کا بالائی حصہ جسم سے چپک گیا اور اوپر کے تشیب و فرائز قیامت کی طرح ہر گئے۔ عام رواج سے کچھ زیادہ کھلا کھلا کوہ بیتون میں دروہ کی نمر کی طرح دیکھنے لگا۔ لیث زلفوں کو رومال میں چھپا لیا۔ چہرے پر چینی غارہ ملا اور لباس کو بھینی بعضی خوشبو سے معطر کیا۔ ماں نے یہ تیاریاں جو دیکھیں تو رو دیا کہ کیا۔ "بنو قہ یہ تیاریاں کس کے لیے ہے؟"

بنو قہ نے جواب دیا۔ "اس شخص کے لیے جو ابھی تک گمراہ ہے لیکن اس کی گمراہی مستقل نہیں۔"

ماں نے جلدی جلدی لپکیں چھپکا لیں اور پوچھا یا کیا وہ یہاں آنے والا ہے؟

"نہیں۔" بنو قہ نے آئینے میں سامنے کھڑے ہو کر اپنے سراپا پر نظریں ڈالیں اور ہوش کے عالم میں آنکھیں بند کر تی ہوئی کہی۔ "وہ یہاں نہیں آئے گا بلکہ میں خود اس کے پاس جاؤں گی۔"

ماں نے اس سے اختلاف کیا، دلیں۔ "حبیب وہ خود نہیں آتا تو تو وہاں کیوں جائے گی؟"

بنو قہ نے جواب دیا۔ "حبیب خدا خود نفع میں حلول کر کے انسانوں میں آسکتا ہے تو لیث کے پاس میرا بیٹا جانا کوئی خاص اہمیت نہیں رکھتا۔ پھر آنکھیں کھول کے مسکرا کر میں کو دیکھا ادا ان کے گلے میں باہیں ڈال کے پیٹ گئی اور محبت اور خوشامد کے سٹے جگے انما میں کہا۔ "بنو قہ لیث کے پاس میں اپنے لیے نہیں جا رہی ہوں کیونکہ میں نہیں چاہتی کہ جس سے میں محبت کرتی ہوں وہ گمراہ ہے۔"



ماں نے پوچھا۔ "لیکن وہ مجھے ملے گا کہاں؟"

بنوہ نے جواب دیا۔ "بحیرہ منور کے ساحل پر۔ کیونکہ میں نے سنا ہے کہ اچھل وہ اداس اور اس سمندر کے ساحل پر بے قرار رہتا ہے۔"

ماں نے لیٹ پر لعنت بھیجی۔ "اُمّی کی بہادری دو بگڑ چکی جاتی ہے، میدان جنگ میں یا باطن محبت پر۔ لباط محبت میں تو وہ بزدل نکلا، میدان جنگ کا پتہ نہیں۔"

بنوہ جانے کے لیے تیار ہو چکی تھی، بولی۔ "ماں تو ایسا نہیں ہے۔ اسے آبائی مذہب اور والدین کی محبت نے روک رکھا ہے لیکن مجھے یقین ہے کہ میں اسے بہادر بنا لوں گی اور لیٹ میرے لیے سب کچھ چھوڑ دے گا۔"

ماں نے عجوبہ سے کہا۔ "جیسی تیری مرضی لیکن تو تنہا نہیں جائے گی۔ خداوند مقنع کے چند مبلغ آئے ہوئے ہیں تو ان میں سے ایک کو اپنے ہمراہ لے جا سکتی ہے۔"

بنوہ نے جواب دیا۔ "لیکن ایک شرط پر!"

"یعنی؟"

"یعنی یہ کہ وہ مبلغ مجھے لیٹ سے بات کرنے کا موقع ضرور دے گا۔ وہ مجھ سے ذرا دور رہے گا، اور جب تک میں خود اسے اپنے پاس نہ بلاؤں وہ نہیں آئے گا۔"

ماں نے ہنستے ہوئے پیار سے کہا۔ "بنوہ! کیا تو مجھ سے زیادہ مجھ دار ہے؟"

بنوہ ماں کی بات نہیں سمجھی۔ وہ کچھ کہنے لگی کہیں چلی گئی۔ مقنور کی درلعبہ واپس آئی تو ایک پچیسویں سالہ نوجوان ان کے ساتھ تھا۔ اس کی بھری بھری سیاہ داڑھی، گول سرخ و سفید چہرے پر بہت اچھی لگ رہی تھی۔ قد میان، صحت بہت اچھی، پھر سے پر شوخی اور سخیگی کا حسین امتزاج پایا جاتا تھا۔ ماں نے بنوہ سے اس کا تعارف کرایا۔ "بنوہ! اس سے ملو۔ اس کا نام زہیر ہے۔ خداوند مقنع نے بوگر میں اپنے دین کی تلقین و اشاعت کے لیے جن لوگوں کو بھیجا ہے ان میں زہیر سب سے کم عمر مبلغ ہے لیکن علم اور گفتگو میں یہ اپنے عمر رسیدہ ساتھیوں پر فوقیت رکھتا ہے۔"

بنوہ کی سمجھ میں نہ آیا کہ وہ زہیر کا تعارف اتنے ذوق و شوق سے کیوں کر رہی ہیں۔ ماں نے زہیر سے کہا۔ "زہیر! میں بنوہ سے یہ اپنے چچا کے بزدل بیٹے لیٹ کو پسند کرتی ہے۔ اگر یہ میری راستے لیتی تو میں اسے کچھ اور مشورہ دیتی۔" پھر زہیر اور بنوہ کو یکے بعد دیگرے دیکھ کر مسکرائی، کہنے لگی۔ "مجھے کوئی اعتراض نہیں اگر یہ ایک بے دین کو خداوند مقنع کے دین میں لے آئے لیکن اگر اپنے ارادے میں یہ ناکام رہی تو پھر میں وہی کروں گی جس کا میں نے اپنے

دل میں ارادہ کر لیا ہے۔" حمان نکو ماں کا ارادہ یہ تھا کہ اگر بنوہ زہیر کو ساتھ بنوہ ماں کی باتیں کچھ نہیں سمجھی۔ حمان نکو ماں کا ارادہ یہ تھا کہ اگر بنوہ زہیر کو ساتھ لے کر لیٹ کے پاس جائے گی تو اس کا جو نتیجہ بھی ملے گا وہ فیصلہ کن ہوگا۔ انسانی نفسیات کے پیش نظر لیٹ بنوہ کے ساتھ زہیر کو دیکھ کر ایک رقابت محسوس کرے گا اور بنوہ کو اپنانے یا نہ اپنانے کا جو فیصلہ مذہب کا شکار ہو سکتا تھا اس طرح فی الفور ہو جائے گا۔ یا تو لیٹ بنوہ کے حق میں فوراً فیصلہ کرے خداوند مقنع کا مذہب اختیار کر لے گا یا پھر فوراً پیچھے ہٹ کر بنوہ کو زہیر کے لیے چھوڑ دے گا۔ اسے زہیر پسند تھا لیکن لیٹ اگر اس کے دین میں شامل ہو جائے تو پھر زہیر کے مقابلے میں لیٹ قابلِ تردید تھا۔

ماں نے زہیر اور بنوہ باتیں کرتے رہے۔ زہیر نے خداوند مقنع کو دیکھا تو نہیں تھا لیکن اسے خداوند کا قرب ضرور حاصل رہا تھا۔ بنوہ کو خدا کے بارے میں چند متضاد باتیں معلوم ہوئیں۔ زہیر کی باتوں سے مقنع بیک وقت پیغمبر بھی تھا اور خدا بھی، جس نے انسان میں حلول ہو کر مادی جسم اختیار کیا لیکن اپنے چہرے پر سنہری نقاب ڈال کے اپنے چہرے کے حنیف پیشروں سے انسانوں کو اس لیے محفوظ رکھا کہ وہ اس کی تاب نہیں لاسکتے، زہیر نے بتایا کہ خداوند مقنع کا قول ہے کہ جب موتی اس کے بلوں کی تاب نہ لائے تو عام انسانوں میں اتنا ظرافت اور حوصلہ کمال کہ وہ اس کے بلوں کی تاب نہ لائے اور چہرہ منور کی سورش و چمک کی تاب نہ لائیں۔ اور اسی مختصر سفر میں اُسے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ بنوہ اپنے چھوٹے سے بچنے کے ساتھ عنقریب کشیش چلی جائے گی جہاں خداوند مقنع نے مستقل سکونت اختیار کر رکھی ہے۔ بنوہ نے سوچا۔ "اسے کشیش! لیٹ بھی اس کے دین میں آکر اس کی ہم سفری اختیار کرے۔"

ساحل پر بہت سے لوگ ادھر ادھر گھومتے پھر رہے تھے۔ ان سیکڑوں انسانوں میں لیٹ کو پہچان لینا بنوہ کے لیے دشوار بات نہ تھی۔ اس نے ادھر ادھر نظریں دوڑا کر لیٹ کو تلاش کیا۔ وہ ایک مختصر سی پہاڑی چٹان کے سائے میں بیٹھا کچھ سوز رہا تھا۔ اس کے پیچھے چند قدم کے فاصلے پر لیٹ کا گھڑا بار بار دم ہلاکے اور پیر کو زور زور سے زمین پر ٹک کے شرمیلے ٹکڑے کر اڑا رہا تھا۔ بنوہ نے زہیر سے درخواست کی۔ "زہیر! میں جس سے ملنے آئی ہوں وہ سامنے پہاڑی چٹان کے سائے میں بیٹھا ہے۔ کیا تم مجھے اس سے بات چیت کا موقع دو گے؟"

زہیر نے جواب دیا۔ "مجھے کیا اعتراض ہو سکتا ہے؟"

زہیر اسے چھوڑ کر ساحل کے جنوبی حصے میں چلا گیا۔

بنوہ آہستہ آہستہ چروں کی طرح قدم اٹھاتی بالکل اس کے عقب میں پہنچ گئی۔ اس



تھے دیکھی، لیث کے سلسلے ریت پر بہت سارے کیڑے متحرک پڑے ہیں اور لیث انہیں نہایت  
 انہماک سے دیکھ رہا ہے۔ سمندر کے پریشور مروجین تیزی سے ان کے قریب آئیں اور جھانکی  
 اڑائی والیں علی جانیں۔ بنو قریب کے پیچھے دیر تک کھڑی رہی۔ وہ لیث کی ایک بات پر بہت حیران  
 تھی سمندری مروجیں جب بھی کیڑوں کی طرف آئیں لیث کی کچھ عجیب سی کیفیت ہر جاتی، ایسا لگتا  
 جیسے دم بخود ہو کے اس سلسلے اپنی سانس روک لی ہو، بالکل اس قشاشی کی طرح جو کسی خستہ  
 منظر پر ہے یہیں ہو کے بیٹھے کے انتظار میں اپنی سانس روک لیا کرتا ہے لیکن جب یہ مروجیں والیں  
 چلی جاتی تو لیث مایوس ہو کے زور زور سے سانس لینے لگتا۔ لیث کو کچھ پتہ نہ تھا کہ اس  
 کے پیچھے بنو قریب کھڑی ہے۔

بنو قریب نے اس کی تحویت کو ختم کرنے کے لیے آہستہ سے اس کے بائیں شانے پر  
 اپنا ہاتھ رکھ دیا۔ لیث نے چونک کے پیچھے دیکھا اور بنو قریب کو غلط امتیاز کھڑا دیکھ کے  
 حیران رہ گیا۔ جیسے ہی اسے اٹھ کے کھڑا ہو گیا بولا، ”بنو قریب! خدا کی قسم! میرا دل یہ کہتا تھا کہ تم  
 میرے پاس ضرور آؤ گی۔“

بنو قریب نے سر دھری سے جواب دیا، ”اور میرا دل یہ کہتا تھا کہ میرے پاس ایک بار  
 بھی نہیں آؤ گے۔“

لیث نے افسوس سے کہا، ”تم لوگوں نے کام ہی ایسا کیا ہے کہ میں وہاں نہیں آ سکتا۔  
 تم سب نے اپنے آبائی دین کو ترک کر کے کفر و الحاد کو اختیار کیا۔ اس کفر و الحاد کی دیوار کو گرا دینا  
 کم از کم میرے بس کی بات نہیں ہے۔“

بنو قریب نے جواب دیا، ”کیا دو مختلف عقیدوں کے لوگ آپس میں مل جوں نہیں دیکھتے کیا مٹاؤنا  
 اور علیا میں جوں راہ وہم نہیں ہے؟ اس شہر میں آتش پرست بھی ہیں اور مسلمان بھی۔ کیا ان دونوں میں میں  
 فکات نہیں پائی جاتی؟“

لیث لکھتا ہوا ہو گیا۔ بنو قریب نے افسوس لگا کر جوش سے کہا، ”میری ماں کو بتی ہے کہ تم ایک بڑوں  
 انسان کو اس میں سے نہیں سمجھیں اپنے دل سے نکال دوں۔ ماں نے تم سے لے لیا ایک دوسرے کو بڑوں  
 کا انتخاب کر لیا ہے اور وہ بڑوں اس وقت بھی میرے ساتھ ہے۔ میری ماں کا حکم تھا کہ میں تم سے ملنا  
 کے دوران اسے بھی اپنے قریب رکھوں لیکن میں نے ان کا کہنا نہیں مانا اور اس فوجوان کو قہار سے پاس  
 آتے سے منع کر دیا اور اگر تم ہو کہ ساحل سمندر پر بیٹھے ہو میں تم سے زیادہ اہل کیڑوں  
 میں دلچسپی سے دہے ہو۔“

یہ کہتے کہتے بنو قریب کا دل بھر آیا۔ اس نے آنسوؤں کو چھپانے کے لئے اپنا منہ دوسری طرف پھیر  
 لیا۔ اسی دوران سمندر کی تیز مروجیں اپنی برکت آئیں کو ان دونوں کے بیرون کو بھڑکا دیا جس کی گلیں۔ ساحل کے

سارے کیڑے مجبور کے ساتھ واپس سمندر میں چلے گئے تھے۔ لیث اس منظر سے بہت لطف اندوز ہوا، اس  
 کے چہرے پر مسکراہٹ دوڑ گئی اور اس نے فرط خوشی میں بنو قریب کے ہاتھ پکڑے، بولا، ”اب مجھے تم سے کوئی جدا  
 نہیں کر سکتا۔ میں بڑی دیر سے میرا اسی سنگوں کا منتظر تھا۔“

بنو قریب نے حیرت سے پوچھا، ”سنگوں کی مطلب؟“  
 لیث نے جواب دیا، ”تجربہ کار سمندر میں کون کیڑوں کی ایک خاصیت پائی جاتی ہے۔ جب  
 ٹکڑے ٹکڑے افعیل اور ساحل پر پھینکی جاتی ہیں تو یہ کیڑے ساحل پر پڑے جیسے ان پتک جمانے والی  
 مروجوں کا انتظار کرتے رہتے ہیں کہ وہ دوبارہ آئیں اور انھیں ساتھ لے جائیں۔“ پھر وہ ہنسنے لگا بولا، ”حالانکہ  
 ان کیڑوں کو یہ حلوہ ہم ہوتا جا بیٹھے کہ وہ جس سمندریں واپس جانا چاہتے ہیں وہ ان سے زیادہ غافل  
 پر نہیں ہے۔“

بنو قریب نے حیرت سے کہا، ”مجھے ان فضول باتوں سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ کیا کہنے کی ساری اتنے  
 زیادہ ہیں کہ میں ان سے مزہ توڑ کے کیڑوں کا سمندری امواج پر غور نہیں کر سکتی؟“

لیث نے بنو قریب کو سر سے پر تک دیکھا، بنو قریب نے سر کا رد مال کھو بکھو لہا اور آزاد  
 لمبی لمبی سیاہ زلفوں نے ہوا میں لہان شروع کر دیا۔ لیث کو اس بنو قریب غیر معمولی دلکش محسوس ہوئی۔ اس کا  
 ہاتھ پکڑنے کے چٹان کے سایہ میں زرا دور سے چھانچا اور وہاں ایک پتھر پر بیٹھ کر بنو قریب کو بھی اپنے پاس ہی  
 بٹھا لیا۔

بنو قریب نے اپنا ہاتھ چھڑا لیا، بول، ”اس وقت میں معلوم کرنے آئی ہوں کہ تم میرے بارے میں  
 کیا فیصلہ کیا ہے؟“

لیث نے نرمی سے کہا، ”یہی میں خود بھی تم سے معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ تم نے میرے معاملے  
 میں کیا فیصلہ کیا ہے؟“

بنو قریب نے کہا، ”میرا فیصلہ صاف ہے، میں تمہیں نہیں چھوڑنا چاہتی اور ساتھ ہی اپنے والدین  
 کو بھی نہیں چھوڑ سکتی۔“

لیث نے مایوسی سے کہا، ”اپنے اس فیصلے کی روشنی میں کیا تم یہ پسند کر دو گی کہ میں اپنے والدین کو  
 چھوڑ دوں حالانکہ میں تو دلچسپی نہیں چھوڑنا پسند نہ کر دوں گا؟“

بنو قریب نے کہا، ”یہ پتہ تو مجھے والدین کو اس پر مجبور کیوں نہیں کرتے کہ وہ خداوند متعال کے دین  
 میں آجائیں اور خداوند کے مسخرے بننے سے ہونے دین کو ترک کر دیں؟“

لیث نے سختی سے جواب دیا، ”میں ان سے ایسی بات کہنے کی جرأت تک نہیں کر سکتا۔ رسول اللہ  
 کے بعد جو شخص نبوت یا الوہیت کا دعوے کرے وہ جھوٹا ہے۔“

بنو قریب نے تنہا کر کہا، ”میں یہی باتیں ان کے بارے میں نہیں کہہ سکتی جن کا تم احترام کرتے ہو۔“



لیکن تہیں بھی اپنے ہاتھ اس کے خلاف خداوند متعال کے لئے نہیں ادا کرنا چاہیں۔  
 معلوم نہیں لیٹ نے اس کی باتیں نہیں سنی یا نہیں کیونکہ وہ اس وقت اپنی ٹھوڑی سینے پر رکھ کر سوچ رہا تھا اور اس کی آنکھیں آنسوؤں سے بھلائے تھیں۔

بڑے نے افسوس سے کہا: اگر تم نے بڑل دھکا تو میں زحیر سے وابستہ کر دی جاؤں گی۔  
 اور ہاں سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے خداوند متعال کی سرزمین کشمیری ہاں کی ہے۔

لیٹ نے اسے ششماک آنکھوں سے دیکھا اور بے اختیار اس کی زلفیں ہاتھ میں لے کر تھوڑے سے لگائیں، انہیں سوچنے لگا ہوا ہوا۔ ان سے محروم ہو جانے کا اس اپنے دل میں خیال تک نہیں لاسکتا، لیکن یہ بھی ایک تلخ حقیقت ہے کہ میں کسی جوع نے دہی نبوت داؤد پرست پر ایمان لائے تھے ہیں اپناؤں؟

بڑے نے اس کے ہاتھ سے اپنی زلفیں جھڑا لیں، غصے سے بولی: تمہاری فکر صاف نہیں ہے ابھی ہولکے میری ماں کا قول ہے کہ آدمی کی بھادری یا تو میدان جنگ میں ظاہر ہوتی ہے یا پھر بساط حجت میں اور بساط طاعت میں تم بڑل ثابت ہوئے ہو؟

ہوسکتا ہے! لیٹ نے نرمی سے کہا: ایسی بھادری کس کام کی جس میں ایک انسان اپنا سب کچھ گنوا کر نام نہاد بھادری کا تمغہ حاصل کرے؟  
 بڑے نے پوچھا: تو یہ تمہارا آخری فیصلہ ہے کہ تم میری خاطر بھی خداوند متعال کا دین نہیں اختیار کرو گے؟

لیٹ نے آہستہ سے جواب دیا: میری دعا ہے کہ تم اپنی خواہش بدل دو تم میری آواز دو تو ضرور کرو لیکن اس آواز میں یہ دوسری خواہش زخماں کرو تو اچھا ہے!

اس کے بعد بڑے نے کوئی بات نہ کی، سکوت اختیار کیا اور اپنی بے بسی پر آنسو بہانے لگی۔ وہ مدتی دہی اور کچھ سوچ رہی۔ لیٹ نے بھی ہراس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لینا چاہا لیکن بڑے نے ہراس کا ہاتھ جھٹک دیا، بڑے کا ایک ایک ادا اس کے دل میں تیر کی طرح آتے رہی جا رہی تھی۔ اس کے آنسوؤں نے تو کچھ زیادہ ہی مضطرب کر دیا۔ بڑے نے کسی یاد اپنی اشک آلود نظریں اوپر اٹھائیں اور بے ہوش سے لیٹ کو دیکھا اس کا یہ حربہ کچھ زیادہ موثر ثابت ہوا۔ بڑی بڑی جیسی ہلکی اپنی نوکوں پر آنسوؤں کے شیشی قطرے لٹے۔ لیٹ کے سامنے اٹھتے قرآن کی حکمت سے اس کے عقائد اور ایمان میں موم کی طرح پگھلن شروع ہو جاتی۔

آنسو نے بڑے کا ہاتھ پوری قوت سے پھڑکا۔ بڑے نے بڑے بڑے فوری فیصلے پر مجبور نہ کر دے۔ مجھے سوچنے کا موقع دو، مجھے کچھ وقت دو۔ بڑے کا حمان میں جان آئی حسرت سے چہرہ اٹھکے پوچھا: کتنا موقع، کتنا وقت؟

لیٹ نے جواب دیا: بس دو دن کا، پرسوں تک کا!۔  
 بڑے نے آنسوؤں سے ہرگز آنکھیں شوش سکر لیٹ سے نہیں کر لیں، بولی: لیکن میں پرسوں تک سنا جا رہی جا رہی ہوں اس کے لئے دو دن دے سکتی ہوں، بس اور کچھ نہیں؟

بہر حال مجھے سوچنے کا موقع دو۔  
 لیٹ کے نرم اور معافانہ رویہ سے بڑے کا دل ٹھہرے لگا۔ اس نے گرم جوشی سے ہاتھ پکڑ لیا اور آنکھیں بند کر کے سنبھلی کی نپٹ کو ہرگزوں سے لگایا بولی: خداوند متعال کے نام پر یہ بات کہنے کے لئے؟

بڑے کا یہ جملہ لیٹ کو پسند نہیں آیا لیکن اس نے اس ناقص العقل لڑکی کا دل بھی نہیں ٹوٹا ہوا۔  
 بڑے نے آنکھیں کھول دیں اور مسکراتے ہوئے پوچھا: تو تم کو تو اسے ٹھکرانے کیس طرح لگے ہے حق؟

لیٹ کو بھی ہنس لگتی، بولا: تم نے یہ سوچا تھا کہ اگر تم نے دیکھ لیں گے کہ وہ بڑا سنا ہے میرے لئے نہیں تو محلات اور وفات کی امواج تہیں ہیں کہیں نہ کہیں میری قوم میں لاؤالیں گی، چنانچہ علیٰ حق جب تم میرے پاس پہنچیں میری قوم میں لے کر لیں اپنے ساتھ واپس لے لیں؟

بڑے ٹھکھکا کے ہنسنے لگی: کاہل کہیں کے، بیکراہنہ کوئی ابھی بات تو نہیں، تمہیں تو مدت اور وقت کا اپنے قابو میں لانے کی کوشش کرنا چاہیے نہ کہ خود کو ان کے دھوکہ پر غور کرو۔  
 اسی وقت ان دونوں کے قریب زہیر آگیا۔ لیٹ نے اس مردانہ دباہت کے سینے پیکر کو ہلکے انداز سے دیکھا، بڑے کچھ بڑا زوردار اور صبر کشی اور دونوں ایک دوسرے سے عقاربند کر دیا۔ لیٹ بڑے بڑی کر کہیں واقعی یہ حسین بیکر بڑے کو خود پر مائل نہ کرے۔

زہیر نے نہایت فراع دل سے کہا: یہ لیٹ جس نے تمہارا ذکر تو بہت سنا تھا لیکن خوش قسمتی کے آج ملاقات ہو گئی؟

لیٹ نے ناگاری سے جواب دیا: لیکن میں نے تمہارا ذکر پہلی بار ٹھوڑی دیر پہلے بڑے سے لکھا اور میری خیال ہے کہ اگر میں سچ بولوں تو تم تاراج دہو گے، میں تم سے بل کے ذریعے خوش نہیں ہوا، زہیر کیا کی بولا یہ کوئی بات نہیں، سچ کی مخالفت کون کر سکتا ہے اور مجھے تمہارے اس بارے میں کچھ بھی خوشی ہو رہی؟

بڑے نے دھندلے انداز میں لیٹ کو کندھے سے پکڑا اور ایک طرف پیٹتے ہوئے زہیر سے بولی: زہیر! تو اتنا نانا۔ میں ان سے پڑھا میں کر کے ابھی آئی ہوں، اس کے بعد واپس میں گئے، زہیر نے اسی خراج دل کا مظاہرہ کی بولا: کوئی بات نہیں؟  
 بڑے کو یہ ایک طرف سے ہاں کے سے بڑا ہوا کہنے لگی: کیا تم زہیر کو حق نہیں رکھتے؟ کیا کیا



نے نہیں پہنچے ہی یہ نہیں بتا رہا تھا کہ میری ماں کو یہ نوجوان پسند ہے اور پھر یہ کہ زمر میری چھٹی اور چھٹا لکھا ہے۔ اسے خداوند متعال کے منع کرنے کا شرف بھی حاصل ہے۔ کیا تم نے سمجھ کر نہ کہہ دیا؟  
 سے جس کی جلی کی باتیں کیں ہیں ان کا اس پر کوئی اثر ہوگا؟ پھر اکبریدہ ہو کر کہنے لگی۔ میں نے اسے  
 سلیقے اور نہانے کی کوشش کر دی ہوں تم دیکھو کہ خداوند سے اتنی ہی بھگوتی ہے  
 بر۔ لیٹ: میں نہیں خداوند متعال کا واسطہ دوں گی کہ خداوند متعال سے کام نہ لے کر خداوند متعال سے  
 بوقت کے نہ زمر کی تعریفیں میں کر لیٹ ایک بار پھر زمر کے محمد کی آگ میں چلنے لگی  
 بوقت: اقراس نوجوان کی معنی تعریفیں کرنا یا بوشوق سے کرنا میں اس شخص سے پرہیز کرتی ہوں  
 میں اس سے نفرت کروں گا اور اس کا برملا اظہار بھی کروں گی۔

”تب پھر میری نسبت ہی غراب ہے۔“ بوقت نے مایوسی سے کہا۔ ”کہ انہی میری ماں  
 کی لہجہ برداشت نہیں کر سکتی۔“

لیٹ اس کی صورت دیکھتا رہا۔ زمر ایک بار پھر ان دونوں کے قریب پہنچ گئی۔ زمر  
 کے بولا۔ لیٹ میرے دوست! میں نہیں جانتا کہ وہ دونوں کون سی باتیں کر رہے ہو اور پھر  
 معلوم کر کس الجھن اور کس تکبر سے تم دونوں کو پریشان کر رکھا ہے۔ اس کے باوجود میں تم دونوں کو  
 ہر وقت دلانے کو تیار رہوں گا میں تم دونوں کے درمیان وہ کشمکش نہیں بنانا چاہتا۔ تم دونوں کو ایک  
 کو اپنانے کا بہترین موقع حاصل ہے، بہت سے کام لے کر اس موقع سے فائدہ اٹھا لو لیکن اگر  
 ناکام رہے ہو تو پھر میری تم سے درخواست کروں گی کہ جلد اور جلد درمیان میں ہونے کی کوشش  
 اس صاف گوئی نے دونوں ہی کو حیران کر دیا۔ بوقت نے جواب دیا۔ ”زمر یہ لیٹ  
 باتیں پسند نہیں کرتے اس لئے میری تم سے درخواست ہے کہ ایسی باتوں سے اجتناب کرو۔“ پھر  
 نفوس سے گفتگو کرتی ہوئی بولی۔ ”دیکھ لیٹ نے مجھ سے وعدہ کر لیا ہے کہ وہ دوسرے بعد وہیں  
 سے صبح کو آئیں گے اور یہ فیصلہ وہی ہوگا جس کے ہم میں خواہشمند ہیں۔“

زمر نے غصے سے کہا۔ ”خداوند متعال لیٹ کے ارادوں کو تقویت بخشنے۔ یہ ایک اچھا  
 لیٹ چپ رہا، کئی بار اس کے جی میں آئی کہ وہ ان دونوں کو صاف یہ بتا دے  
 ان کا تیاں غلط ہے وہ سفید جہان میں شامل ہونے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتا۔  
 جدا ہونے سے پہلے بوقت نے لیٹ سے پوچھا۔ ”وہ دونوں بددلت کو تم اپنے  
 شے کیسے متعلق کر دے گی۔“

لیٹ نے کہا۔ ”میں خود ہمارے گھر آ جاؤں گا، تم میرا انتظار کرنا۔“  
 بوقت نے پھر نے سے پہلے لیٹ کو بے بسی اور التجا آمیز نظروں سے دیکھا  
 کہ وہ یہی کہتا دیکھ لیٹ کیسے مایوس نہ کرنا۔

وہ دن بعد عشاء سے ذرا پہلے لیٹ لوگوں کی نظروں سے ہٹا جاتا، بوقت کے گھر پہنچ گیا  
 اور وہ گھر میں بوقت اور اس کی ماں کے علاوہ اس کا باپ اور زمر بھی موجود تھا۔ بوقت کا باپ  
 بوقت کی طبیعت کی باتیں کیں ہیں ان کا اس پر کوئی اثر ہوگا؟ پھر اکبریدہ ہو کر کہنے لگی۔ میں نے اسے  
 سلیقے اور نہانے کی کوشش کر دی ہوں تم دیکھو کہ خداوند سے اتنی ہی بھگوتی ہے  
 بر۔ لیٹ: میں نہیں خداوند متعال کا واسطہ دوں گی کہ خداوند متعال سے کام نہ لے کر خداوند متعال سے  
 بوقت کے نہ زمر کی تعریفیں میں کر لیٹ ایک بار پھر زمر کے محمد کی آگ میں چلنے لگی  
 بوقت: اقراس نوجوان کی معنی تعریفیں کرنا یا بوشوق سے کرنا میں اس شخص سے پرہیز کرتی ہوں  
 میں اس سے نفرت کروں گا اور اس کا برملا اظہار بھی کروں گی۔

”تب پھر میری نسبت ہی غراب ہے۔“ بوقت نے مایوسی سے کہا۔ ”کہ انہی میری ماں  
 کی لہجہ برداشت نہیں کر سکتی۔“

لیٹ اس کی صورت دیکھتا رہا۔ زمر ایک بار پھر ان دونوں کے قریب پہنچ گئی۔ زمر  
 کے بولا۔ لیٹ میرے دوست! میں نہیں جانتا کہ وہ دونوں کون سی باتیں کر رہے ہو اور پھر  
 معلوم کر کس الجھن اور کس تکبر سے تم دونوں کو پریشان کر رکھا ہے۔ اس کے باوجود میں تم دونوں کو  
 ہر وقت دلانے کو تیار رہوں گا میں تم دونوں کے درمیان وہ کشمکش نہیں بنانا چاہتا۔ تم دونوں کو ایک  
 کو اپنانے کا بہترین موقع حاصل ہے، بہت سے کام لے کر اس موقع سے فائدہ اٹھا لو لیکن اگر  
 ناکام رہے ہو تو پھر میری تم سے درخواست کروں گی کہ جلد اور جلد درمیان میں ہونے کی کوشش  
 اس صاف گوئی نے دونوں ہی کو حیران کر دیا۔ بوقت نے جواب دیا۔ ”زمر یہ لیٹ  
 باتیں پسند نہیں کرتے اس لئے میری تم سے درخواست ہے کہ ایسی باتوں سے اجتناب کرو۔“ پھر  
 نفوس سے گفتگو کرتی ہوئی بولی۔ ”دیکھ لیٹ نے مجھ سے وعدہ کر لیا ہے کہ وہ دوسرے بعد وہیں  
 سے صبح کو آئیں گے اور یہ فیصلہ وہی ہوگا جس کے ہم میں خواہشمند ہیں۔“

زمر نے غصے سے کہا۔ ”خداوند متعال لیٹ کے ارادوں کو تقویت بخشنے۔ یہ ایک اچھا  
 لیٹ چپ رہا، کئی بار اس کے جی میں آئی کہ وہ ان دونوں کو صاف یہ بتا دے  
 ان کا تیاں غلط ہے وہ سفید جہان میں شامل ہونے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتا۔  
 جدا ہونے سے پہلے بوقت نے لیٹ سے پوچھا۔ ”وہ دونوں بددلت کو تم اپنے  
 شے کیسے متعلق کر دے گی۔“

لیٹ نے کہا۔ ”میں خود ہمارے گھر آ جاؤں گا، تم میرا انتظار کرنا۔“  
 بوقت نے پھر نے سے پہلے لیٹ کو بے بسی اور التجا آمیز نظروں سے دیکھا  
 کہ وہ یہی کہتا دیکھ لیٹ کیسے مایوس نہ کرنا۔

لیٹ نے غصے سے کہا۔ ”خداوند متعال لیٹ کے ارادوں کو تقویت بخشنے۔ یہ ایک اچھا  
 لیٹ چپ رہا، کئی بار اس کے جی میں آئی کہ وہ ان دونوں کو صاف یہ بتا دے  
 ان کا تیاں غلط ہے وہ سفید جہان میں شامل ہونے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتا۔  
 جدا ہونے سے پہلے بوقت نے لیٹ سے پوچھا۔ ”وہ دونوں بددلت کو تم اپنے  
 شے کیسے متعلق کر دے گی۔“

لیٹ نے کہا۔ ”میں خود ہمارے گھر آ جاؤں گا، تم میرا انتظار کرنا۔“  
 بوقت نے پھر نے سے پہلے لیٹ کو بے بسی اور التجا آمیز نظروں سے دیکھا  
 کہ وہ یہی کہتا دیکھ لیٹ کیسے مایوس نہ کرنا۔



پیدا ہو تاکہ سے تو میں خود ہی باہر چلی جا تا کہوں ؟  
 مان نے اسے دھکی جا یا باہر چلی تو میرا تم باہر کیوں جا سکتے ہو لیٹ کو۔ عرصہ سنا سنا ہے  
 تھکے سے سامنے میں سنا سنا ہے ؟  
 لیکن زمر نہیں رکاوہ باہر چلی گیا، اس واقعے نے ماحول کو کسی حد تک بھل کر دیا اور لوگوں کے دل سے ہر

سے نفوس اور ملاں جھٹکتے لگا۔

بوتقہ کے باپ نے کہا: ہاں، اب سناؤ اپنا فیصلہ۔

بوتقہ نے صبر اور غصے سے اور مان نے ناگواری سے گردن جھکا لی تھی۔ لیٹ نے

باری پر ایک کی طرف دیکھا، اس کے بعد بوتقہ کے باپ سے پوچھا: کیا آپ نے واقعی یہ ارادہ کر

کر رکھا ہے کہ کسی میں جا نہیں ؟

”ہاں، ہم نے یہ فیصلہ کر لیا ہے اور اس پر بہت جلد عمل درآمد بھی کر سکتے ہیں۔“

لیٹ نے پوچھا: اگر بوتقہ سے منسوب کوئی گئی تو یہ کہاں رہے گی اور میں کہاں رہوں گا؟

بوتقہ کے باپ نے جواب دیا: ”شادی کے بعد مان باپ کا اپنی بیٹی پر اختیار تو نہیں ہوتا، شادی

پہلے اپنی ہی کرے گی لیکن بوتقہ اور فدا، اس امر پر مرد اس سے متفق ہے۔ جب تم فدا و فدا متفق کے دیلاؤ

جو جادوئے تھکے تھکے سے لے کر زمین تک اور محدود ہو سکتے ہیں، اس وقت تمہارے لئے یہ ضروری ہے

کہ تم فدا و فدا متفق کے قریب پہنچ جاؤ۔ شادی کے بعد میں نہیں اپنے ساتھ کبھی لے جاؤں گا۔“

”اگر میں وہاں نہ جاتا جاؤں تو؟“

”تب چھوڑ کر تم یہیں رہو گے لیکن یہ یاد ضرور رکھنا کہ یہاں کے لوگ اور ضابطہ عیسائی کے خلاف

عصیان جاتے ہیں۔“

”ایسا نہیں ہوگا۔“ لیٹ نے اصرار سے کہا۔

بوتقہ نے جھٹکا: ”تم اپنا فیصلہ تو سناتے نہیں اور فضول باتیں ہی دیکر کے سارے یہ۔“

لیٹ نے خستہ لہجے میں اپنا چل بوتقہ سے سوال کیا: ”بوتقہ اگر تم میری سب سے بہتر دوست اور میری فیصلہ

سکرنا پڑا تو تم کیا فیصلہ کر سکتی ہو؟“

بوتقہ نے ہنسنے پر ہنسنے سے بچنے کی کوشش کی لیکن اس کی بات کی کچھ سکتی تھی۔

”لیٹ نے اس کے لئے کہا: یہ فیصلہ تمہارے یا نہ تمہارے لیکن میں اس کے فیصلے سے واقف

نہیں ہوتی تھی کہ خلاف کوئی فیصلہ نہیں کرے گا۔ لیٹ مجھے ارادے نہیں دیکھ سکتی۔ لیٹ یہ بھی نہیں دیکھ  
 سکتی تھی کہ اگرچہ اس کا دل نہیں ہے لیٹ کو۔ لیٹ نے پھر اس سے وفہ غرض لیٹ کو دو دنوں میں اس سے کہنا کر لیا دیا۔  
 لیٹ نے پھر اس سے کہنا کر لیا دیا۔ لیٹ نے پھر اس سے کہنا کر لیا دیا۔ لیٹ نے پھر اس سے کہنا کر لیا دیا۔

بوتقہ کا باپ بھی باپوں کی طرح تھا، آہستہ سے اٹھا اور بوتقہ کو زبردستی الگ کر دیا، بولا: اس عرصے

میں کا دورہ کرنا ہی وہاں ہے۔ لیٹ نے کہا: ”بھئی، اب تم میرا شہر نہ کرنا۔“

لیٹ نے جواب دیا: ”اگر آپ لوگ یہ پسند کریں کہ میں اپنا ان ترک کے بغیر بوتقہ کو اپنا لوں تو میں

بوتقہ سے بھی چلی نظر اس سے لیٹ کو دیکھا اور بے ہوش ہو کر گر گئی۔ مان فوراً ہی اٹھ کے اندر

چلی گئی۔ جاتے جاتے کہ گئی: ”کیا میں نے لیٹ کا یہ فیصلہ نہیں پہنچا لیا تھا؟“

باب نے بوتقہ کو اٹھ کے تخت پر لٹا دیا اور لیٹ کو حکم دیا: ”اب تم اس وقت یہاں سے چلے

تو میں نے تمہارا فیصلہ سن لیا ہے اور تمہارا یہ فیصلہ جس سے کسی کو حق منظور نہیں ہے کہ بوتقہ تک کو منظور نہیں

لیٹ نے اپنے یہ فیصلہ سنا تو دیا تھا لیکن بوتقہ کو کھینچنے پر اس کا دل بڑھتا ہے۔“

لیٹ نے اپنے یہ فیصلہ سنا تو دیا تھا لیکن بوتقہ کو کھینچنے پر اس کا دل بڑھتا ہے۔“

مان نے منظر کے مطابق لیٹ کے کہہ کر اس سے یہ زمر کو لکھا دیا۔ زمر کی دلچسپی اور

زمر میں بھر تو ادھر ادھر تبلیغ میں لگا رہا اور شام ہوتے ہی وہ بوتقہ کو لے کر ساحل پر پہنچ جاتا

یہاں لیٹ بھی موجود تھا۔ لیٹ کے لئے یہ عورت سماں بڑی کرنک ہوئی کہ اس کی بوتقہ زمر سے محبت کر رہی تھی۔

بوتقہ نے جھٹکا: ”ایسا نہیں ہوگا۔“ لیٹ نے اصرار سے کہا۔

بوتقہ نے جھٹکا: ”ایسا نہیں ہوگا۔“ لیٹ نے اصرار سے کہا۔

بوتقہ نے جھٹکا: ”ایسا نہیں ہوگا۔“ لیٹ نے اصرار سے کہا۔

بوتقہ نے جھٹکا: ”ایسا نہیں ہوگا۔“ لیٹ نے اصرار سے کہا۔

بوتقہ نے جھٹکا: ”ایسا نہیں ہوگا۔“ لیٹ نے اصرار سے کہا۔

بوتقہ نے جھٹکا: ”ایسا نہیں ہوگا۔“ لیٹ نے اصرار سے کہا۔

بوتقہ نے جھٹکا: ”ایسا نہیں ہوگا۔“ لیٹ نے اصرار سے کہا۔

بوتقہ نے جھٹکا: ”ایسا نہیں ہوگا۔“ لیٹ نے اصرار سے کہا۔











زیر کرنے غصے سے کہا: "زیادہ بننے کی کوشش مت کرو اور سیدھی طرح اس کا پرتہ بادو!"  
 بڑا کا باپ بھی گھوڑے سے نیچے آگیا، کسی اجنبی کی طرح لیٹ کر نما گلب کیا: "ابینی اور جوان!  
 تم سے جو بڑ بچا جا رہا ہے اس کا صحیح جواب دو اور فضول باتوں میں مت الجھاؤ!"  
 لیٹ کر لیٹنے چاہے اس انداز نما گلب پر اس سس برہا مگر پھر سنبھل گیا اور اپنے چاہی  
 کی طرح بیگانہ روش اختیار کر لیولانا: "او اجنبی بوڑھے! میں تمہیں جاننا کہ تو میں کی بات کر رہا ہے!"  
 دتے میں اس کا تیسرا سنا تھی چلائی: "تم لوگ فضول کے سوال و جواب میں اپنا وقت بلاوجہ ضائع  
 کر رہے ہو نا ادھر آؤ سرے پاس، میں تمہیں دوسرے گھوڑے کے تالوں کے نشانات بھی دکھاتا ہوں۔  
 ادھر آؤ، دیکھ رہے ہو یہ نشانات، اب ان پر چل کر تم خود ہی بڑا تک پہنچ سکتے ہو!"  
 زیر اور جعفر دونوں اس تیسرے شخص کے پاس پہنچ گئے اور بھگتے ان نشانات کو دیکھنے  
 لگے۔ لیٹ کر لیٹیں ہو گیا تھا کہ اب تو وہ کی بھی نہیں رہ سکتی۔ اس نے سوچا بڑا بڑا سوال و جواب کا  
 مسئلہ چلے گا اور پتہ نہیں کہ اس کی اپنی موجودگی بڑا بڑا کسے قیاسی کہی معجز ثابت ہو۔ اس نے چپ چاپ  
 اپنے گھوڑے کا رخ موڑ دیا اور ان آڑے ترچھے راستوں پر اپنا گھوڑا بھیگانے لگا۔ جن سے گزر کے  
 وہ کافی دیر پہلے یہاں پہنچا تھا۔  
 لیٹ کر رہا تھے ایک کر زیر اور دوسرے ہی لمحے خود ہی گھوڑے کی پشت پر سوار ہو گیا۔ بڑا  
 کے باپ سے کہا: "تم ان نشانات کی مدد سے بڑا تک پہنچنے کی کوشش کرو، میں اس ذیل نوجوان کا پیچھا کرنا  
 ہوں۔ یہ یوں نہیں بچ سکتا!"  
 اس کے بعد اس نے ڈیر لگا دی اور زیر پر گھوڑا ہوا سے باتیں کرنے لگا۔

لیٹ کر اچانک غصے سے ہوا کہ کوئی اس کے مقابلے میں بڑا ہوا ہے۔ لمبو بھر کے لئے وہ اس خوش  
 فحش میں مبتلا ہو گیا کہ شاید بڑا بڑا بڑا کر کے بچ بچا کے اس کے نیچے آ رہی ہے۔ اس نے گھوڑے کے  
 منہ میں تھینج لی اور اس کے نیچے دیکھنے لگا۔ زیر پر پہلے تو ایک چھوٹے سے بیوے کی شکل میں دکھائی دیا۔  
 کیونکہ اچھے بڑے گروہ خاں میں وہ صاف نظر نہیں آ رہا تھا۔ یہ گروہ خاں کہتا ہے کہ تم بڑا رہا اور جیسے  
 بیٹے زیر اس سے قریب ہوتے دکھا، گروہ خاں کی دھندلاہٹ میں کہ ہوتی تھی یہاں تک کہ جب وہ بالکل لیٹ  
 کے سر پر پہنچ گیا تو ایک دم ہلکے بھینے کے گھوڑے کو روک لیا۔ گھوڑا الف ہو گیا، زیر پر اپنا توازن قائم نہ کر  
 سکا اور گھوڑے کے نیچے گر گیا۔ لیٹ کر گھوڑے سے کہہ کر زیر کو اٹھنے میں مہار دیا لیکن زخمی زیر نے  
 حقیر آمیز انداز میں لیٹ کر بڑی دیا: "تم مجھ سے دور ہو، ذیل نوجوان، میں تمہارا احسان نہیں لینا چاہتا!"  
 لیٹ خوں کے گھوڑا ہی کے رہ گیا۔ بولانا: "بے ذین انسان! میں نہیں مہار دے کے تم پر احسان  
 نہیں کرتا بلکہ ایک انسان کی فریضہ تھا جو میں انجام دیتا!"

کچھ بھی کرنا زیر نے جس سے معذرت سے کہا: "میں تم سے ہر طرح دُور رہنا چاہتا ہوں!"  
 یہ کہتے کہتے زیر گھوڑا کھڑا ہو گیا: "اب میں میرا نہیں ہوں پھر کسی کا احسان کیوں کروں!"  
 لیٹ کر کوئی جواب نہ دیا اور گھوڑے پر بیٹھ کے کہاں سے چلے جانا یا لیکن زیر نے گرج  
 کے کہا: "تم ابھی یہاں سے نہیں جا سکتے!"

"وہ کیوں؟" لیٹ کر بے مروت سے پوچھا۔  
 "وہ یوں کہ میں جب تک بڑا تو نہیں لی باتی ہم تمہیں یہاں سے دندم بھی نہ جانے دیں گے!"  
 یہ انا اور ضد کی بات تھی۔ لیٹ کر گھوڑے کو گتے بڑھایا اور غصے میں کہا: "کون ہے جو  
 مجھ کو گتے کی کوشش کرے گا۔ میں جا رہا ہوں اور تم میں بھی مجھے روکنے کی ہمت ہو میرے مقابل نہ!"  
 زیر تلوار سے کے لیٹ کر بھگتہ لیٹ بھی دینے والا نہیں تھا۔ اس نے بھی تلوار نکال لی اور  
 دونوں کا مقابلہ کرنے لگا۔ دونوں ایک دوسرے کے گلے سے بچنے بچھنے لگے، معلوم نہیں کس طرح کافی دیر  
 جدلیت کی توار زیر کے بازو میں اتر گئی وہ منہ مار کے زیر پر ہو گیا۔ لیٹ کر اس کے قریب جھٹکے لگا۔ زیر  
 نے گھوڑے سے بچ کر کہا: "تم یہاں مت آؤ بلکہ میں خود چلے کے تمہارا پاس بیٹاؤں گا۔ تم واپس جاؤ!"  
 لیٹ کر اسے سر نہ کرنے کی غرض سے کہا: "میں جا ہوں تو تمہیں قتل کر دوں لیکن میں ایسا  
 نہیں کروں گا حالانکہ تم میری جگہ ہوتے تو مجھے ہرگز معاف نہ کرتے!"  
 زیر پر شکلی اظہ کے کھڑا ہو گیا: "میں اتنا کم ظرف نہیں ہوں اور کم ظرف نوجوان!"  
 لیٹ کر پھر قہر آ: "اس وقت گھر کے چوٹ کہا جانے کی وجہ سے تمہارا دامنی توازن درست نہیں  
 ہے۔ اس لئے میں تمہیں یہ مشورہ دیتا ہوں کہ تم پہلے اپنا دامنی توازن درست کر لو۔ اس کے بعد مجھ سے مقابلہ  
 کرو میں ہاگول سے لڑنا اپنا بے عزتی سمجھتا ہوں!"  
 زیر پر کی کی سی تیزی سے اٹھا اور لیٹ کر چلا گیا۔ لیٹ کر اسے اپنی تلوار پر روک لیا اور چہرہ برائی ہو گیا۔  
 اور زیر کو کئی کر دیا۔ زیر پر سے بچنے سے کہا: "تم مجھے قتل کر دو میں تم سے معافی نہیں مانگوں گا۔ میں رعایت نہیں  
 چاہتا۔ تم بڑا سے کام مت لو!"  
 لیٹ کر واپسی کے ارادے سے گھوڑے کا رخ موڑا اور کہنے لگا: "میں جا رہا ہوں اور اب مجھے  
 کوئی بھی نہیں روک سکے گا!"  
 زیر پر چھینچا: "افسوس کہ میں تمہارا پیچھا نہیں کر سکتا لیکن اسے تم قریب سمجھو جسے میں بہت جلد لے دوں گا!"  
 لیٹ چلا گیا۔ کچھ دیر بعد بعد اس کے سامنے کو بڑا مل گئی۔ باپ اپنی سے سہراہ سوالی جواب  
 کر کے وقت ضائع کرنا نہیں چاہتا تھا اس نے خود کو اندازوں سے بڑا کر دیکھا اور کہا: "تیری یہ حرکت مجھے  
 پسند نہیں آئی لیکن خداوند متعال کے ایک ہر جوشی سبب نے مجھے پسند کر لیا ہے اس لئے میں تجھے کوئی سزا بھی  
 نہیں دے سکتا۔"



بزدل کو جب وہاں لیٹ نظر نہیں آیا تو اس کا ہاتھ اٹھا کھٹکا، اس نے گڑبڑ میں غصہ کیا اور اس پر جلتے کی کوشش کی کہ کہیں لیٹ کر نہ نہیں دیکھا لیکن وہاں لیٹ کا نام وقت تک نہ اٹھا۔ باب اس شخص کو غصہ کرنے بولا: "تم کیسے تلاش کر رہے ہو لیٹ؟ لیٹ کہاں کی لیٹ لیکن تم سے ملنا میرے لئے زندہ وسالت دہاں نہیں بنائے دے گا۔ وہ اس کے تھاقب میں گیا ہے اور اس کے مقابلے میں موت لیتی ہے۔"

بزدل کو اب کچھ نہیں البتہ دل ہی دل میں لیٹ کی سلامتی کی دعا فرما رہا تھا۔

میتوں کو دہاں میں زمر ایک گڑبڑ تھی چڑا کھاں دیا۔ بیٹھ اور اس کے سامنے گھومتے گھومتے گھومتے اس کی غیرت پوچھی۔ زمر نے ساری روز اور ساری اور آخر میں کہا: "اگر میں زمر ہو گیا ہوں تو وہ پتہ کے نہیں ہو سکتا تھا۔ پھر بزدل کو جیت کی نظروں سے دیکھ کے جھوٹے سوال کیا: "یہ کہاں سے جھوٹے شخص سے کہا۔ میں تمہاری وجہ سے مجبور ہو گیا ہوں اور نہ اس سرکش اور زوردار کو اس نامتو کی حرکت پر وہ سزا دینا کہ یہ زندگی بھر یاد رکھتی ہے۔"

زمر نے کہا: "میں نے گھڑے پر سوار کرادو میں زیادہ بچتی نہیں ہوں۔"

جھوٹے اپنے سامنے کی مدد سے زمر کو گھڑے پر بٹھارادو اور زمر نے حصوں کو چڑی کے تڑکھٹے چار کے سر کے باندھ دیا۔ زمر گھوڑے کی پشت پر ہی مشرق کی پشت پر اس کے سجدے کر گیا بولا: "سزا دنا متفق: کیا تو اپنے خاص بندوں کو بسے میں مسکوں کے ہاتھوں تخلیق نہیں کرتا نہیں دیکھ ہا، تجھ نا تو اس کو اتنی طاقت عطا فرما کہ اس شخص کو جتنا کہتے دے سکوں۔"

زمر کی دیکھا دیکھا اس کے دروہاں سامنے بھی بکھوے میں گر گئے اور آئین آئین کہنے لگے۔ بزدل بڑو گھوڑے پر تھیں مچھلی۔ زمر اپنے گھوڑے کو ذرا اونٹ کے بوز کے ترس، مچھلی کی اور شا کی لیے کہا: "بزدل میں نے کسی نہیں کسی بات پر بزدل تو نہیں کیا؟"

بزدل نے غصہ میں گردن ہلا دی۔

زمر نے مزید کہا: "تم نے جو کہہ کیا، اچھا نہیں کیا؟"

بزدل کے باب نے ٹپنے میں کہا: "تمہیں دسو، میں تمہارا احترام کرتا ہوں، اگر تم بزدل سے خوش نہیں ہو تو میرا فیصلہ ہے کہ میں اس کے اس تکلیف دہ رویے کا سزا خود دل کا۔"

زمر نے ہنس کے کہا: "نہیں، اس کی کوئی ضرورت نہیں کیونکہ بزدل کو کسی سب کے کہنے پر بڑو انسان ہے، بزدل ہے، اس کے سینے میں ساری اور جیت سے بھر پور دل تو بڑو ہے۔ یہ لیٹ سے محبت کرتی رہی ہے اس لئے لیٹ کی محبت کو بزدل کے دل سے گھوڑا دینا ناممکن ہے۔ پھر بزدل سے پوچھا: "لیٹ تم سے کیا کہہ رہا تھا؟"

بزدل کی آنکھیں پھر نہیں بولی: "میں مچھلی میں رہیں کر کے اُسے عوام مدافع کے دیں میں سے"

بائی تھی۔"

زمر نے خوش ہو کے کہا: "یہ تو میری اپنی بات سے پھر لیٹ نے کیا کہا؟"

بزدل نے بڑبڑ دیا: "میں وہ کچھ راضی ہوا تھا کہ اب لوگ آگئے اور اس کے بعد جو کہہ ہوا اس سے بھی آپ لوگ مدافع ہیں۔"

زمر نے کہا: "خیر تو کچھ ہوا کہ اس کے بھائی دیں گے۔ پھر بزدل کو تسلی دیتے ہوئے بولا: "بزدل، دوسرے دن میں تمہارے لئے جو عزت ہے وہ کسی طرح کم ہوگی۔ تم میں مجھ سے یہ وعدہ کر دو کہ اتنے ایسی شخص نہیں ہوگی۔"

بزدل نے کھڑے انداز میں کہا: "میں یہ وعدہ نہیں کر سکتی ہاں کوکشی ضرور کر دی گی؛ زمر اس بڑبڑ سے خوش نہیں ہوا پھر بھی اپنے احساسات کو چھپا گیا۔"

زمر کا نہایت تو بڑے علاج کیا گیا، جب وہ ٹھیک ہو گیا تو اس نے بزدل سے کہا: "بزدل، اگر تم پر کسی کا فرض واجب الاداء ہو تو تمہارا فرض کیا ہوگا؟"

بزدل نے معصومیت سے جواب دیا: "فرض کی ادائی؟"

زمر کے چہرے پر تازگی آگئی، بولا: "لیٹ تم سے زمری کر لینے کی صورت میں مجھے جو فرض دیا ہے اب وقت آگیا ہے کہ میں اس کو بسے باقی کر دوں۔"

بزدل خاموش رہی، زمر نے پھر سوال کیا: "تمہارا کیا خیال ہے اُسے سزا دوں یا صاف کر دوں؟"

بزدل نے نرم دلی سے کہا: "جو ہوا ہو کر دو، میں کیا کہہ سکتی ہوں؟"

زمر نے نہایت جیت سے اس کی پیشان چوم لی، مگر شاد بھی نہیں بولا: "تم داد ایک ایسی ذات ہو جو جیت پر کسی سے انتقام سے بے پناہ سکتی ہے اور میں اپنے انتقام کی آگ میں لیٹ کے پڑے خاندان کو جلا سکتا ہوں۔"

بزدل چپ ہو رہی لیکن وہ بزدل جانا چاہتی تھی کہ لیٹ پر جو ہوا کس طرح اور کس طرف ہے؟"

زمر نے ایک کاغذ منہ میں دبا رکھا تھا، اسے بزدل کی طرف بڑھا دیا، بولا: "اے تم تو بزدل اور زوردار سی در کے لئے آنکھیں بند کر کے اپنے تصور کی آنکھ سے لیٹ کے انجام پر غور کرو۔"

بزدل نے خفا زحمت شروع کر دیا، اس میں کچھ تھا۔

سوال سے وحید کو نرم متفق کے نام سے۔ میں ہا نہیں بلکہ، تمام مذاہن کا خدا، اپنے ہا عزیز زمر کو حکم دے ہا ہوں کہ اب وقت آگیا ہے کہ مسلمانوں پر ایک کاری ضرب لگائی جائے، تم اندھے واحد متفق کی مدد کرو، وہ خدا سے واحد جو مختلف شکلوں کی شکل میں عوام ہر تار ہا ہے، بھگت سر پہلے اب اس



کی شکل میں ظاہر ہوا تھا اب وہ متعین میں مل کر چکا ہے۔ جم لوگوں کو گمراہ ان لوگوں کو مسکے رہے ہیں جھکا دو، اٹھیں بنا دو کہ متعین خدا کے واسطے ہیں ہر جگہ موجود ہیں، میں ہر جگہ حاضر ہونا چاہتا ہوں میری ہی مثال ہے، میرے سوا کوئی خدا نہیں، زمین کو معلوم ہونا چاہیے کہ اب وقت آچکا ہے کہ اس کو سفید بامیان میں شامل کر لیا جائے۔ تیرا مدد کرنے کے لیے کچھ اور لوگ بھی آ رہے ہیں۔ مثلاً ان کو تیرے ان کی عبادت گاہوں اور مسجدوں کو مساجد میں کر دو، دینی سڑکیں دھندلے اسی میں میری خوشنودی ہے۔

خدا رکھنے کے بعد بنو نے وہ خطا زمر کی طرف بڑھادیا اور اندک کا دکھ چھپا کے

"پھر اب کیا اقدام ہو گا تم لوگوں کا؟"

زمیر سے پوچھا: پہلے یہ بتاؤ میں تمہیں کیسا لگتا ہوں؟

بنو نے تھرت بول دیا: بہت اچھے، بہت دلچسپ بہت دلچسپ۔

اس بھرتی تعریف نے زمیر کو گراتش کر دیا، بولن: زمین پر میں صبح اسی مسجد پر چکر دوں گا۔

گیٹہ اور اس کا باپ نماز پڑھنے آتے ہیں میں وہیں چکر کر کے انہیں ہلاک اور مسجد کو مسما کر دیا جلد بنو تھپ رہی لیکن وہ یہ خبر کسی دھمی طرح ریت کے گاؤں میں فروز پھنکا دیا جاتی تھی اس کے بعد بنو کو گھر سے چلنے کا موقع ہی نہ مل سکا۔ اسی زبردست نگران کی عبادت گاہوں دو سے دن شام گزرتا تھا وہی ہوتی۔ خاندان اور متعین کے دو گھر سے ہر دو وہاں سے ملے ملے کی تیاریوں میں مصروف تھے۔ ضروری سامان باندھا جا چکا تھا۔ بار بار داری کے جانور تیار ہو رہے تھے، عورتیں اپنے اور بڑے اس طرح آمادہ سفر کئے تھے گویا بچلے بچے کا اندر سے نکلنے کے حرکت میں آجائیں گے، مال غریبت سے زیادہ مشغول تھیں اور باب کسی برائے ارہم میں الجھا تھا، غالباً زمیر بھی باب کے ساتھ ہی تھا۔ بنو نے یہ فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ اس وقت کو خالصتہاً چلنے دیجے اور دوسرے دن علی الصبح پیش آئے والے خطرات سے ریت کو آگاہ کر دے لے رہے بھی معلوم تھا کہ اس کے اس کام میں مزاحمت کا روبرو امکان نہیں ہے اور ہو سکتا ہے کہ وہ بہر ہی بکرتی جائے۔ بڑے عزم و نیک کے بعد اس سے بڑے بڑے فیصلہ پر یہ کہ اگر وہ بھی خطرات ریت تک پہنچے میں کا باب ہو گئی تو وہ خود کو ریت اور اس کے باب کی پناہ میں دے دی گی۔ گھر سے نکلنے ہی تیزی سے ریت کی طرف روانہ ہو گئی۔ رات کی تاریکی نے اسے جھٹکا رکھا تھا۔ چو کسی کی طرح وہ ذرا سی آہٹ پر ادھر ادھر دیکھنے لگتی۔ اسے کئی بار ایسے لگا جیسے کوئی اس کا پیچ کر رہا ہے لیکن اندھیرے میں ادھر ادھر تھیں پھاڑ کر دیکھنے بد بھی جب کوئی اسے ایسا نظر نہ آ تو وہ اسے اپنا دایرہ قرار دے کر مطمئن ہو گئی۔ پچھ در بعد جب وہ اس مسجد کے پاس پہنچی، جہاں ریت کے گھر کا نا معلوم شکل سو ڈھچھ سو ڈھچھ رہا ہو گا تو اس نے مسجد کے سامنے ایک ہنگامہ برپا کر دیا مسجد کی دیواروں پر متعلیوں میں ہی تھیں اور ان کی روشنی میں لوگ آپس میں مایوں کی طرح برسرِ پیکار تھے۔

وہ ٹھٹھ کر لیک طرف کھڑی ہو گئی۔ سمجھاؤں کی مہیب آوازوں میں زمینوں کی تھج و پکار نے ماحول کو بھیانک بنا دیا تھا۔ بنو کے سامنے یہ کھڑی بھی خطرناک تھی کیونکہ اب اس کا پیچہ بنا ہی نہیں تھا۔ اور آگے ریت کے گھر تک پہنچنا بھی دشوار۔ وہ بھی اسی گمراہی میں تھی کہ ایک شخص تیزی سے بھاگتا ہوا اس کی طرف آیا، اور اس نے بنو پر چکر کر دیا چوڑا ہاتھ نہایت تیزی سے چمکنے کے بجائے میں عورت ہوں، ایک رات کی کسی عورت یا سڑکی پر ہاتھ اٹھانا جہاں وہی اور جو امری کے من میں ہے۔

خدا رکھ کا اٹھا ہوا ہاتھ نیچے آگیا، وہ بنو کے قریب چلا گیا۔ بنو نے تم یہاں کیا لینے آئی ہو؟ خیریت تو ہے۔

یہ زمیر کی آواز تھی بنو نے پریشان ہو گئی لیکن آواز سے پریشان کو ظاہر نہیں ہونے دیا، بول: یہ معاذ کیلے ہے؟ میں تو گھر میں جنگ ہو رہی ہے؟

زمیر نے کھینچے کھینچے لمحے میں جواب دیا: میں نے خداوند متعین کی عرض پوری کر دی، خداوند کے دوران میں ان کی ایک بڑی تعداد کو قتل کر کے مشیت خداوند متعین پوری کر دی گئی؟ پھر زارا انہوں سے پوچھا: لیکن تم نے نہیں بتایا کہ اس وقت تم یہاں کیا لینے آئی تھیں؟

بنو نے کہا: میں اس کا کوئی معقول جواب نہ تھا اور نہ ہی وہ اس سوال کا کوئی جواب سوچ کے پاس تھی۔ اس کی خاموشی کا مطلب سمجھتے ہوئے زمیر نے کہا: میں جانتا ہوں کہ تم اس وقت یہاں کیوں آئیں متعین، انہوں کو تم نے ایک بار پھر میرے اعتماد کو چھین لیا ہے؟

بنو نے متعین خاموشی اختیار کر رکھی تھی۔ مسجد کے سامنے خود غل اور چھج و پکار پتھر ماری تھی۔ آج بھی مایوں میں اندازہ ہوتا جا رہا تھا۔ زمیر نے بنو سے کہا: یہاں زیادہ دیر تک کھڑے رہنا تمہارے لئے من سب نہیں ہے کیونکہ جنگ کا دائرہ وسیع ہوتا جا رہا ہے؟

بنو نے بھی تعزلی کی طرح اندھیرے میں اسے دیکھنے کی کوشش کرتی رہی۔ زمیر نے جب محسوس کیا کہ بنو ساکت و دھامت کھڑی کچھ سوچ رہی ہے تو اس نے طنز سے کہا: بنو، یہ سوچنے کا وقت نہیں ہے کیونکہ جس کے پاس تم ہمارے تھیں اس کا گھر سے مسجد تک پتہ نہیں۔ میرے آدمی اس کی تلاش میں دو در دو تک پھیل چکے ہیں۔ تمہاری اطلاعات کے لئے سوچنا بہت کر لیت کا باب مال اور اس کے کہنے کے دو گھرے لوگ قتل کئے جا چکے ہیں لیکن ریت بچ کے نکل گیا، پھر گریا خود سے کہا لیکن بچ کے ہانے گا کہاں، میرے آدمی اس کی بوسہ لگتے چھڑے ہیں؟

بنو نے غم سے کھڑی کی کھڑی رہ گئی۔ زمیر نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا اور کھینچ کے لے جاتے ہوئے کہا: بنو، یہ سوچنے کا وقت نہیں ہے یہاں سے فوراً جھاگ چو در نہ اگر پھینس گئیں تو جان بچانا مشکل ہو جائے گا۔

زمیر نے شکل اسے لے جانے میں کامیاب ہو گیا۔ گھر پر بھی غیب اثر اتھری کا عالم تھا۔ بنو کا



پایہ رکھوں میں الجھا ہوا بیخ بیکار رہا تھا۔ ان دونوں کے پہنچنے ہی اس نے ہرجما "یر کہاں تھی؟"  
 "میرے سے بے چین سے کہا۔ یہ وقت فضول نہ گزرتے سوال و جواب کا نہیں ہے۔ ہمیں فوراً  
 چل کر جانا چاہیئے۔"  
 "بہتر ہے کیا پنے سوال کیا۔" اور ان دو لوگوں کا کہنا جھکا جڑوں سے جنگ کر رہے ہیں۔  
 "میرے جواب دینا۔" انھیں حکم دے دیا گیا ہے کہ جس طرح حق میں ہوا اپنا کام ختم کر  
 کر کے ہم سے راہ کی آئیں۔

درخشش کی منزل میں پر کوئی چند فرلانگ بلندی پر تھا اس چاند کو بڑھتے ہی نہایت دلچسپی سے  
 دیکھا اور اس کی کچھ میں سنہ اکا کو محال کیا ہے۔ برفور کے مانی باپ اس چاند کو عقیدت و شفقت سے  
 دیکھتے تھے، اسے خداوند متعال نے غنیمت اور شرف والوں کے لئے مخلوق کیا تھا  
 ان دنوں زمیر کچھ زیادہ نگر نہ دیتا تھا، وہ معلوم نہیں کن الجھنوں میں مبتلا تھا۔ برفور اس  
 سے جنگ کی بات ماننا چاہتی تھی جس میں لٹ کے اس کے پورے خاندان کو تباہ و برباد کر دیا  
 جاتا۔ وہ یہ بھی معلوم کرنا چاہتی تھی کہ خداوند متعال کے وہ پرستار جنہیں وہ مسجد کے سامنے  
 بیٹھ کر پڑھا کرتی تھی اور وہ افراد جریٹ کی تلاش میں ادھر ادھر پھیل گئے تھے۔ ان کا کیا اثر  
 ان کے کشوں کا کیا نتیجہ نکلا، دیکھو وہ یہ بآئیں کہ اسے پوچھتی ہے، زمیر کا منہ چرچر سے  
 کھل کر کھلتا تھا۔ زمیر نے اس سے بات چیت بھی بند کر دی تھی شاید وہ بڑے سے ناراض  
 تھا۔ برفور کے والد کی نفوذ میں لٹ کے بعد برفور کے لئے زمیر سے بہتر شخص کا ملنا مشکل ہے۔  
 وہ دنوں بھی ان کی باہمی کشمکش کو کشیدش کی نظر سے دیکھ رہے تھے۔ افغول نے کوئی بار برفور کو  
 بدعت کی کوہ زمیر کو ناراض نہ کرے اور اگر زمیر اس کی کسی بات سے ناراض بھی ہو گیا ہے تو اسے  
 لٹ کے کشوں کے رے پر برفور بھی دھڑلے لڑی تھی۔ خداوند متعال کے پرستاروں میں غیر معمولی امتداد  
 ہوتا چاہتا تھا اور جسے شہنشاہ اور کش کی فضا میں متعین کی طرف سے ایک چاند مخلوق کر دیا تھا۔  
 اس کے سامنے والوں میں غیر معمولی امتداد ہونے لگا تھا۔ ان کے خداوند کا آئینہ غیر معمولی کا زارہ تھا کہ  
 اس کی عکس کے انسانوں کے خیال میں یہ کام خدا ہی انجام دے سکتا تھا۔ برفور بھی اس سے بدعت  
 تھا۔ برفور نے لٹ کا خیال خواہ بہت چاہا تھا۔ ایک ایسا خواب جرات کے ٹکڑے پر خدا تائیوں  
 میں دیکھا جس پر اور صبح ہوتے ہوتے اس کی جڑیاں حافض سے نکلی جی ہادی ہوئی۔  
 معلوم نہیں کس طرح زمیر کی اداسی کم ہو گئی اور وہ ہنسناک بٹاشی دکھائی دینے لگا۔  
 وہ برفور کے پاس آیا اور اس نے باہر چلنے کی دعوت دی۔ برفور انکار نہیں کر سکتی تھی۔ چپ چاپ  
 ساتھ چل پڑی۔ راست کا وقت اور چاند لٹ کی نرم نرم خوشگوار اور کیف و محبت میں ڈوبی ہوئی چاندنی  
 لٹ اور دنوں چلتے چلتے ایک سرخزادیں اناروں کی چھائیوں میں بیٹھ گئے۔ ان کے ارد گردوں کی تھیر پڑی  
 سے چاندنی چھین چھین کے آ رہی تھی۔ زمیر نے برفور کو کوسے سے دھجھکایا۔ برفور کو اسے کوئی زمیر اس پر غور  
 نہ کیا کیفیت میں بھی اس سے دور کیوں بیٹھ رہا ہے۔ برفور چپ چپ سی اور چاہتی تھی کہ زمیر خود ہی غصے سے  
 کاغذ کرے۔  
 زمیر نے ٹھیکسی ہانڈ سے دیکھا تھا، اس کے ہر ٹول پر بشر پر سی سکڑا ہوا تھی۔ کہیں قریب ہی  
 کوئی ٹرا سا پندہ چھڑھڑا کر اڑا اور ایک رزنت سے اوکو دوسرے دھن میں گم ہو گیا۔ برفور اس کی  
 ادھر سے زمیر کے قریب جا پہنچی۔ زمیر اور دیکھتے ہی بٹاشی، برفور اس کی اس حرکت پر حیران سے رہ گئی۔



زمیر سے کہا: "بوقتہ تم تجھ خیال نہ کرنا، میں ان دونوں تم سے کچھ دور دور رہا ہوں۔ میں اس لیے ایک کوں کیا ہے، بڑے کرب اور ایک عزیز الجھن کے مدخل کی رہاستان ہے۔"

بوقتہ کچھ بولنے کے یا نہیں اس کی باتیں سننا چاہتی تھی کیونکہ اسے کچھ ہر نہ تھا کہ وہ زمیر سے کس قسم کی باتیں کرے۔

زمیر نے کہا: "تم بھی چپ چپ رہیں، کیوں؟ شاید اسی لئے کہ تم لیٹ کو بھلا نہ سکیں۔ کسی سوچ میں ڈوب کر بہت سے کہا یہ تمہاری محبت ہی تو تھی جس نے تم کو بچا لیا اور تم اس دن میں اس سے اپنا حساب کتاب کر چکا ہوتا، شاید تم نے اسے میرے منصوبے سے کسی طرح پر ہی مطلع کر دیا تھا؟"

بوقتہ نے کہا: "میں نے ایسا نہیں کیا، یہ تمہارا خیال ہے۔"

زمیر نے پوچھا: "اچھا اگر میں اسے اپنا خیال یا گمان ہی مان لوں تو تمہارے پاس اس کا جواب ہے کہ تم اس رات وہاں کیلے گئے تھے؟"

بوقتہ نے برج بولنے میں عافیت غورس کی بولی: "میں جھڑ نہیں بولوں گی، یہ تمہارے منہ سے لیٹ کو مطلع تو خود کرنا چاہتی تھی لیکن میں اس سے من نہیں سکتی۔ اب میں مسجد کے سامنے ہی بیٹھ گئی۔"

زمیر اس کی باتیں خود سے سن رہا تھا، پھر پوچھا: "لیکن تم نے ایسا کیوں کرنا چاہا تھا؟"

بوقتہ نے جواب دیا: "لیٹ میرے چچا کا بیٹا ہے اور میں اس رشتہ کی محبت کو اپنے دل سے نہیں نکال سکتی ہوں؟"

زمیر نے بڑا ہی سے کہا: "یہ غلط ہے، تم اس سے محبت کرتی ہو اور اس محبت میں تم اسے ہمارے منصوبے سے مطلع کر دینا چاہتی تھیں؟"

بوقتہ نے کہا: "لیکن تم نے مجھے یہ بتایا تھا کہ مسلمانوں پر غارتگری کے بعد حملہ کیا جائے گا، امان کو عورات کو عورت کی ناز کے بعد کیا گیا؟"

زمیر نے ہنس کر کہا: "میں نے تمہیں اپنے منصوبے کا وقت اس لئے غلط بتایا تھا کہ میں نے تمہاری حالت کو اس سے مطلع کر دیا اور مجھے خوشی ہے کہ میں نے تمہارے بارے میں غلط رائے نہیں قائم کی تھی۔"

بوقتہ چپ ہو رہی۔ زمیر نے کہا: "بوقتہ! اس کے بعد اس نے متفق کے چاند کی حروف اشارہ کرتے ہوئے کہا: "کیا ایسا جانہ خداوند متفق کے علاوہ کوئی بھی طلوع کر سکتا ہے؟ یہ میں عنایت اس بات کا ثبوت ہے کہ خداوند متفق سچا ہے۔"

بوقتہ نے جھڑ کو جواب دیا۔ زمیر نے جھڑ کے دریافت کیا کیا بات ہے؟ کیا تم خوش نہیں ہو؟

بوقتہ نے جواب دیا: "میں ناراض نہیں ہوں لیکن اس بات پر حیران ضرور ہوں کہ تم مجھ سے بڑا بڑا ہر قسم کا دور بیٹھ کے اپنی ہزاروں کا اظہار کر رہے ہو؟"

زمیر نے ایک ایک پھر سنجیدگی اختیار کی، بولا: "ہاں، اس کا بھی ایک سبب ہے، اچھے اس نے بڑا دلکش پہنچایا کہ تم نے ستر لکھ سے محبت کے عادی ہو کر اس سے کس طرح بھی کم نہیں ہوں گے، تصور میں لیٹ کی پوری شخصیت کا اپنی ذات سے مراد نہ کیا تو میں اس سے بڑا نہ نکلوں۔ وہ ایک عام لڑکے اور مجھے خداوند متفق کے تقرب اور مبلغ کا شرف جو حاصل ہے لیکن اس بڑائی اور اس

کمال کے باوجود جب تم نے لیٹ کی کوہمیت دی تو مجھے اس کا دلکھ ہونا ہی چاہیئے تھا۔ میں نے کہا تھا کہ اس کے اور تم سے کنارہ کسی اختیار کر کے اس الجھن کا حل درمیان کرنا چاہا۔ میں یہ سوچ رہا تھا کہ مجھے اس کے سامنے میں کیسی دروس اختیار کرن چاہیئے۔ میں نے یہ سببوں تفکرات کے اندھیروں میں گھڑ گئے۔"

بوقتہ نے کہا: "میں نے اس کی باتیں سن کر ہی اور زمیر کی آخری باتوں نے اسے چڑھایا، بھرت سے کہا: "میں تمہارا مطلب نہیں سمجھتی، تم کیا کہنے چاہتے ہو؟"

زمیر نے جواب دیا: "میرا مطلب بالکل صاف ہے، جب میں تمہارے دل میں جگہ نہیں بنا سکا تو اسے باہر نکال دیا، اختیار کر لی۔ خوف! تم خوش رہو جو کہ میں نے اپنی توقعات توڑ دی ہیں۔"

بوقتہ کی کچھ باتیں نہیں آ رہی تھیں کہ زمیر آخر کتنا کیا چاہتا ہے۔ وہ جو کچھ بھی کہہ رہا ہے کیا اس کا مطلب یہ ہے جو غلطوں میں پایا جاتا ہے۔ کیا ان کا مفہوم وہی ہے جو ان کی راہ سے دل دھماکتا ہے؟

زمیر نے ہنستے ہوئے کہا: "بوقتہ اب نہ کہہ کر، میں تم سے یا کوئی ہر چکا ہوں، میں تم سے محبت نہیں کرتا، میں ایسی جرات بھی نہیں کر سکتا کہ تم سے محبت کا اظہار بھی کر دوں۔ تم مطلق رہو، تم ایک امانت ہوا یہ حق اس کے حق دار کو نہایت عزت و تکریم سے پہنچا دی جائے گی؟"

بوقتہ نے دقت سے کہا: "زمیر! میں جو کچھ سن رہی ہوں اس پر مجھے یقین نہیں آ رہا؟"

زمیر نے کہا: "ایسی بات نہیں۔ میں جھڑ نہیں بولتا، اس سبب میں میں جہاں خداوند متفق موجود ہیں جھڑ بولنے کی جرأت بھی نہیں کر سکتا؟"

بوقتہ نے جھڑ کی باتیں اس کے کاذمے پر سونپ رکھ دیا، لیکن زمیر نے سچے سچ کہا: "اس کی کوئی

جرات نہیں ہے نہ تو۔"



بزدلی آنکھوں میں آنسو آگئے۔ مگر گہرا آواز میں بولی: "زیر میں مہربان ہو کہ میں زبان نہ  
 کروں۔ تم ایک فیصلہ جو جان ہو، فرشتے ہیں تم سے بڑھ کے نہیں ہوتے۔"  
 زیر نے جواب دیا: "جب سے میں نے تمہیں اپنے دل سے نکالا ہے۔ مجھے ایسا  
 دل کیسا ہے کہ میں یہاں نہیں کر سکتا۔"

بزدل ہو چکا تھا جتنی ہی کہ زیر نے جو فیصلہ کیا ہے اس پر غور کیا کہ جس طرح ہر گاہ۔ لیٹ  
 ہے کہ اور لیٹ نے اگر خداوند متعال کا دین قبول کیا تو یہ مسئلہ کس طرح حل کیا جائے گا؟ یہ سادہ  
 ہو چکے تھے لیکن پرچھنے کی اہمیت ڈھکی تھی۔

بزدل کے لئے زیر کا یہ انداز متعین کیا تھا کہ اس نے بزدل خیال تو اپنے دل سے نکال  
 لیکن وہ احترام بہت زیادہ کرنے لگا تھا۔ یہ لوگ ایک ہفتہ غائب میں رہ کر کس روئے ہو گئے اور  
 متعلق سام کی پہاڑی کے ایک مضبوط طے میں سکونت پذیر تھا۔ یہاں ان کو مادر انہر اور ترکستان  
 اور قلعے میں سے اہل لوگوں کی طرح خداوند کی بارگاہ میں جا رہے تھے۔ وہ ادنیٰ بی بی پہاڑی

گزر رہے ہوئے کش کے شمالی حصے میں داخل ہوئے۔ یہاں سام نامی پہاڑی سلسلے کے ایک  
 گڑھ تھے جس میں وہ قلعہ دکھائی دے رہا تھا، جس میں ان سب کا مطلب و مقصد فروکش تھا۔ ان  
 نے جس کی مغالبت پہاڑیوں پر قیام کیا اور خداوند متعال کی طرف سے فرمان علی کا استخارہ کرنے سے  
 یہ لوگ قلعہ کی طرف منہ کر کے عبادت کرتے۔ بزدل کا پانچ متعلق کی بارگاہ میں پہنچنے کے لئے ہے

یہی حال اس کی بیوی کا بھی تھا لیکن بزدل ایک ٹھہرے ہوئے سمندر کی طرح تھی جس کی وہیں تہر  
 ہوئی ہوں۔ زیر نے خوب گھما ناظر رہا۔ بزدل کا وہ شکل شباب زیر کو کوڑی پر لگتا لیکن اس نے  
 سے جو عہد کیا تھا اس پر سختی سے کاہنہ تھا۔ بزدل کو زیر کی ہر بات کا اعتبار تھا لیکن ایک بات اس  
 میں نہ آتی تھی۔ وہ سوچتی کہ اگر خداوند علیہ السلام جیسے ماحول میں لیٹ کس طرح داخل ہو سکے گا

لے کس طرح لیٹ کے حوالے کر دے گا؟ وہ اس پر جتنا سوچتی رہی وہ بونے لگا۔  
 صبح نے رات کی آغوش سے نکلی کے دنیا ادھلی دنیا کو اپنا نور اور صبح چہرہ دکھ  
 ظہور نے خوش المانی سے صبح کو خوش آؤید کہنا شروع کر دیا۔ پہاڑی تھے بان اپنے بزدل کے  
 مہرہ زادہ لیٹ میں پہلے گئے، زیر نے بزدل سے کہا: "بزدل! چلو میں تمہیں اور سے اس قلعے

کرادوں جہاں خداوند متعال تیرے چودہ سال سے نوکس ہے اور جہاں دن رات فرشتوں کا نزول ہوتا  
 ہے۔ اس پوری زمین کا وہ حقیر جس پر خداوند ہفتی نفس نفیس موجود ہے۔ اس لائق ہے کہ ہم صبح  
 اس کی زیارت کریں اور اس کی خاک کو چہرہ پر مل کر دل و جان سے دعائیں مانگیں۔  
 بزدل نے کہا: "میں سوچ سوچ کے پریشان ہو رہی ہوں کہ خداوند کے رو بہ میں ہوں  
 گی کس طرح؟"

زیر نے تسلی دیتے ہوئے کہا: "بزدل تم کو مت کوڑا میں تمہارے پاس موجود رہوں گا اور  
 خداوند اس بندھتا رہوں گا۔"

بزدل نے بھیجے۔ تجھ کے سوال کیا: "زیر میں کئی دن سے تم سے چند باتیں معلوم کرنا چاہتی ہوں  
 ان کے صحیح صحیح جواب دو گئے؟"

زیر نے جواب دیا: "مجھے تجھ سے نفرت ہے۔ تم جو چاہو ہو چھو، میں ان کے وہی جوابات  
 کی صداقت پر مجھے یقین ہے۔"

بزدل نے پہاڑی کے قیمچے سے سر نکالتے ہوئے سراج کی طرف دیکھتے ہوئے کہا: کیا  
 نے خدا کا دیدار کیا ہے؟"

زیر نے جواب دیا: "نہیں میں نے آج تک خدا کا دیدار نہیں کیا کیونکہ خداوند متعال نے  
 سے اعلا پر پیشہ رہی کہا ہے کہ جب موسیٰ جیلانی پیغمبر ہمارے دیدار کی تاب نہ لا سکا، تو تم عاجز  
 اس کس طرح میرا دیدار کر سکو گے؟"

بزدل نے دلچسپی سے پوچھا: "اگر میں تمہارے نام نہا و خدا کا دیدار کر لوں تو؟"  
 زیر نے جواب دیا: "مجھے تمہاری اس بات کا کس طرح یقین آ سکتا ہے؟"

بزدل نے کسی قدر سنجیدگی سے کہا: "میں تم سے جو کہہ رہی ہوں وہ سوال تو اب  
 بزدل نے کسی قدر سنجیدگی سے کہا: "میں تم سے جو کہہ رہی ہوں وہ سوال تو اب

ہاں! پھر خدا سکوت اختیار کیا اور کچھ دیر بعد پوچھا: "کیا تم واقعی اپنے دل سے میرا خیال نکال چکے ہو؟"  
 بزدل بالکل بالکل زیر نے جلدی کر لی تھی۔ اس بات کے لئے قسم کھانے کو تیار ہوں لیکن  
 قسم کھانے بغیر ہی میری اس بات پر یقین کر لینا چاہیئے۔"

بزدل نے پھر پوچھا: "اور یہ بات درست ہے کہ تم ان بات کے معاملے میں دیانت دار واقع ہوئے  
 خداوند جلد ہی تم مجھے اصل حقدار کے حوالے کر دے گا۔"

یہاں یہ بھی درست ہے: "زیر نے جواب دیا: "میں تمہاری عزت کرتا ہوں جیسے دل میں تم  
 کو کرتا ہوں کہ وہ ہی ہو۔ اور آخر ارم اور عزت نہ رہتی تو رہے گی لیکن کم نہ ہو گی۔"

بزدل نے پھر سوال کیا: "اور لیٹ؟ میرا مطلب ہے لیٹ، وہ بزدل ہے چا کا بیٹا ہے؟ یعنی کہ  
 کہ وہ جو کہہ رہا تھا جتنی ہی فرمان اور الفاظ اس کا ساتھ نہیں دے رہے تھے۔"

زیر نے اس کی بات سن کر سن کر دی، دور قلعے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اسے  
 کہہ کر وہ اس میں خداوند متعال ہے۔ خداوند متعال جو اس وقت بھی ہم دونوں کے اس پاس موجود ہماری

دل میں رہا ہوگا، ہماری ایک ایک حرکت کو دیکھ رہا ہوگا۔  
 یہ کہتے کہتے زیر سمجھنے میں گر گیا لیکن بزدل بہت دیر تک رہی۔ زیر نے سمجھنے سے سر

خاک کے نوک کو کھڑے دیکھا تو جتنی بھی بڑا: "بزدل! آج تھی اور بے اول سے باز آؤ اور فوراً مجھے  
 ۲۱۳



میں گر جاؤ یہ کہیں ایسا نہ ہو کہ خدا نہیں مقرب قرار دے دے۔  
 بوقت پھر بھی کفری رہی، بولی: پہلے میں خدا کا دیدار کروں گی اس کے بعد اپنی عقیدت  
 اقرار میں اس پر کھار دوں گی۔

”موتے کی طرح ختم ہو۔ اگر خدا نے جہر سے لعاب اللہ ہی ترویج کر دے تو  
 ہو جاوے، جل کے راکھ ہو جاوے گی۔“

بوقت نے جواب دیا میں مرنے سے نہیں رتی، میں خداوند متعال کا دیدار کر کے رہوں گی۔  
 زہر مگر نہ ہوگا۔ سورج کی شکاریں پہاڑ کی چوٹی سے ٹکرا کر خیرگی ہی پیدا کر رہی ہیں۔  
 سورج کی طرف دیکھنے کی کوشش کی لیکن آنکھیں چڑھیا گئیں۔ بوقت سے کہا: بوقت اکیلا تہاڑی  
 میں اتنی تاب ہو رہے کہ سورج سے آنکھ مل سکو۔

بوقت نے جواب دیا: نہیں، میں سورج سے آنکھیں نہیں ملا سکتی۔  
 زہر کے جہر سے پر خوشی کی لہر دوڑ گئی، بولا: پھر تم خداوند متعال سے کس طرح آنکھ ملا سکتی  
 سورج تو اسی در کا ایک ادنیٰ خادم ہے۔

بوقت نے کہا: میرے پاس ان باتوں کا کوئی جواب نہیں، مجھے تو یہی سمجھ لو ہر جان کی مخلوق  
 ہے۔ تم اپنے خداوند سے کہو کہ میں اس کے دیدار کی طالب ہوں۔ اسے دیکھنے پر مصر ہوں۔

زہر نے سر ہلایا اور اذہم کہا: اچھا مجھے وقت دو، میں خداوند متعال تک تہاڑی خواہش  
 دوں گا۔ پھر کچھ سکوت اختیار کیا، زہر دیر بعد بولا: اور یہ بھی ممکن ہے کہ تمہیں خداوند کے در پر پہنچ  
 سکتے اور اپنی اس خواہش کا اظہار تم خود خداوند متعال سے کر سکو۔  
 بوقت نے خوش ہو کر کہا: یہ تو بڑی خوشی کی بات ہے؟

اس کے بعد بوقت کا یہ قاعدہ ہو گیا کہ اسے جب بھی موقع ملتا زہر کو اس پر عجور کرتی رہتی کہ  
 خداوند متعال کے در پر پہنچا دیا جائے اور زہر ہر بار یہی کہتا کہ کوئی وقت مقرر کئے بغیر ذات کسی وقت

اپنا تک خداوند کے در پر پہنچا دیا جائے گا۔ خداوند سے ملنے اور اس کا دیدار حاصل کرنے میں اس کی  
 خواہش کا اظہار بھی کہ وہ خداوند متعال سے اس کے سخت دل پرستاروں کی شکایت کرے۔ خدا کا جولوہ  
 اسلام نے پیش کیا تھا اس میں خدا متعال، اور ہم آرائین، سفین اور مہربان تھا۔ اس کا خیال تھا کہ خداوند  
 متعال میں بھی یہی اوصاف موجود ہوں گے اور خدا کے اوصاف اس کے حق میں مفید اور کارآمد ثابت ہوں گے۔  
 بوقت نے کئی بار زہر سے بحث کی بات بھی چند سوالات کرنا چاہے لیکن اس طور سے باز رہی کہ

زہر بحث کے زکر سے چڑھ جاتے۔ مالا نکو زہر نے اس سے یہ وعدہ بھی کر لیا تھا کہ بوقت اس کے خدا  
 کے حوالے کر دی جائے گی۔

شام کی شفق چھل رہی تھی، زہر کوانی دیر غائب رہنے کے بعد جب ان میں واپس پہنچا تو

اسی خوشخبری نے خداوند کی بارگاہ میں حاضر کیا دینے والے امدادوں میں خوشی کی لہر دوڑا دی  
 خیموں میں قوم کی تعمیل اور بھون کی مشینیں روشن تھیں، اللہ کی گنتی گنتی نعمتوں سے ان کو  
 ہر پہلو پر مل گیا اور اس کے ساتھ بوقت امداد اس کے والدین کی بارگاہ گئے۔ تین گنتی کے دو سے شہ کا بھی  
 کے اس پاس جمع ہو گئے۔ یہاں چار بیویوں کی موجودگی میں بوقت کے باپ نے یہ اعلان کیا کہ: بوقت  
 کو زہر کے حوالے کر دینے کا جو فیصلہ بحر خزا کے ساحل فیضیہ ہو گیا تھا اس پر خداوند متعال کی بارگاہ  
 میں حاضر سے پہلے ہی عمل درآمد کر دیا جائے گا۔

لوگوں نے خوشی منہ سے تالیاں بجا دیں اور چند نوجوانوں نے گھر سے گھر کے خوشی سے جان  
 شمع کر دیا۔ بوقتوں نے مبارکبادیں دیں اور دونوں کی کامیاب اور برکت زندگی کے لئے خداوند متعال  
 کے فضلے کی طرف منہ کر کے دعائیں دیں۔ لیکن اسی اعلان سے بوقت کو بڑا دکھ پہنچا۔ اس نے آگ کے

دھوکے رو شعلہ میں زہر کے جہر کے کی طرف دیکھا۔ اس کے جہر سے پر خوشی کے تانزات تھے اور وہ رجا  
 اور انیس کے۔ اس کا خیال تھا کہ زہر کفر سے ہر کے علی الاعلان اس رشتے کے خلاف ضرور کچھ کہے گا۔

لیکن وہ خاموش رہا۔ بوقت کو اس بات پر حقیقی ہر ماتھا کہ اگر اس موقع پر خاموشی نہ لگے تو یہ رشتہ کیا ہو  
 جائے گا۔ اس نے زہر کو ایک بار پھر متحسنگا ہوں سے گھرا، لیکن وہ بدستور خاموش بیٹھا کچھ  
 سوچ رہا تھا۔ آگ کے آلاؤ کے قریب بیٹھ کر بوقت کفری ہر گئی اور آگ کی لڑائی لو میں روتا سا نہ  
 زہر کے منہ پر چڑنے لگا۔ اس نے اپنے باپ سے کہا: انیس کہ ابھی ابھی آپ نے میرے اہل زہر  
 کے جس رشتے کی بات کی ہے وہ اب نہیں ہو سکتا۔

بوقت کے باپ کو اپنی بیٹی کے اس جرات مندانہ اقدام کی توقع نہ تھی۔ سختے میں بوقت کو ملنے سے  
 بچنے کے بٹھا دینا چاہا، خوف متھے ہٹے کہ: یہ رشتہ میں نے کیسے، میری موجودگی میں تو اس سے کس طرح انکار

کر سکتے ہیں؟

زہر نے باپ بیٹی کو الجھنے دیکھ کر مداخلت کی اور کچھ سوچا برا کھڑا ہو گیا۔ بوقت کے باپ کو  
 غائب کرتے ہوئے کہا: ”میرے خرم بزرگ! بوقت صبح کہہ رہی ہے: اس کے بعد اس نے بوقت کو غلط  
 کرتے ہوئے کہا: بوقت! تم غلطی پر ہو، اس رشتے کی تسبیح کا اعلان تہاڑی حشر سے نہیں میری

طرف سے ہونا چاہیے تھا۔  
 جن لوگوں نے ان دونوں کے رشتے کے اعلان پر خوشی کا اظہار کیا تھا وہ حشر سے زہر کے  
 سموت دیکھنے گئے۔ بوقت کے باپ کا وہ ملا تھوڑا بوقت کے شانے پر رکھا تھا، آہستہ آہستہ پھسل کے درمیں  
 گرا، بوقت کا میرہ خوشی سے ٹپٹپٹا گیا۔



زمر نے بوقت کے باب اور حاضری مغل کو غائب کرتے ہوئے کہا: "بوقت نے جو کچھ کہنا ہے جو اس سلسلے میں میں خود کہتا۔ اس وقت میں کہیں اور تھا ورنہ نہ خود ترمیم کرتا: بوقت کے باب نے جواب دیا: "لیکن نہیں یہ دشتہ منظور کیوں نہیں؟"

زمر نے جواب دیا: "کبھی انسانی دل سے عبت کے گہرے نعوش کو کھوج کے دیکھ لیں تو اس بوقت کے دل سے ان نعوش کو ضرور سامان کر دیتا لیکن یہ کام کسی انسان کے دل کا نہیں ہے جو خدا کسی کے دل میں عبت کی شمع ہلاتا ہے وہی اسے بجھا بھی سکتا ہے اور اس کی بجگہ دوسری شمع مل سکتا ہے۔ میں بوقت کو خداوند متین کے دربار میں کر کے اس سے استدعا کروں گا۔ وہ بوقت کے دل کو انسانی عبت کی آلوگی سے پاک کر دے گا۔"

بوقت نے اسے ٹوک دیا: "بندہ آزاد میں بولی: لیکن تم نے کب سے یہ وعدہ کر رکھا ہے جب تم مجھ سے رستہ راری کا اعلان کیا تھا تو کیا مجھے اس کا یہ سبب نہیں بتایا تھا کہ میرے دل میں عبت کی عبت موجود ہے اور تم اس سلسلے میں میری طرف سے بالکل مایوسی ہو کر رستہ راری کے اعلان پر آمادہ ہو گئے ہو؟"

زمر نے اثبات میں گردن ہلا دی: "کہنے لگا: میں بھرت نہیں بول سکتا، بوقت صبح کہہ رہا ہے بوقت نے مزید کہا: اور کیا تم نے مجھ سے یہ وعدہ نہیں کیا تھا کہ میں اپنے صحیح عقیدہ دار کے حوالے کر دیا جاؤں گی؟"

زمر نے پھر تائید کر بولا: "ہاں، میں نے یہ بھی کہا تھا: بوقت نے موقع غنیمت دیکھ کے عزت مندی سے کہا: "اور میں اسکی دن سے اس بات کا انتقاد کر رہی ہوں کہ تم مجھے کب لیت کے حوالے کر دے گے؟ وہ لیت جس کا مجھے یہ بھی پتہ نہیں کہ وہ خدا بھی ہے یا نہیں اور اگر وہ خدا ہے تو کہاں ہے؟" یہ کہتے کہتے اس کی آواز میں کینکا بھٹ آگئی۔ زمر نے کہا: "لیکن بوقت میں نے تم سے یہ کبھی نہیں کہا کہ میں تمہیں عبت کے حوالے کر دے گا۔ کیا تم نے میرے جیسے کے لفظ حق دار پر غور کیا؟ نہیں یہ سن کر انیس برس کا کریم لیت کو عبت حق دار نہیں مانتا۔ لیت بے دین ہے، خداوند متین کا دشمن، ایک کا قربت راسخ دلا کہیں طرح فقہر سکتا ہے بوقت کے پر دلالتے سے زمین کھینکے لگی اسے جگر گئے لگا۔ جلس کے مار سے روکنا سنبھلے۔ آگ کے شعلے تاریکی میں تبدیل ہونے لگے۔ اس نے دھڑلائی آواز میں دریافت کیا: پھر تیار لفظ "مقدار سے کون سا شخص معذور ہے؟"

زمر نے لاہریائی سے جواب دیا: "نہیں یہ بات تین دن بعد معلوم ہو جائے گی، میں ابھی کچھ بول نہیں کہوں گا۔"

بوقت چپکے کر گئی۔ بوقت کے باب نے اسے اپنے ہاتھوں پر روک لینے کی کوشش کی، لیکن روک نہ سکا۔ وہ زمر سے دراد اور ایک پتھر بڑھاتے ہوئے کہتا: "جس سے اس کے سر میں زخم آگیا اور خون بس بس کے بالائی لباس کو تر کرے لگا۔"

تعلے کا دروازہ کھل گیا۔ دروازہ کے طالبان دید کو تلے میں داخل ہونے کے اجازت بھی دی گئی۔ ان سب کو تلے کے اُس حصے سے دور رکھا گیا۔ جہاں خداوند متین غور مقرر تھا۔ سرسبز شاہاب وادی میں جہاں بھاری پتھر تلے کے کابک بنا دیے گئے تھے۔ یہ مشتاقان دیدار ابھی کابکوں میں غوطہ دے گئے تھے۔ ان کابکوں کے منحنی ترازیوں پر گہرے گھٹھے تھے۔ ان گھٹوں کے ان پار پتھر ساڑی سلا تھا اور اس سلسلے کے بعد پتھر گھٹ۔ اس طرح ایک فرلانگ کے بعد وہ خوبصورت حقیقت تھا جہاں خداوند متین کے خوبصورت عملات تھے۔ ان سرخ اور نیلے پتھر کی علامتوں کو گہرے گہرے دھنڑوں نے اپنی نہاں مٹائی رکھا تھا اور ان عملات کی جود یواریں نظر بھی آنی تھیں ان پر عشق بیچیاں کی کی بیس چرمی پریش تھیں جن کے سرخ سرخ پھول دیواروں میں آگ سی لگا رہے تھے۔

زمر نے بوقت کے باب کو بتایا: "ان ہزاروں آدمیوں میں آپ لوگ وہ خوش قسمت انسان ہیں جنہیں خداوند متین نے اپنی قربت سے فزانے کا شرف بخشا ہے۔ آپ لوگ یہاں نہیں چھوڑیں گے بلکہ آگے چلیں گے اور خداوند کے عظیم عملات میں سے کسی ایک میں انہماک کا غرض حاصل کریں گے۔ بوقت کا باب خداوند کے عمل کی طرف منہ کر کے سجدے میں گر گیا اور رو رو کے پیر عاجزی کا اعلان کرتے لگا۔"

بھاری خردوں پر ان کا سامان لدا ہوا تھا۔ افسر ۱۵ اور سو گرو بوقت بھی ایک قہر پر سوار تھیں ان سے آگے پیچھے ہرتی ہوتی متین کے عملات کی طرف چل جا رہی تھی۔ اسے یہ سرسبز شاہاب علاقہ پسند بہت آیا لیکن یہاں کے بر لطف مناظر سے وہ حفا نہیں حاصل کر سکا۔ اسے بار بار یہی احساس شائد ہوا کہ زمر نے اس کے ساتھ دھوکا کیا ہے اور معلوم نہیں کیسے اس کا "حق دار" قرار دے دیا گیا ہے۔ یہ لوگ پہاڑی راسخوں کے نشیب و فراز طے کرتے ہوئے خداوند متین کے زیر سایہ پہنچ گئے۔ انگوڑوں کی بیڑیوں میں انہیں خوش آمدید بھی اور دوسرے پہاڑی دھنڑوں نے ہتھکڑی ہونے کے سوا ان کے ساتھ ہنا شروع کر دیا۔ اس سوچ میں انھوں نے کئی گھنٹے صرف کئے تھے۔ انھیں ایک نئی علامت میں ٹھہرا گیا، جس کے اور ایک خوبصورت ساتھ بنا ہوا تھا۔ بوقت کو ایسا محسوس ہوا جیسے اسے جیسے جی کسی قبرے میں ادا کر دیا گیا ہو۔ اس عمل میں انھیں خداوند متین کے نعمت گاروں کا ایک پرا دکھائی دیا۔ انھوں نے دروازہ دانی کو سعید جہان میں شامل ہونے پر مبارکبادیں دیں اور انھیں دلا کر انھیں خداوند متین کے قرب میں ایسا سکران میسر آئے گا کہ وطن کو بھی جھلا دیا جائے گا۔

تقریباً تین ماہ سے تین گھنٹے بعد خداوند متین کی طرف سے ایک خوبصورت فرستادہ آیا اور



انہیں بتایا کہ خداوندان کی آمد سے بہت خوش ہے اور وطن کے چھوٹ جانے کا غم غلط کر دیا جائے گا۔ بوقت کو یہاں انہیں غیب سے پڑوسوں پر تو ایسا تیزاب، انگل کی تو، ان دونوں کے علاوہ ایسی بڑی دھال پائی جاتی تھی، جس کے بارے میں وہ کوئی معلومات نہ رکھتی تھی۔ انہیں نے زمین پر سے پوچھا: "یہاں یہ بدبو کیسی پائی جاتی ہے؟"

زمیر نے جواب دیا: "خداوند متعین چیزوں کے خواص کا بڑا گہرا علم رکھتے ہیں۔ ان کی فہم گاہ میں معلوم نہیں کیا کیا رکھا ہو سکتا ہے۔ اس میں تیزاب، بارے اور ان کے سے تو میں خود بھی واقف ہوں۔ بوقت سے پوچھا: "خداوند کے محل میں ان چیزوں کا کیا کام؟"

زمیر نے بے بسی سے جواب دیا: "مجھے کچھ پتہ نہیں۔ ہاں دوسروں سے یہ سنا ہے کہ خداوند متعین چیزوں کے خواص سے بڑا کام لیتے ہیں؟"

زمیر کی باتیں بوقت کی سمجھ سے بالائیں۔ اس نے یہاں زمیر کو بہت جڑا بھی کہا۔ بول: "زمیر! اسی دن آگ کے سامنے تم جس طرح تہنے میرا دل توڑا تھا، میری خدا سے یہ حساب ہے کہ وہ جہانوں میں اسی طرح توڑ دے گا۔"

زمیر نے کھوکھل ہنسی ہنستے ہوئے کہا: "میرا دل تو تم نے پہلے ہی توڑ رکھا ہے۔ بوقت نے برجستہ بول دیا: "یہ تم سے کوئی وعدہ نہیں کیا تھا؟"

زمیر نے کہا: "وعدہ تو میں نے ہی کوئی نہیں کیا تھا۔"

بوقت نے تقریباً بات کاٹتے ہوئے کہا: "تم نے مجھ کو وعدہ کیا تھا کہ تم مجھے لیٹ سے لگے اور مجھے لیٹ کے حوالے کر دو گے لیکن تم نے ایسا نہیں کیا۔"

زمیر نے کہا: "میں نے لیٹ سے ٹوٹنے کا اگر تم سے کوئی وعدہ کر رکھا ہے تو میں اس سے نہیں غور و ملو ادوں گا لیکن میں نے یہ وعدہ کبھی نہیں کیا کہ تم اس کے حوالے کر دو جانا۔"

بوقت میں ذرا ہنستے آئی، بولی: "اچھا اگر تم دوسری بات سے پھر رہے ہو تو کوئی بات نہیں لیکن یہ تو کر سکتے ہو کہ مجھے لیٹ سے کسی طرح ملو ادو۔"

زمیر نے کہا: "ہاں یہ کوئی مشکل بات نہیں ہے۔ میں اس سے تمہیں غور و ملو ادوں گا۔"

کئی دن بعد ان کو زمیر خداوند متعین کی طرف سے یہ پیغام دیا کہ: "بوقت! تم خوش قسمت ہو کہ خداوند متعین نے تمہیں یاد فرمایا۔"

بوقت نے گم ہونے کے پوچھا: "کیا تمہا مجھے طلب کیا ہے؟ کیا میں وہاں ایک ہی جاؤں گی؟"

زمیر نے جواب دیا: "نہیں تو میں ساتھ چلوں گا۔"

بوقت، خداوند متعین کی طلبی سے سہم گئی تھی۔ خود وہ بھی میں بولی: "لیکن وہ مجھے تنہا کیوں بلا رہا ہے؟"

وہ خدا کی یا تم خدا ہی جانے شاید تمہارے حسن کی دوسروں سے تعریفیں ہی کرے۔"

بوقت نے خراپا کیا: "خدا نے مجھے حسن کی تحریروں دوسروں سے کی ہے؟ کیا وہ غیب کا علم نہیں رکھتا جو کسی خبر کے سلسلے میں دوسروں کی معلومات کا پابند ہے؟"

زمیر نے خدا کی وفات کی، بولی: "خداوند متعین کو تو تمہارے دونوں تک کا حال معلوم ہے۔ لیکن جب سے اس نے ایک مادی جسم میں ظہور کیا ہے وہ ان نام امر کا پابند ہو گیا ہے، جو ایک مادی جسم سے وابستہ ہیں؟"

بوقت نے تسویش سے پوچھا: "کیا خداوند متعین صرف حسین شکلوں ہی کو اپنے فضلہ طلب کرتا ہے؟"

زمیر نے جواب دیا: "ہاں، کیونکہ وہ خود حسین ہے، اس لئے حسینوں ہی کو پسند کرتا ہے۔"

بوقت کے دل میں خداوند متعین کے خلاف بہت سی باتیں کانٹے کی طرحا چبھ رہی تھیں۔ اس نے پوچھا: "کیا خداوند متعین نے شادی بھی کی ہے؟"

زمیر نے اس کی رسم تو ان لوگوں کے لئے نافذ ہوئی ہے: "زمیر نے جواب دیا: "خداوند کی ذات آواز ہے اور اسے ان بشری رسوم کا کس طرح پابند کیا جاسکتا ہے؟"

لیکن اس کے جواب سے بوقت کو تسکین نہیں ہوئی۔ وہ جو کچھ جانا چاہتی تھی زمیر کے جواب سے وہ بات صاف نہیں ہوئی تھی اس نے مزید استفسار کیا: "کیا خداوند متعین عورتوں میں دلچسپی لیتا ہے؟"

زمیر نے جواب دیا: "بوقت! تم یہ مت بھولو کہ خداوند نے ان شکل میں ظہور کیا ہے اس لئے وہ نام خصوصیات اور اوصاف ہر ایک آدمی میں پائی جاتی ہیں اس میں بھی پائی جاتی ہیں وہ کھانا کھاتا ہے، غسل کرتا ہے، لباس پہنتا ہے، سوتا ہے، جاگتا ہے، باتیں کرتا ہے، عورتیں رکھتا ہے اور ان عورتوں سے اسی طرح پیش آتے ہیں جس طرح کوئی مرد عورت سے۔ قرآن پاک میں خدا نے عورت اور مرد کو ایک دوسرے کا لباس کہا ہے۔ خداوند متعین بھی انسانی جسم میں اس کے بعد عورت کو اپنا لباس پہنتا ہے۔"

بوقت کو حیرت سی ہونے لگی۔ اسے خداوند متعین کے غلام کا پتہ حل چکا تھا۔ اس نے متعین کے روبرو تنہا جانے سے انکار کر دیا، بولی: "میں وہاں نہیں جاؤں گی، میں خداوند متعین سے مل نہیں چاہتی۔"

زمیر نے دہشتی سے کہا: "تمہیں وہاں جانا پڑے گا۔ کہیں میں اتنی منت ہے کہ وہ خداوند کے احکام کو نظر انداز کر دے۔ اس کے حکم پر نہ ہر سنی علی کرایا جائے گا؟" پھر دارم ہوا اختیار کیا: "اوہ بوقت! اس کے باوجود کہ میں تم پر جبر نہیں کرنا چاہتا، اس معاملے پر مجبور نہ ہوتی سے کام لینے پر مجبور ہوں۔"



بوقت سے اٹھ بیٹھے میں کہا: "میں نے بھی یہ فیصلہ کر لیا ہے کہ میں تمہارے خداوند کے  
 دربار میں جاؤں گی اور اگر اس مسئلے میں تم یا کسی اور نے مجھ سے کام لیا تو میں خود کشی کر لوں گی۔"  
 زہیر نے غصے سے کہا: "بوقت! اس وقت میں ایک بات صاف کر دینا چاہتا ہوں۔  
 میں نے جب تم سے یہ کہا تھا کہ میں تمہاری عہد سے دستبردار ہو رہی ہوں اور تم اپنے عیسائی خداوند کے  
 حوالے کر دے گی جاؤ گی اور اس وقت مسئلہ زمین میں خداوند متعال کا ہی معاملہ تھا۔ کیا یہ تمہارا  
 پہلے خداؤں کے لئے شرفِ نبوت کی بات نہیں کہ تم خداوند متعال کی محبہ کہلاؤ۔ بوقت! میں نے  
 اپنے دل پر جبر و اجبر کا پتھر رکھ کے، خداوند متعال کی خاطر تم سے دست کشی اختیار کر کے اور میں  
 یہ سعادت حاصل کر کے رہوں گا کہ میں خداوند متعال کی آغوش میں گرا ہوا دیکھوں؟  
 بوقت کی تیوریوں پر بل گئے اور خشمناک نظروں سے نہر کو گھرا، تلخ و ترش لبہ سے  
 کہنے لگی: "میں غصے بڑا ہوں ان سمجھتی تھی لیکن تم نہایت بہت انسان تھے۔ میری بات تھیں اب تک  
 جو سوچا ہے۔ اسے اپنے دل سے نکال دو، ورنہ اگر تم نے کسی طرح جبر و اجبر دہشتی سے کام لیا  
 تو نہیں شرمندگی اور ندامت سے رو بہار ہونا چاہئے گا۔"  
 زہیر نے بھی غصے سے کہا: "میں اپنے کسی بھی منصوبے میں اب تک تو شرمندگی یا ندامت  
 سے رو بہار ہوا نہیں۔ آگے کا حال خداوند متعال مجھ سے بہتر جانتا ہو گا۔"  
 بوقت نے اسے جھڑکی دی، زور سے چیخ بولی کھڑی ہو گئی: "تم بھی دیکھنا میں بھی دیکھوں  
 گی! تم جو کچھ دیکھو اس کو مجھے ضرور دکھانا دینا۔ ایسا نہ ہو کہ دل کی بات دل ہی میں رہ جائے؟"  
 زہیر نے خلاف توقع سوال کیا: "بوقت! تم لیٹ سے کب من چاہتی ہو؟"  
 بوقت کسی قدر نرم پڑ گئی: "بے جہمی سے پوچھا۔ وہ کہاں ہے؟ میں اس سے ضرور  
 ملوں گی، باہر اسی طرح! ایک دو بار نہیں مدد پاؤں گی۔ وہ کہاں ہے؟"  
 زہیر نے جواب دیا: "وہ مسٹر منجی میں ہے اور اُسے کل تک تم سے ملا دیا جائے گا۔"  
 بوقت پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی: "دل آزادی بدترین گناہ ہے لیکن میں یہ عرس کرتا ہوں  
 تمہارا خداوند متعال دوسروں کی دل آزادی سے خوش ہوتا ہے؟"  
 "ہی! بوقت! زیادہ عذاب! میں اس سے زیادہ نہیں سن سکتا، اپنی جگہ اندک و تا زہیر  
 کے رز سے جھانک اڑنے لگی: "بوقت! چپ رہو! اور زہیر اسے تنہا چھوڑ کر بیرنگتا باہر نکلی گیا۔

بوقت بجز دہشتی اور اس کے ساتھ بولی: "زہیر! اُسے اسی عمارت کے بالائی حصے میں  
 لے گیا۔ وہ گول زمریں میں گھومتی ہوئی اور پہنچ گئی۔ بوقت سے تقریباً چھ سات فٹ پہلے اٹھیں ایک  
 بھڑکی کو کھڑی نظر آئی، جس میں ایک سالابین پڑا ہوا تھا۔ زہیر نے کہا: "وہ یعنی لیٹ اس کو کھڑی  
 میں نہ ہے۔" پھر اس نے کبھی بوقت کی طرف اشارہ کیا ہی، بولا: "اسے تم خود کھڑی کرو گی اور اندہ بھی تم  
 ہی جاؤ گی کہ زہیر کے معاملہ جہادِ ذات سے متعلق رہتا ہے۔"  
 لیکن بوقت کو زہیر برا عقیدہ نہیں رہا تھا۔ وہ کھڑی کو کھڑی کے اندر تنہا نہیں مانا چاہتی تھی۔ اُس نے  
 کہا: "کو کھڑی کو تم خود کھڑی لو اور لیٹ کو باہر بلاؤ، میں اندہ نہیں جاؤں گی۔"  
 زہیر نے طنز یہ کہا: "میں تمہارا مطلب خوب اچھی طرح سمجھ گیا،" پھر اس نے قفل کھولا اور اندر  
 جاتا ہوا ہوا۔ "تم مجھ پر عقیدہ نہیں کرتیں شاید، نہ کروا عقیدہ، اس سے کیا فرق پڑتا ہے؟"  
 یہ کہتا ہوا وہ کھڑی کی تارکی میں گھس گیا لیکن جب تھڑی دیر بعد باہر آیا تو اس کے ساتھ  
 ایک جوبلا تھا، ہمارا نوجوان بھی تھا۔ بوقت نے غصے سے اس نوجوان کو دیکھا اور اس میں لیٹ کی شبہات  
 پاکر تیزی سے اس کی طرف بڑھی لیکن زہیر ان دونوں کے درمیان حائل ہو گیا: "ابھی نہیں، ابھی تم دونوں  
 ایک دوسرے سے دور رہو!"  
 بوقت اضطراب و خفقان میں زہیر کو دھککا دینے لگی لیکن مضبوط و توانا زہیر اس کا کوئی اثر نہ  
 ہوا۔ لیٹ مجبوری اور بے بسی سے بوقت کی شکل دیکھنے لگا رہا تھا۔ زہیر نے بوقت سے طیش میں کہا:  
 "بوقت! اپنے ہوش میں رہو، دیرانگی سے کام نہ لو، کیا تم مجھے دھککا دے کر لیٹ تک پہنچ سکتی ہو؟"  
 بوقت نے بدستور غصے میں کہا: "زہیر! اساتے سے ہٹ جاؤ ورنہ میں تمہاری اور اپنی زبان  
 ایک کر دوں گی۔ یہ کہتی ہوئی وہ ایک پتھر کی شکل بڑھی لیکن زہیر نے اس سے پہلے ہی وہ پتھر اٹھ کے  
 نیچے پھینک دیا۔ پھر بوقت نے نہایت خشک لبہ میں کہا: "یہ خیال ہے کہ تم یہ نہیں پسند کرو گی کہ میں  
 لیٹ کو دوبارہ کھڑی میں بند کر کے واپس چلا جاؤں؟"  
 بوقت نے بے جہمی میں جلدی جلدی کہا: "نہیں! خدا کیلئے! مجھے اُس سے چند باتیں کر لینے دو!"  
 زہیر نے تو منی سے کہا: "تو باتیں زور اور سے کرو۔"  
 لیٹ نے عین آواز میں بوقت سے کہا: "بوقت! تم اس نوجوان کی بات مانو۔"  
 بوقت نے غصے میں کہا: "لیٹ! اگر میں تمہارے جہ سے ٹک کر کھڑی ہو کے بات چیت کران  
 تو اس نوجوان کو کیا اعتراض ہو سکتا ہے؟"  
 اس باز زہیر نے جواب دیا، بول: "میں خواہ خواہ خدا کا شکار ہو جاؤں گا لیکن زہیر میں کسی حالت  
 میں بھی نہیں برداشت کر سکتا بوقت اور لیٹ مل کے ایک ساتھ میرے منہ سے کھڑے ہوں؟"  
 لیٹ نے ناخوشگوار سے کہا: "بوقت! تم خواہ خواہ وقت کیوں ضائع کر رہی ہو؟ اس ضدی  
 ۲۲۱



اور حامد فوجوان کی مرضی کے مطابق اسی حالت میں بھی ہم دونوں بائیں کر سکتے ہیں اس میں الجھنے  
بھگڑنے کی کوئی بات نہیں ہے۔

ناچار جو قوت بھی تیار ہو گئی اور چپ چاپ کھڑی ہو کے لیٹ کی موت تکنے لگی۔

بنو قریظ نے لیٹ سے پوچھا: لیٹ! یہ تم کو فساد کس طرح ہوئے؟

لیٹ نے جواب دیا: دھوکے سے، مجھے اس حامد فوجوان کے ساتھیوں نے دھوکہ  
دے کر کہیں۔

زمر نے ہنستے ہوئے کہا: تم نے چالاکیاں بھی تو بہت دکھائی تھیں۔ یہ دھوکہ کس طرح ہوا  
ہی نہ آتے تھے؟

بنو قریظ نے سوال کیا: یہ تمہاری صحت اچانک کیوں خراب ہو گئی؟

لیٹ نے صاف صاف جواب دیا: اندر دھوپ کا کہیں سے بھی گز نہیں رہتا اس پر قید  
تنبہائی۔ آدمی باجلی نہ ہو تو چند دن بعد باجلی ہو جیسے۔ اگر اسی طرح مجھے دو ہفتے اور گزارنا پڑے تو  
میں پھر زندہ نہ رہوں گا۔

زمر کھڑا کر رہا تھا۔ وہ ان دونوں کی مجبوری اور بے بسی دیکھ دیکھ کے بہت ترش  
ہو رہا تھا۔ پھر معلوم نہیں کیا سبب کے زمر ان دونوں کے سامنے سے بیٹ گئی، صحبت پر ادھر ادھر  
ٹھٹھکے نکلا۔ زور سے بولا: اچھا، اب تم دونوں آزادی سے مل کے باتیں کر سکتے ہو۔ میں تم دونوں کے  
درمیان سے ذرا دور چھا جاتا ہوں۔

بنو قریظ اسے شک کرنا نظر دل سے دیکھا اور اسکی عین جھگو لیں۔ لیٹ بھی دل ہی دل میں  
اس کی خرافات پر ایمان لے آیا۔ اس کے جاتے ہی بنو قریظ نے لیٹ کے کانہ سے پرسو رکھ دیا اور  
چھوٹ چھوٹ کے رونے لگی، بول: "یہ نظم لم فوجوانی مجھ سے کہتا ہے کہ میں معنی کے حرم میں پہل جھاؤں  
کیسے میں یہاں نہیں جاؤں گی۔ میں وہاں نہیں جاؤں گی۔"

لیٹ نے اس کے ہالوں پر ہاتھ پھرنا شروع کر دیا، بولا: "بنو قریظ میں ان بے دیوں کو اتنا  
طاقتور نہیں سمجھتا تھا، معلوم نہیں بفساد کی عبادی حکومت ان کے لئے کیا کر رہی ہے۔ ان لوگوں نے  
تو مجھے دکھ پہنچائے ہیں ان سے میرا حوصلہ بہت ہو گیا۔"

بنو قریظ نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا: "اور کی تو یہ ہے کہ تم کو فساد ہر کے ہمارے ساتھ  
پلٹے وہے لیکن میں اس کا علم تک نہ ہو سکا۔"

لیٹ نے ڈرتے ڈرتے پوچھا: کیا تم نے معنی کا دین اختیار کر لیا؟

"نہیں، ابھی نہیں۔ بنو قریظ نے کہا: کیوں؟"

لیٹ نے کہا: "اور آئندہ کیا تم بھی ان بے دیوں میں شامل ہو جاؤ گی؟"

بنو قریظ نے جواب دیا: "شاید، کبھی نہیں؟"  
لیٹ کے چہرے پر خوشی کی لہر دوڑ گئی، کچھ دیر میں پوچھا: کیا میں اس کو کھڑی میں سر  
جاؤں گا؟

بنو قریظ نے تسلی دہی بول: "میں کوشش کروں گی کہ تم چھوڑ دے جاؤ۔"

"وہ کس طرح؟" لیٹ نے بے چین سے پوچھا۔

بنو قریظ کچھ سوچ رہی تھی۔ ذرا دیر بعد غلامی گھورتی ہوئی بولی: "میں کوشش کروں گی اور شاید  
الان میں نام کام نہ رہی۔"

اس کے بعد اس نے خود کو لیٹ کی آغوش میں دے دیا، روتی ہوئی بولی: "اور میں یہ بھی  
کہہ کر کہ جب تم آزاد ہو کر یہاں سے چلے جاؤ گے تو کبھی مجھے یاد نہ کر دو گے۔ کسی لڑکی سے شادی  
کر کے بنو قریظ کو اپنے دل سے نکال چھین کر دے؟"

"ایسا کبھی بھی نہ ہو گا بنو قریظ!" لیٹ نے کہا: "میں تم سے محبت کرتا ہوں، تمہیں چاہتا  
ہوں اور میں تمہیں زندگی بھر یاد رکھوں گا۔ میں تمہیں کبھی بھی نہ بھولوں گا۔"

بنو قریظ نے سسوداہ بھر کے کہا: سب کچھنے کی باتیں ہیں، کوئی کسی کو نہیں رکھتا۔  
لیٹ بھی ایک دم جذباتی ہو گئی بولا: "تب پھر میں آزادی نہیں چاہتا۔ اگر مجھے آزادی مل بھی  
تو میں بھی اس کو کھڑی سے نہ نکالوں گا۔"

بنو قریظ زبردستی مسکراتے ہوئے اس کی ہٹوڑی میں ہاتھ ڈال دیا اور سہلاتی ہوئی بولی: میں  
اسے خالق کر دی تھی اور سنو مجھے تو تمہاری محبت پر اتنا یقین ہے جتنا مسیح کی طہارت و صافیت کا۔  
زمر وہاں آگیا، مسکراتے ہوئے پوچھا: کیا تم دونوں نے فیہ کام کی باتیں کر لیں؟

بنو قریظ نے جواب دیا: ہاں، کر لیں۔

زمر نے ہنستے ہوئے کہا: لیکن اس وقت میں تمہیں اپنی طرح سوجھ بوجھ کر غل ہوا ہوں کیونکہ  
مجھے یقین ہو گیا ہے کہ تم دونوں اب اپنی جذباتی گفتگو کے ہم مؤثر ہو رہے ہو۔ پھر زور زور سے ہنستے ہو اولا۔  
پھر مجھے بھی دراصل تم دونوں کے ترسانے ترپانے میں مزہ آئے گا۔ یہ کہہ کر بنو قریظ اس سے پیٹلے  
لالہ لالہ بھی ترپائی لگے ہر۔

ان دونوں نے اسی شقی القلب کی باتوں کا کرن جواب نہ دیا۔ زمر نے لیٹ کو حکم دیا: اب  
نہ جاؤ۔

لیٹ نے بنو قریظ سے کہہ کر دیکھا۔ بنو قریظ اتنی محبت نہیں تھی کہ وہ اسے اندر جاتا ہوا دیکھ  
اس لئے اپنا سر پھیر لیا اور لیٹ اندر چلا گیا۔ زمر نے کو کھڑی کو پھر معنی کر دیا۔

جب وہ دونوں واپس پہنچے جا رہے تھے تو زمر غار شش و نہر مند بنو قریظ کی الجھن اور نفیسی



کیفیات کا نہایت علاوہ شاہدہ فرما تھا افراس نے بڑا کر سنے کی خاطر پھر ایسی تم میث کو کوئی  
 دلان پسند کر دے گی؟  
 بڑا کر سنے بے اختیار جواب دیا کہ تو دیا کہ ہالوں سے آزاد دیکھا جا رہی ہوں، لیکن کب  
 طرح میں نہیں جانتی؟  
 زہیر نے مزید سنتے ہوئے کہا: اگر تم جانتی ہو تو میث کو، زاری مل سکتی ہے؟  
 بڑا کر سنے نے بے یقینی سے کہا: میں نے کبہ تو دیا کہ میں اسے آزاد دیکھا جا رہی ہوں! پھر  
 پوچھا: میں اسے کس طرح آزادی دلوا سکتی ہوں؟  
 زہیر نے طنز آمیز لہجے میں کہا: ترکیب میں نہیں تباہی گا اس پر عمل کرنا تمہارا کام ہو گا۔  
 بڑا کر سنے کا مطلب بڑھتا بارہا تھا، اٹلا کے پوچھا: آخر کس طرح؟ تم کہہ جاتے کیوں نہیں؟  
 زہیر نے کہا: یہاں تو بس ایک ہی جہتی ایسی ہے جہاں ممکن کر ممکن بنا سکتی ہے اور وہ  
 ہے خداوند تعالیٰ کی ذات، اگر وہ چاہے تو میث کو اسی وقت آزادی مل سکتی ہے۔  
 بڑا کر سنے خوشامد کی: تب پھر تم میری طرف سے اس کی ترغیب کر لو زہیر! میں تمہارا  
 احسان زندہ گی بھر نہیں بھولوں گی۔ تم خداوند تعالیٰ سے میث کو ہال دلادو۔  
 زہیر نے جواب دیا: خداوند تعالیٰ میری بات نہیں مانے گا۔  
 پھر وہ جس کی بات مان لے گا، اس سے سفارش کرادو۔  
 زہیر نے کہا: کسی سے بھی کچھ کہنے سننے کی ضرورت نہیں ہے اس کام کے لئے تم تنہا  
 کافی ہو۔ تم خود خداوند کے پاس جلی عبادت کی آزادی کا پرواز لے آؤ۔  
 بڑا کر سنے میں آٹھنی: کچھ دیر تک تو اس کی شاید سمجھ میں بھی نہ آئے کہ زہیر نے بات  
 کیا کہی ہے لیکن جیسے جیسے بات سمجھ میں آئی گئی بڑا کر سنے سے کھو کھو کر کسی چڑھ گئی۔ پہلے تو اسے  
 کہے گی میں آئی کروہ فوراً انکار کر دے اور زہیر سے کہہ دے کہ اگر میث کو اسی شرط پر آزادی مل سکتی  
 ہے تو وہ ایسی آزادی نہیں چاہتی لیکن پھر سامنے کی نزاکت اور اہمیت کا احساس کر کے خاموش ہو رہی۔  
 زہیر اس کشمکش اور اس کے تنازع کا خوب اچھی طرح اندازہ کر چکا تھا، براہ راست بڑا کر سنے کو ہال کو  
 میث مل ہی رہا دیا جائے گا۔  
 بڑا کر سنے نے سرائی کے زہیر کی دھندل دھندل سی شکل دیکھی اور شاید مدہوشی کی کیفیت  
 میں آہستہ سے کہا: ہال میں تیار ہوں میں میث کی آزادی چاہتی ہوں، ہر طرح، ہر قیمت پر میں میث کے  
 لئے تمہارے خداوند کے پاس تیار ہوں گی، اس سے بھی ملوں گی؟  
 یہ کہنے کہتے وہ بے ہوش بر کے گرنے لگی لیکن زہیر نے اسے اپنے ہاتھوں پر روک لیا۔

اس دن خداوند تعالیٰ نے اپنے پرستاروں کو خصوصی حکم بھیجا تھا کہ پورے قلعے اور اس  
 قلعہ محلات کو سجایا جائے۔ اس کام میں منوں نیل خرچ ہوا اور آبی حساب سے دوئی بھی کام میں  
 آئی خوشنویات سے محل میں کنگہ عقیدت مندوں اور پرستاروں نے عید جیسا اہتمام کیا اور  
 منے پکڑے پہن کر خداوند تعالیٰ کے محل کی طرف منہ کر کے اس کی حمد و ثنائیاں کرنا شروع کر دی  
 اور چند دوسرے مبلغین آگے آگے تھے اور ان کے پیچھے وہ پرستار تھے جو دروازے کی صفات  
 کے خداوند تعالیٰ کی قربت حاصل کرنے آئے تھے ان میں سے اکثر خداوند کی شہرہ بھی دیکھنا چاہتے  
 تھے اور خداوند تعالیٰ کے بار بار منہ کرنے کے باوجود وہ موسیقی کی طرح لہری انداز پر قائم تھے اور انہیں  
 کاندھ کیوں کی بھی کوئی پرواہ نہ تھی۔ انہی لوگوں میں بڑا کر سنے کے والدین بھی شامل تھے۔ اس دن بڑا کر  
 سنے نے اپنے والدین کو بلایا تھا۔ وہ ان سب کے جھرمٹ میں کشاں کشاں چلی جا رہی تھی، ان کا ہر قدم انہیں تعنی  
 صریح کرتا جا رہا تھا جب یہ لوگ اس صفائے کے سلسلے پہنچ گئے جس کے دوسری طرف  
 خداوند تعالیٰ ایک موقع تخت پر اپنا چہرہ نہری نقاب میں چھپائے بیٹھا تھا تو بارگاہ خداوندی کے  
 حلقے نے با آواز بلند انہیں دیکھ جانے کا حکم دیا۔ وہ ڈرنا ٹھیک سا تھا۔ خدام کی آواز میں جیسے جیسے  
 ان کے کانوں میں پہنچیں تو جس حال میں تھا، اسی طرح کھڑا ہو گیا، بعض کا یا یاں پیراٹھ چکا تھا اور  
 بعض کا دایاں، ان کے لئے ہوئے پیراٹھ کے اٹھے رہ گئے بعض نے فرط عقیدت میں خود کو قدرے  
 خمیدہ کر لیا تھا، وہ جھکے جھکے رہ گئے تھے بعض نے دونوں ہاتھوں سے اپنے سر کو پکڑ لیا تھا، وہ اسی  
 حالت میں کھڑے گئے بعض کا چہرہ اندر دینی جذباتی کھنچاؤ سے ہلکا ہلکا ہلکا تھا اور وہ ہلکا ہلکا اس کے  
 سامنے سر جھکا کر زمین پر جھکے ہوئے اپنے قدموں کو دیکھ رہے تھے۔ بڑا کر سنے ایک ذات ایسی تھی جس پر  
 ان ملک کا کوئی اثر نہ ہوا تھا اور وہ اپنے آس پاس ان عاقلانہ غیروں کو حسرت و توبہ سے گزان  
 گھا گھا کر دیکھ رہی تھی۔ سامنے جو دروازہ تھا اس کی غلاب کو خوشبو بردار اور رنگ برنگ پھولوں سے  
 محاذ دیا گیا تھا۔ دروازے کے آس پاس کی دیواروں کو پھولوں کے ہاروں سے کی اس طرح ڈھانپ  
 دیا گیا تھا کہ دیوار ان میں چھپ گئی تھی اور ایسا لگتا تھا جیسے پھولدار درختوں کی لمبی چوڑی اور  
 موسیقی جیلین زمین پر دیوار کی طرح کھڑی کر دی گئی ہیں۔  
 کچھ ہی دیر بعد دروازے کے دونوں پٹ خود بخود کھل گئے اور عقیدت مندوں کو کہا  
 گیا کہ وہ سجدے میں گر جائیں، حکم پاتے ہی سبھی سر بسجود ہو گئے۔ بڑا کر سنے یہاں بھی تعمیل نہیں کی بلکہ  
 زہیر نے زہیر کے لئے گدی سے پکڑے سجدے میں گر دیا۔ وہ زمین پر پیشانی کے بل گر گئی۔ پیشانی  
 زخمی ہو گئی اور اس سے خون جاری ہو گیا۔  
 کسی مقربہ خاص نے با آواز بلند خداوند تعالیٰ کی طرف سے حکم دیا: خداوند کی محبوبہ کو  
 دروازے میں داخل ہونے کے واسطے جانب کے کمرے میں بٹھا دیا جائے۔



نہیں دیکھتا اور بتو کہ کھڑا کیا اور اسے اپنے بازوؤں میں لے کے مذکورہ کوسے پر پہنچا کے واپس آ گیا۔

خداوند کے خدام نے اس کے حکم کو ایک بار پھر پرستاروں کے گاؤں تک پہنچایا اور اسے اٹھ کر لے گئے دیکھا جاتے ہیں۔

مرد جو گزریں اٹھیں اور انھوں نے اپنے سامنے دیکھا کھڑا کر دیا۔ سامنے خداوند کے خدام کے ذریعے پرستاروں کو منسوب کیا۔

اور گویا ہم خوش میں کہ تم نے دور دراز مقامات سے یہاں تک دشوار گزار راستوں کو اپنے لیے عبور کیا ہے کہ تم ہمارا قریب چاہتے تھے۔ تم ہمارے دیدار سے شرف اندوز ہونا چاہتے تھے۔ اس وقت سے ہم تمہارے سامنے ہیں لیکن سامنے ہونے کے باوجود تم ہمارا دیدار نہیں کر سکتے ہماری قربت حاصل ہونے کے باوجود تم ہمیں نہیں دیکھ سکتے۔

بہت سے پرستاروں نے ایک آواز جذباتی لہجے میں کہا: ہم خداوند کے دیدار سے محروم رہنا چاہتے ہیں؟

خداوند متقن نے جواب دیا: یہ ناممکن ہے۔

پرستاروں نے اصرار کیا: خدا کے لئے کوئی بات بھی ناممکن نہیں ہے۔ "ہے شک ہمارے لئے کوئی بات بھی ناممکن نہیں اور اسی لئے ہم انسانی شکل اختیار کر کے اس وقت تم میں تمہارے دربار میں موجود ہیں۔"

پرستاروں نے اصرار کیا: ہم خداوند کے لیے نقاب دیکھنا چاہتے ہیں۔ تم نہیں دیکھ سکتے۔ خداوند نے پہلی بار اپنے پرستاروں کو براہ راست غلام کیا: کیونکہ تم سب پہلے ہمارے خدای بند سے ہوئی تھے۔

پھر ہم نے تم کو براہ راست غلام کرنے کے باوجود سب وہ باز نہیں آیا تھا تو ہم نے اسے اپنی ایک جگہ سے جھٹک دیا اور اسے اس کی تاب نہ لائے بے ہوش کر دیا تھا۔ کیا تم بھی جانتے ہو؟

پرستاروں کی طرف سے ایک ہی اصرار تھا: ہم خداوند کی ایک جھٹک پر اپنے جانی تک قربان کر دینے کو تیار ہیں۔

خداوند نے کہا: تمہارے نادان بندے! میں تمہیں نظر نہیں آ رہا ہے۔

پرستاروں نے جواب دیا: ہر شخص ہم خداوند کا جمال پر محسوس دیکھنا چاہتے ہیں۔ متقن نے دریافت کیا: تم میں کس شکل میں دیکھنا چاہتے ہو؟ انسانی شکل میں یا حقیقی شکل میں؟

پرستاروں نے جواب دیا: حقیقی شکل میں۔ اچھا! ہم انسانی شکل کا متعلق ہے وہ ہمارے سامنے موجود رہے۔

متقن نے کہا: ہم تجھے فوراً ایک بھاری سوز تجھے، اگر ہم اپنے چہرے سے اپنی بڑی نقاب ہٹا دیں تو تم جھپٹے مگر گئے، اور تمہارے ہوش و حواس جاتے رہیں گے۔

کچھ بھی ہو! پرستاروں نے کہا: ہم خداوند کو بے نقاب دیکھنا چاہتے ہیں۔ خداوند نے جواب دیا: بہتر ہے، کل دو پہر تم سب سامنے، قریب کی پہاڑی پر جمع ہو جاؤ، کل ہم اپنے چہرے کی نقاب ہٹا دیں گے اور تم سب ہمارے جلوے سے شاد کام ہو سکو گے۔ لیکن ہم ایک بار پھر بتا دینا چاہتے ہیں کہ تم ہمارے جلوے کی تاب نہ لاسکو گے۔ پرستاروں نے کہا: ہم سب خداوند کی ایک جھٹک پر اپنا سب کچھ قربان کر لینے کو تیار ہیں۔

خداوند نے انھیں واپس جانے کا حکم دیا: تم سب واپس جاؤ۔ پھر اپنے مبلغین کو بلا لیا۔ اور سب وہ بندے، جنہیں فرشتگان کی خدمات سپرد کی گئی ہیں اور وہ جنہیں میں نے اپنے دین کی تبلیغ و اشاعت پر مامور کیا ہے، ان کے ساتھ ہی ہو کر کے وہ خوش نصیب والدین ہیں ان کے جانی تک قربان کر دینے کا شرف حاصل ہے۔

پرستاروں کا یہ جزم جس طرح آیا تھا واپس چلا گیا لیکن مبلغین اور بتو کے والدین بھی دیک گئے۔ خداوند متقن نے انھیں اپنے تحت کے قریب آنے کا حکم دیا۔ یہ سب متقن کے غم سے تقریباً دس قدم دور جا کے کھڑے ہو گئے۔

خداوند متقن نے بتو کے والدین کو مستعجب کی بنیاد کامیاب و کامران اور خوش و غم زندگی کی نشاندہی اور زمین سے کہا: انھیں میرے عمل خالص کے برابر کا جھڑک دینے کے لئے دعا کیا جائے۔

وہ میرے ان دونوں کو مذکورہ محل میں پہنچا دیا۔ اس نے ان کو خوشخبری سنائی: بتو کے سر پرستار! تم اس دین کے کتنے خوش قسمت انسان ہو کہ خدا نے تمہیں اپنے نسبت والدین ہونے کا شرف بخشا ہے۔

بتو کے والدین انہیں شکر گزار رہی میں متقن کے کمرے کی طرف منہ کر کے بکھیرے ہوئے گئے۔

بتو کی قربت میں نے ایک بیک عرس کیا جیسے خوشی کا طوفان اس کی طرف بڑھ رہا ہے۔ پہلے پھر اپنے کمرے میں اپنا تک بہت سارے وجود عرس کئے۔ اس نے نظریں اٹھا کر اپنے اس پاس دیکھا تو دس بارہ عورتیں عروسی کھڑی دکھائی دیں، بتو کی دشت بڑھتی جا رہی تھی۔ اس



نے ان کو تڑپ سے دریافت کیا : "مگر کون ہوا دوست تھے یہاں تھی دیر کو تباہ ہے ؟  
 ان میں سے ایک کو موت کے گھر پہنچا اور اسے جواب دیا : "میں تمہاری خدمت  
 کا موکر ہوں کہ آج اس وقت خداوند تعالیٰ کی عرس ہوئے کا شرف حاصل کر رہی ہوں ، خداوند تعالیٰ  
 چاہے گا کہ تمہیں ایسی جگہ سے حرکت کا حکم دے جس سے تم کو ۱۰۰ اسی وقت زندہ نکال دے اور  
 دیکھتے دیکھتے تمہیں ایک عرس ہو جائے گا تو تمہیں خداوند تعالیٰ کا عرس ہو جائے گا ۔  
 نگاہ دو رو رہے اور جو جس حال میں ہے اس میں مجھ پر حملے یہاں تک کہ خداوند حرکت  
 عطا فرمائیں ۔"

یہ خواتین جس حالت میں انداز میں کھڑی تھیں پتھر کے عجموں کی طرح اسی انداز میں  
 کھڑی رہ گئیں ۔  
 متعجب خوش روایات میں موعظ ائمہ اہل بیت علیہم السلام تھا کہ ہر بزرگے در بدر کا کھڑا ہو کر بزرگے  
 بزرگے کو دیکھ کر دیا اس کے بعد عزت گزار خواہیں کو کھڑے دیا "خداوند تعالیٰ  
 وہ خلائق میں سے ہیں جن کا خداوند تعالیٰ کو کھڑے نہ دے دیکھتے رہنے کے بعد خداوند تعالیٰ  
 "بزرگے اسے میری عزت میں درمقرر کرے گا جسے جب شکر ہے پناہ میں کا علم ہوا تو اس نے  
 اپنے پیسے زہر کو کھ دیا کہ شکر ہے اپنے عظمیٰ کو دیا جائے ۔ مجھے خوش ہے کہ زہر میرے  
 فرماں بردار میں سے ہے اس پر پوری امانت کشی سے عمل کیا ہے ۔"

بزرگے نے ہر شخص کے متعجب کی طرف دیکھا ۔ ایک چڑا چلا کہ تہ ذریعہ برقی اور  
 لہاں میں ہلکی اس کے رو برو دیکھ کر تھا ۔ اس کے چہرے پر مسکراہٹ تھا کہ بڑی بڑی ہوتی تھی ۔  
 متعجب نے اسے خاموش دیکھ کر سوال کیا : "بزرگے نے خوش ہونا چاہیے کہ میں نے  
 وہ قربت بخش ہے جس سے دوسرے غور رہتے ہیں ۔  
 بزرگے ہیں کہ میں نے اسے اتنی بڑی قربانی دی تھی اس کی تھوڑی سی کا یہ بہتر  
 تھا ۔ اس نے شرم و حیا کو بلا سے عطا کر دیا کہ متعجب سے کہا : "میں چاہتی ہوں کہ یہ سب  
 مخاطب کا تفصیل تعارف حاصل کروں اس کے بعد ناز و نیاز کی باتیں ہوں ۔  
 متعجب اس کے قریب ہی بیٹھ گیا ، مسکراہٹ سے پر تھا ۔ بزرگے ایک تم فاضی نہیں ہوا  
 کہ میں کون ہوں ؟"

بزرگے نے جواب دیا : "میں نے تمہاری بابت پرس کر رکھا ہے کہ تم کچھ کہہ بیٹے ہاں تم  
 مرد کے قبے غور سے کہہ رہے ہو اور مجھے یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ تم ایسے علم خزانہ کی خزانہ  
 ایک نوبی افسر بھی تھے اور یہ کہ تمہیں تپڑوں کے خواص و اثرات کا وسیع علم حاصل ہے تم تعلیم  
 کے ماہر ہو ۔"

متعجب نے نہایت افسوس سے کہا : "بزرگے ، انہوں کو تم میں ایک شخص سے واقف نہیں ہوئی  
 تھے ان کو کون کچھ نہیں ہوئی تھا خدا ہوں ، تمام جہانوں کا خدا ۔ تمہا کچھ لوگ تھے ان میں سے  
 ایک لوگ ہیں میں اپنے لئے چھوٹے نام اختیار کروں ۔ پہلے میں آدم تھا ، ابراہیم تھا ، موسیٰ اور  
 عیسیٰ تھا اور سب کے آخر میں ابوسلمہ بن علی کی شکل میں ظاہر ہوا اور اب میں ہاتم کی شکل میں  
 ظاہر ہوں ۔"

بزرگے نے کسی قسم کا اثر نہ بغیر کیا ۔ لیکن یہ بات ہے کہ تم سے پہلے جو بھی آیا ، اس  
 نے خود کو خدا نہیں کہا ، محض پیغمبر بننے پر اکتفا کیا اور تم کو خود کو خدا نہیں کہہ رہے ہو ، آخر یہ کون ؟  
 متعجب نے جواب دیا : "اے اے اعلان اور دو گے کی میری طرف سے اجازت نہیں  
 ہے ۔ وہ ان میں سے نہیں تھے لیکن میں سستا ہوا روحانی ہوں اور جو شکل میں چاہوں اختیار کر سکتا ہوں ۔"  
 بزرگے نے پوچھا : "کیا یہ سچ ہے کہ خدا اور حسن و قبح ہے ، کیا تم بھی اس بات کا روبرو  
 ہو سکتے ہو ؟"

متعجب نے جواب دیا : "ہاں میں یہ بھی ہوں ، یہ میری صفت ہے لیکن یہ صفت بھول کر میں ظاہر  
 ہوں اور ہمارے میں ، لیکن اسے ناجائز اور بھٹ و دھوکا دہی کو ترک کرنا چاہیے ہے ؟  
 بزرگے ہم روئے علی ، اس کی آنکھوں سے آنسوؤں کی قطرے ٹپک گئے ۔ متعجب نے ان  
 آنسوؤں کو دیکھنے کی کوشش کی کہ بزرگے اس کا ہاتھ ہٹا دیا اور کہنے لگی : "میں یہ کون رو رہی ہوں اور  
 میں خداوند سے کیا باتیں ہوں کیا اس مسئلے میں مجھے زبان نہیں کھولنی چاہیے کہ خدا جس کی  
 ایک صفہ یہ بھی ہے کہ وہ عالم الغیب ہے ۔  
 دلوں کے عالم میں جاتا ہے خداوند کو ضرور معلوم ہو گا کہ  
 میں کیا چاہتی ہوں ؟"

متعجب نے بے نیازی سے کہا : "بھولی لڑکی میں جانتا ہوں کہ تو کیا چاہتی ہے ؟  
 بزرگے بھٹکا بھٹکا ہو کے متعجب کی طرف تڑپا تھا ، متعجب سے پوچھا : "میں کیا چاہتی ہوں ؟  
 متعجب نے ٹھانے نیازی سے کہا : "تو جو کچھ میں چاہتی ہوں اس سے واقف ہوں ۔  
 لیکن اس کے باوجود یہ مسئلہ وہی ہے کہ تو اپنی خواہش کا غفلت میں اختیار اور اظہار کرے ۔  
 بزرگے نے حیرت سے کہا : "آخر یہ خبروں کا خداوند کو میری زبان سے کچھ نہیں بغیر یہ جب علم  
 حاصل ہے تو وہ اس کو میری زبان سے کیوں سننا چاہتا ہے ؟"

متعجب نے زبانی دیکھا ۔ اس کے انداز میں وہی پہلے سے سیس سیس تھا اب اسے نیازی پائی جاتی  
 تھی اس نے کہا : "تو نے لڑکی دیکھی تو نے اسے ان تمام نندوں کو جو جس عمل مذہب و عفت سے  
 قطع رکھتے ہیں مسکراہٹ اور بات کا ہر میں ہاتھ بندھے رکھتے ہیں نہایت نہیں دیکھا کہ ان کا وہ سب  
 سہانے ہیں کہ خدا عالم الغیب ہے اور ان کے دلوں کی باتیں جانتا ہے لیکن اس کے باوجود وہ اپنے  
 ۲۶۹



خواہشات کا اظہار غفلتوں میں، شکل میں کرتے رہتے ہیں۔ میں نے کچھ اصول مقرر کئے ہیں اللہ  
انہی میں سے ایک یہ اصول بھی ہے کہ میرے بندے اپنی خواہشات کا اظہار یا آواز بلند زبان  
سے غفلتوں میں کریں۔ پھر نہایت پر شکوہ انداز میں کہا: "ہاں تو اسے معصوم اور چلیلی لڑکی! اسے  
بتا کہ مجھ سے کیا چاہتی ہے؟" بنو قریظہ نے ہر گئی، "اور سنبھل کے بولی: "لیکن میں یہ چاہتی ہوں کہ پہلے خداوند مجھے اس  
بات کا یقین دلا دیں کہ وہ میری درخواست رد نہیں کریں گے؟"  
مفتی نے کہا: "میں تیری درخواست رد نہیں کروں گا، تو یقین رکھ۔"  
بنو قریظہ نے کہا: "میرے چچا کے بیٹے لیث کو رہا کر دیا جائے۔"  
مفتی کچھ پریشان ہو گیا لیکن پھر فراموشی سے بھلی ہو کر بولا: "سب سے تم اس سے محبت کرتی تھیں  
اور وہ بھی کتنے چاہتا تھا۔ خیر اب تو اپنے خداوند کے علی میں ہے اس لئے مجھے اس سرکش کو قید کر  
نہیں رکھنا چاہیے۔" پھر پوچھا: "وہ کل رہا کر دیا جائے گا، اور کچھ؟"  
"اور یہ کہ؟" بنو قریظہ نے کہا: "لیث میرے چچا کا بیٹا ہے، اس سفر میں جا کر  
ہوں کہ اس سے ایک اور اعلیٰ ملاقات میں کر لوں۔"

مفتی بخشش و صلہ پر مانی تھا بولا: "یہ بھی ہو جائے گا اور کچھ؟"  
بنو قریظہ نے خوشی کے بستر پر گر گئی اور مفتی کیف دوستی سے سرشار اس کے برابر جا بیٹھا۔

دوسرے دن صبح مفتی کے خاص خدمت کا لیث کو لے کے بنو قریظہ کی خدمت میں حاضر  
ہو گئے۔ لیث کو کچھ پتہ نہ تھا کہ اسے کیوں اور کہاں لے جایا جا رہا ہے لیکن جب اسے اپنا ایک بنو قریظہ  
ساتھ لے کر آیا گیا تو وہ حیرت و پریشان میں یہ بھی نہ سمجھ سکا کہ وہ مفتی کے خاص علی میں ہے یا  
کبھی معمولی جگہ پر۔ بنو قریظہ نے خدام کو باہر چلے جانے کا اشارہ کیا۔ جب وہ چلے گئے تو وہ علی  
اطمینان کے لئے بادی بادی ان تمام دروازوں پر گئی جو اس کے کمرے میں کھلتے تھے۔  
وقت مفتی اپنی دوسری بیویوں کے پاس گیا ہوا تھا۔ بنو قریظہ کو جب ملکی تھلے کا یقین ہو گیا  
تو اس نے لیث کو ایک گوشے میں لے جا کے مغفوم نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا: "کیا تم  
یہ معلوم ہے کہ اس وقت تم قیدی نہیں ہو اور تم وہاں کئے جا چکے ہو؟"  
لیث سمجھا بنو قریظہ اس سے مذاق کر رہی ہے، بولا: "بڑا! میں زندگی سے عاجز آچکا ہوں۔"

بے مزہ دستاؤ: بنو قریظہ نے ہر گئی، "لیکن میں یہ چاہتی ہوں کہ پہلے خداوند مجھے اس  
بات کا یقین دلا دیں کہ وہ میری درخواست رد نہیں کریں گے؟"  
مفتی نے کہا: "میں تیری درخواست رد نہیں کروں گا، تو یقین رکھ۔"  
بنو قریظہ نے کہا: "میرے چچا کے بیٹے لیث کو رہا کر دیا جائے۔"  
مفتی کچھ پریشان ہو گیا لیکن پھر فراموشی سے بھلی ہو کر بولا: "سب سے تم اس سے محبت کرتی تھیں  
اور وہ بھی کتنے چاہتا تھا۔ خیر اب تو اپنے خداوند کے علی میں ہے اس لئے مجھے اس سرکش کو قید کر  
نہیں رکھنا چاہیے۔" پھر پوچھا: "وہ کل رہا کر دیا جائے گا، اور کچھ؟"  
"اور یہ کہ؟" بنو قریظہ نے کہا: "لیث میرے چچا کا بیٹا ہے، اس سفر میں جا کر  
ہوں کہ اس سے ایک اور اعلیٰ ملاقات میں کر لوں۔"

تمہاری رہائی کے لئے بہت تری قیمت ادا کی ہے۔ آج تم یہاں سے چلے جاؤ گے۔  
اور سسکیاں لینے لگی: "اور کچھ پتہ نہیں کہ ہم اپنی زندگی میں ایک دوسرے سے کبھی دوبارہ  
ملاقات کیسے کریں گے یا نہیں؟" وہ آنسو پونچھنے لگی کہ تو اسے دھڑکا کہ کہیں کوئی نہ آجائے۔ لیث  
کہادت کی: "تم واپس جا کے خوش و غم رہنے کی کوشش کرنا۔"

لیث نے پوچھا: "کیا تم یہیں رہو گی۔" کی میں واقعی رہا کر دیا جاؤں گا؟"  
بنو قریظہ علی کے جواب دیا: "کیا قید اور محبت کی برابری نے تم سے قوت یقین یقین کی ہے؟"  
لیث نے انفرنگ سے کہا: "بھئی ہوئی بیعت میں یقین اور شک کھلی کیوں تلاش کرتی ہو بنو قریظہ؟"  
بنو قریظہ نے کہا: "خیر یہ بیگاری بائیں میں، آج اور ابھی تم یہیں سے چلے جاؤ گے اس تم بتاتے  
تو تم باؤ گے کہاں؟"

لیث نے جواب دیا: "بغداد چلا جاؤں گا اور دربار اہل سنت والبرہم جاؤں گا۔"  
بنو قریظہ نے کہا: "خیال تو ٹھیک ہے لیکن اگر ممکن سمجھ تو بحر خور کے کنارے بزرگی میں رہنے  
کوشش کرنا ہو سکتا ہے سبھی ہم مدلوں کی دیدار ملاقات ہو جائے حالانکہ بغیر یہ ناممکن فطرت  
ہے۔"

لیث نے پیچھے نظروں سے بنو قریظہ کو دیکھا، پوچھا: "کیا تم نے میری رہائی کے عوض...؟"  
بنو قریظہ نے اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا: "ہاں لیکن اب اسے دہرانے سے کوئی فائدہ نہیں۔"  
لیث اس سے کچھ اور پوچھنا چاہتا تھا لیکن بنو قریظہ نے مالی بیکار کے غلام کو طلب کر لیا۔ اس  
نے مذموم کہادت کی: "دیکھو انھیں کش کے تھلے سے نکال دیا جائے اور انھیں زار راہ میں اتار دیا جائے۔"  
اسے لایا جائے کہ راستے میں کوئی پریشان نہ اٹھانی پڑے۔"

خدام نے تعجب میں اپنے سر قبا کر دیے اور زار راہ میں کھانے پینے کے سامان کے  
خلافہ سونے کے تھلے کے بھی دے دیے کہ ضرورت کے وقت وہ ان کے غرض قیمتی چیزیں حاصل کر کے  
اس سامان میں وہ تیز رفتار مشکی گھوڑا بھی شامل تھا جس پر بیٹھ کے وہ کش کے تھلے سے باہر نکلا۔  
لیث کے چلے جانے کے بعد وہ چھوٹ چھوٹ کر روئے لگی اور کان ذیبر دینے کے بعد  
جب دل کا رنج توڑ دیا گیا ہوا تو وہ چند کینڑوں کو لے کے علی سے چھٹے حصوں میں گھومتے پھرنے لگی  
السنے ایک کمرے میں ایک زبردست بھٹی کو سٹلے دیکھا اور اس کمرے میں گھونٹوں میں مختلف  
جزی برشیاں تیزاب اور بارہ رکھے تھے۔ اس نے کینڑا سے پوچھا: "یہ بھٹی یہاں کیوں روشن ہے  
بھالان اسٹیا کا یہاں کیا کام ہے؟"  
"کینڑے جواب دیا: "خداوند کے راز خداوند ہی جان سکتے ہیں، میں کیا بتا سکتی ہوں کہ ان کا  
غرض کیا ہے؟"



اُسی دن دوپہر کے ذوالبد سمانے کی پہاڑی پر مقنع کے بڑا دل پرستار کھڑے ہو گئے ایک دن پہلے خداوند مقنع نے ان سے وعدہ کر لیا تھا کہ وہ دیدار عام کر دے گا اگہ اس کے چہرے کی شہری آفتاب اتر دی جائے گی۔ اس کی رہائش کا بڑا دروازہ بند تھا اور اس کے مشاققان خداوند کی بجلی کے متغیر کھڑے تھے۔ ان کے سڑل سے خدا کی پہچان گہری لڑائی پر آفتاب چمک تھا۔ مقنع کے پرستاروں کا جوش دیدل تھا۔

ذوالبد آہستہ آہستہ دروازہ کھلنے لگا اور اس کے ساتھ ہی اندر سے اتنی تیز روشنی خارج ہوئی شہر دھار ہو گئی جیسے سورج طلوع ہو رہا ہو۔ پرستاروں کی آنکھیں نہرہ جھومنے لگیں پھر دروازہ سے دونوں بڑے بڑی تیزی سے کھول دیئے گئے اور دروازے کے کھلتے ہی ہزاروں آدمیوں نے یہ غریب یہ سیکڑوں سورج مقنع کے کمرے میں اتر آئے ہل اور ان کی چمک اور حدت سے گھبراہٹ ہوئے اور اپنی آنکھیں بند کر لیں اندھ جیٹھے لگے۔ "ہیں خداوند! تم نے پہلے جو کچھ بتایا تھا آج ہم سب ایمان لے آئے ہیں! ہم مر جاتے ہیں، ہماری آنکھیں بہہ جا رہی ہیں! میں خداوند ہوں!"

اور اس درخواست کے ساتھ ہی کمرے کا بلند دیوار دروازہ آہستہ آہستہ بند ہونے لگا پھر پوری طرح بند ہو گیا، خداوند کے پرستار اپنی بے بسی اور عبودیت کے اظہار کے لئے سجدوں کی اور خداوند مقنع ایک شانِ ملکوت سے ان کے دربارِ عہدہ پر گیا، بولا: "میں نے بندہ وار میں ہمارا ہولناک برائیاں ہو، شاید تم نے یہ خبر سن لی ہے کہ عباسی فوجیں ہیں تباہ و برباد کرنے کے لئے بغداد سے جا رہی ہیں، لیکن میری ذات پر جو خدا میں ہے، انھیں یہ یقین کر لینا چاہیے کہ اس جنگ میں فرشتے جی جی فوجیں لڑنے کے لئے زمین پر آجائیں گے۔"

مقنع کی آواز ادھر ادھر کی پہاڑیوں سے ٹکرائے والی آہی تھی اور یہ ایک ایسی آواز تھی جس نے اس کے پرستاروں میں غضب کا جوش و خروش پیدا کر دیا تھا۔

اُدھر سے غارِ نابوک کے ٹھکانا مقنع غور سے پاس پہنچا اور دریافت کیا: "کیا تیرا چہرہ رہا کر دیا گیا ہے؟"

بنو قنس نے جواب دیا: "جی خداوند!"

مقنع نے ہنس کے کہا: "یہ تیرا؟ نہایت معمولی خواہش تھی، خیر اب تو تو خوش ہے؟"

بنو قنس نے جواب دیا: "بہت خوش ہوں خداوند! پھر دریافت کیا: "خداوند اگر مجازت دے تو میں اُن سے ایک سوالیہ جملہ لوں؟"

مقنع نے ذرا سکوت اختیار کیا، بولا: "ہاں، لیکن وہ ایک ایسا سوال ہو، جس میں تیرا کوئی نہ شامل ہو!"

بنو قنس نے کہا: "کیا عربوں نے واقعی کشمیری صحرے کر لیا ہے؟"

"ہاں!" مقنع نے غصے سے کہا: "وہ کہتے ہیں خداوند خود کو خدا نہ کہے، کھلیا کر گزیر کر ممکن ہے؟" بنو قنس نے دریافت کیا: "پھر خداوند نے انھیں کیا جواب دیا؟"

مقنع نے کہا: "میں نے ان سے کہہ دیا ہے کہ تم مجھے اس وعدے اور اس ایمان سے باز نہیں رکھ سکتے۔ میں خدا ہوں۔ تمام جہانوں کا خدا۔ تم میرا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ میں فرشتوں کی ایک جماعت بھیج کر تمہیں تباہ و برباد کر دوں گا!"

بنو قنس کو مقنع کی باتوں میں مزہ آیا تھا، پھر سوال کیا: "پھر عربوں نے کیا کہا؟"

مقنع نے جواب دیا: "وہ کہتے ہیں کہ میرا ذلیل محاصرہ کر لیں گے، کشمیر کے باہر سے آئے اور بے سامان اور مدکورک دیں گے!"

"اگر عربوں نے واقعی ایسا کر دیا تو پھر خداوند کیا کریں گے؟"

"عربوں کو دروازہ پر اور پڑاؤ کی خشک اور نفوس مٹانوں میں فصلیں کھڑی کر دیں گے!"

"خوب!" مقنع نے نرمی سے کہا: "یہ تو کئی اچھی بات ہے، لیکن کیا اس تذبذب سے عربوں نے اپنے کام سے ہٹ کر دیکھتے تھے؟ اسی طرح میں بھی ان گمراہوں کو گناہ راست پر لانے کی کوشش کروں گا اور اگر یہ اس وقت بھی یہی رہے جیسے ہیں تو پھر میں ان سے ایک مہیبت اور پھیلاؤ تک چمک کر دیں گا!"

مقنع کی بے شمار بیویاں تھیں اور اسی طرح بے شمار اولادیں بھی تھیں۔ زمر مقنع کا خادم خاص بن گیا تھا۔ بنو قنس اس محل سے غور کو ہم آہنگ نہیں کر سکی۔ وہ کہیں کہیں زمر کو گڑھا جھلک بھی دیتی لیکن زہرہ اس کی باتیں برداشت کر جاتا کہ بنو قنس کو کافی معمولی لڑکی نہیں تھی اور وہ خداوند مقنع کی سب سے زیادہ چھیتی بیوی تھی اور اس کا بھی احترام کرنے پر مجبور تھی۔ زمر جب یہ کہتا کہ: "اسے خود اہم کتنی خوش قسمت ہو کر اس وقت تم خداوند کی سب سے چھیتی بیوی ہو اگر کہیں تم مجھ سے یا ایست سے منسوب کر دی جاؤ تو تمہارے خدا کے میں رہتیں!"

بنو قنس نے جواب دیا: "میں جھوٹے اعزاز کی کبھی بھی خواہش مند نہیں رہی!"

عربوں نے محاصرہ تک کرنا شروع کر دیا۔ سامان رسد رکھنے لگا۔ قلعے میں چھپنے ہوئے لوگوں کو پریشانیوں نے ستایا تو وہ اندر سے ٹوٹنے لگے اور انھیں جب تب یہ آواز سنائی دینے لگی کہ:

"اس پریشانی میں خداوند فرشتوں کو کیوں نہیں طلب کرے؟"

مقنع انھیں جواب دیتا: "میں انھیں کیوں نہ رکتا دوں؟ میری اپنی ہی فوج اتنی بڑی ہے کہ مسلمان اس کا مقابلہ نہیں کر سکیں گے!"

اس طرح کچھ وقت اور گزر گیا اور حالات اُن کے سے نازک تر ہوتے چلے گئے!

مقنع اپنے ذمہ و مقربین بارگاہ اور بیویوں کے ساتھ بیٹھا شراب پی رہا تھا۔ چٹنے کے دوران



وہ ہمیشہ اس بات کا خیال رکھتا تھا کہ وہ اتنی پستے کرے ہوش نہ ہو جائے۔ اس عالم میں اسے خیر و شر کا  
 مسائل کا تاحد دربار میں باریاں کا خواہشمند ہے۔ مقنع نے حکم دیا: "اُسے اسی وقت اور ابھی  
 حاضر کیا جائے۔"

سورسہ نامہ کو اسی وقت مقنع کے دربار پہنچا دیا گیا۔ مقنع نے بے نیازی سے سوال کیا  
 "تو یہ ان کی کیا ہے؟"

سورسہ نامہ اس کے حوالے پر لکھا دیا۔ مقررہ بولہ: "اگر تو واقعی خدا سے تو میرا یہ سوال مفہوم خیر  
 ہے، تو خود ہی کہیں میرے پاس کیوں آیا ہوں؟"

مقنع نے ناخوشگوار لہجے میں کہا: "تم ناراض لوگ باتوں میں قیمت وقت خوب ضائع کر لیتے ہو  
 تیرا درگاہ مقصد سے جواب دیا: "وقت میں نہیں، تم ضائع کر رہے ہو کیونکہ بڑے بڑے خود خدا ہونے کے  
 باوجود میری آمد کا مقصد جاننے کے لئے باتوں میں وقت ضائع کر رہے ہو۔"

مقنع نے نرمی سے کہا: "تم نامد ہر، تمہیں صاف کیا جاتا ہے درہنہ تیری تیرا دربان تمہارا  
 زندگی کی دشمن ہے؟"

قاصد نے ترکی برتری کہا: "میں تیرے پاس جب آیا ہوں تو میں نے اپنے جیسے کی خواہش باہر  
 رکھی ہے تو تیری حق؟"

مقنع نے سوال کیا: "تو کیا چاہتا ہے؟"

قاصد نے ہنسنے ہوئے کہا: "امیر المؤمنین کا حکم ہے کہ تم عزت اور الوہیت کے دعوے سے  
 توبہ کر کے اللہ کے پاس حاضر ہو جاؤ اگر ایسا نہیں کرو گے تو ان کی افواج تمہیں زبردستی پکڑ کے لے  
 جائیں گی۔"

مقنع نے غصے میں چیخ کر کہا: "اسے اسی وقت قلعے سے دفنان کر دو۔ ایک ضعیف انسان  
 خدا کو مشورہ دے رہا ہے۔ رب عالم کو گرفتاری کی دھمک دے رہا ہے۔ پھر خدا کو پیغام دیا: "تم  
 خدا اور اس جانکے اپنے خلیفہ سے کہہ دو کہ وہ مجھ پر ایمان لے آئے درہنہ پھر اپنے عبرتناک اُغبام  
 کے لئے تیار رہے؟"

قاصد واپس چلا گیا اور مقنع اپنے پرستاروں کو حکم دیا: "ایک طویل اور عبرت ناک جنگ  
 کی تیاری کی جائے۔"

مقنع کا حکم پورے کیش میں آنا نانا پھیل گیا اور عربوں کے خلاف جنگ کی تیاریاں ہونے  
 لگیں۔

جیسے جیسے عربوں کی طرف سے عمار سے میں سختی اور تنگی آن جا رہی تھی، بوندہ خوش ہو رہی  
 تھی کہ نیکو سے یقین تھا کہ لیت اس لشکر میں ضرور موجود ہو گا اور وہ اسے پہاڑی دھنسنے کی کوششیں

عربوں نے کش کے پاس اپنی کتابیاں تان کر لیں تھیں۔ اس طرح وہ مقنع اور اس کے  
 پرستاروں کا کامیاب محاصرہ کرتا جا رہے تھے اور ان پر زندہ کی تنگ کر دینا چاہتے تھے۔ کش کے لئے

میں تنگی و دشمنی کا دور شروع ہو گیا اور مقنع ایک تنہی مصیبت میں گرفتار ہو گیا۔ اُس نے اس نئی مصیبت حال  
 کو ناپید ہو چاہا، نہ تھا۔ اس کے جن پرستاروں کو کھانے پینے کا سامان نہیں مل رہا تھا وہ لوگ

مقنع سے مناجات کے انداز میں یہ درخواست کر رہے تھے کہ خداوند اعلیٰ سولوں کے دھم دھم پر کیوں فخر  
 ہے اور وہ اپنی مخلوق کے لئے کبھی کے اندھی اشیائے زینت کیوں نہیں پیدا کر دیتا؟ اور ان کا خداوند

کیوں جواب دیتا کہ افسوس اس نے نظام کائنات کو چلانے کے لئے جو امر کی وضع کر دی ہے اس میں ان  
 کو تفریق نہیں کی جا سکتی۔

عمار سے کو دو سال گزر گئے۔ مہدی عباسی نے عمار سے کے سپر سالار کو اس بنا پر واپس  
 بلایا کہ وہ اس مسئلے پر بہت زیادہ وقت ضائع نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اس نے اس منصب پر

مہدی الرشیدی نامی سپر سالار کو بھیج دیا۔ سعید الجرجانی نے آتے ہی سرگرمی دکھائی شروع کر دی۔  
 مقنع کے پرستاروں پر اب سرعہ حیات آنا تنگ ہو چکا تھا کہ نوبت فاقوں تک پہنچ گئی۔

اس نے اس نازک موقع پر اپنے بھائی قزوم کو طلب کیا مگر قزوم نہیں آیا۔ اس نے مشتعل ہر کے  
 ہر کو حکم دیا: "قزوم سے کہو، اچھے میدان میں بجلی کے جنگ کوسنے کی تیاری کرے؟"

قزوم نے سر ہلکے جواب دیا: "افسوس کہ قزوم اپنے تئیں ہزاروں ساتھیوں کے ساتھ سولوں  
 کی نوب میں چلا گیا اور اپنے ہتھیار ان کے حوالے کر کے خود کمان کی حراست میں رہے دیا۔"

مقنع کے ہوش و حواس جیسے رہے اچھے میں بولا: "خداوند عذاباً؟"  
 کچھ دیر ساک دھک کے اس نے ظہیر کو بلایا حکم دیا: "میرے تین ہزار آٹھ سو اٹھ عسکریوں کو

حاضر کیا جائے جو جنوں اور دیوانوں میں پناہ لے کر رہتے ہیں۔ میں یہ جنگ اچھے کے لئے لڑوں گا۔"  
 ظہیر نے ایک بار پھر گردن جھٹکی اور آہستہ سے جواب دیا: "میرے لوگ بھی غزنیوں کی پناہ میں

رہ چکے ہیں۔"  
 مقنع جیسا کہ کیا جانتے ہو، کیا ان سب نے اپنے خداوند کو تنہا چھوڑ دیا؟ کیا یہ سب منکرین

اور کافروں میں شامل ہو گئے؟  
 مقنع نے آہستہ سے درخواست کی: "اب ہی صورت، باقی رہ گئی ہے کہ خداوند اپنے فرشتوں

کو طلب فرمائیں اور یہ جنگ ان کی مدد سے لڑی جائے؟"  
 مقنع نے جواب دیا: "بے شک تیرا خیال درست ہے ہمیں شام کی اور تاوان انسانوں



پر اعتماد نہیں کرنا چاہیے۔ ہم عربوں کو اپنے فرشتہ نگار کی مدد سے ایسی شکست دیں گے کہ انہیں  
 ہمیشہ یاد رکھنے کا۔ یہ نافرمان اور غصہ دار لوگ جن پر سرے فرشتوں سے نہیں بچ سکیں گے۔  
 مقنع نے زہیر کو حکم دیا کہ وہ بھی جو کسی کیمیاں تجربوں میں کام آتی رہا ہے بہت  
 زیادہ بھر کا دی جائے۔

زہیر نے اس پر پوری دناداری اور مستعدی سے عمل کیا اور بھٹی کو بہت زیادہ بھر کا دیا گیا۔  
 شراب کے شے دد تک رکھے ہوئے تھے اور اس پال میں مقنع تنہا بیٹھا تھا۔ بوقت  
 اس ہوا سر انسان کو ایک جگہ چھپ کے دیکھ رہی تھی۔ مقنع اس کی خفیہ موجودگی سے بالکل لاعلم تھا  
 بوقت نے دیکھا مقنع نے کھڑکی کے ایک صندوق سے بہت سا مسعود نکالا اور باری بار سے  
 شرابوں میں گھولنا چلا گیا۔ بوقت کو حیرت زدہ کر دیا کہ یہ مسعود کہاں سے اور اسے شراب میں کیوں ڈال رہا  
 ہے۔ اس کے بعد مقنع نے تالی بانی جس کے برہن میں زہیر لندہ داخل ہوا۔ مقنع نے اسے حکم دیا  
 کہ جہاں وہ میری بیویوں کو مطلع کر دے کہ ان کا خداوند خداوند فرشتوں کی قربت لینے کے لئے ایک کھول  
 سفر بردار ہو رہا ہے لیکن جہاں سے پہلے وہ یہ جانتا ہے کہ اپنی بیویوں اور بچوں کے ساتھ  
 بھٹکے شراب میں ہے۔

زہیر تیار میں گھون رہا کہ باہر چلا گیا اور تھوڑی ہی دیر میں اس کی ساری اولادوں  
 ساری بیویاں اس ہال میں داخل ہوئیں جن میں ان میں بوقت بھی موجود تھی۔ مقنع نے ان سب کے  
 پیالوں میں شراب لندہ کی اور باری باری ہر ایک کو دینا چلا گیا۔ جب ہر ایک کے ہاتھ میں جام  
 گیا تو اس نے کھڑے ہو کر ایک جھوٹی سی تقریر کی۔ اس نے کہا  
 میرے خلوت کہوں کہ حسین تیلو! تمہارے خدا نے آج تمہیں اس لئے زحمت دلا  
 ہے کہ تم اس کی حیات ابدی کا ایک ایک جام نوش کرنا اور نادان اور خداؤں نے میرا ساتھ  
 چھوڑ دیا اب میں اس امر پر مجبور ہو گیا ہوں کہ آسمانوں کا سفر اختیار کروں اور وہاں سے فرشتوں  
 کی فوج سے دوبارہ واپس آؤں اور اپنے مخالفین کو کھل کے فتح و کامرانی حاصل کروں۔  
 پوچھا: تم میں سے کون میرا مسافر بننا پسند کرے گا؟

کئی بیویوں نے اس کی جھڑپی پر آمادگی کا اظہار کر دیا اور چند نے یہ کہا کہ وہ خداوند  
 کا یہ ہیں، تمنا کریں گے!

مقنع نے بوقت سے پوچھا: تو کیا کہتی ہے؟  
 بوقت نے جواب دیا: میں خداوند کے استقبال کے لئے میں موجود رہوں گی۔  
 مقنع نے پر شور بھیاں بک قبیلہ لگایا اور سب کو حکم دیا کہ مسیحیہ حیات جہادوں کی فوج  
 میں اپنے اپنے جام پر شراب سے لگا رہے۔

بوقت کے سوا سب ہی نے مقنع کی دی ہوئی شراب معلق کے نیچے اتار لی۔ لیکن بوقت نے  
 شراب پینے کے بجائے اپنے گریبان میں انڈیل لی اور اوندھے منہ اس طرح میٹ گئی گویا اسے  
 میں راحت تھی۔ بوقت نے ارادہ کھلی آنکھوں سے دیکھا کہ تمام پینے والوں پر سبکدوش کا عالم طاری  
 ہے۔ بوقت لرز گئی۔ اسے ممان پر چل چکا تھا کہ وہ مسعود جو شراب میں ڈالیا گیا تھا، اسی  
 اس کے والدین بھی اس کے سامنے شراب ہی دے رہے تھے لیکن اس میں اتنی ہمت نہ تھی کہ اٹھیں  
 اور کہتی وہ دونوں بھی شراب پی کر گئے۔ اور موت کی چمکیاں لینے گئے۔

اب اس ہال میں مقنع اور زہیر کے علاوہ کوئی بھی نہ تھا۔ زہیر کا بھی ایک شراب کا  
 پیالہ نہیں دیا گیا تھا۔ مقنع نے زہیر کے پوچھا کیا یہ درست ہے کہ تو اپنی میرے دشمنوں سے  
 دل جلتے کا ارادہ رکھتا ہے؟

زہیر نے صفائی پیش کی: نہیں خداوند! میں بے گناہ ہوں اور خداوند سے عیندگی  
 لاپسے دل میں خیال نہ رکھتا۔

مقنع نے کہا: اگر ایسی بات ہے تو انہار پروردیت اور عجز کے لئے مجھ سے میں گرجاؤں  
 اور آسمانوں سے اپنے ذات پر گئی ہوں اس گناہوں نے الزم کو دھڑکا دیا۔

زہیر اسی وقت مقنع کے قدموں میں سجدہ کر رہا تھا۔ مقنع نے اپنی گھر سے لگی ہوئی تلوار نکالی  
 اور پوری قوت سے اس کی گردن پر رسید کی، زہیر کا جسم سبک ہو گیا اور بے سرو کلاش  
 باہر سے آب کی طرح پھرنے لگا۔ بوقت نے جھٹکے بڑا حال تھا وہ ڈری کہ کہیں وہ بیویوں کی بغضیں  
 ٹوٹیں ہوا اس کے پاس نہ آجائے لیکن وہ نہیں آیا۔ پھر اس نے دیکھا، مقنع اور خداوند کچھ دیکھ  
 رہا ہے وہاں اس کے سوا کوئی نہ تھا۔ اس ناممکن شے کے لئے میں میں دو جا خدا رکھے، ایک تو خود مقنع  
 اور دوسری بوقت۔ لیکن مقنع کے خیال میں وہاں بس ایک ہی جا خدا موجود تھا یعنی وہ خود۔ بوقت  
 تو اس کے خیال میں سرچکی تھی۔ مقنع کے دونوں ہاتھ اپنی سسہری نقاب کی طرف جڑے اور اسے  
 چہرے سے اکڑایا۔ اس کا منہ چہرہ دیکھ کے بوقت کی طرح ٹھٹھکے رہ گئی۔ مقنع کا ہوا چہرہ  
 پچھلیک کے نشانات اور گڑبھوں سے داغدار تھا اور اس کی ایک آنکھ میں بڑی سی پٹلی نظر آ رہی تھی  
 اس نے سوچا کہ یہ ہے وہ خداوند جو اپنے مکروہ چہرے کو چھپانے کے لئے ہر وقت سسہری نقاب  
 چڑھائے رکھتا تھا۔

مقنع نے آخری بار زہیر پر اسے نظر ڈالی اور گویا مرنے والی عورتوں کو غماز کیا۔  
 تھے روتی عورت! تم نے میری حیات جہادوں کا جام کیا نوش کیا کہ خود اپنا کشتہ حیات شقیق  
 کر دیا۔ اب میں سکون سے فوج لگا۔ میں نہیں چاہتا تھا کہ میری بیویاں عربوں کے ہاتھ لگیں۔  
 اگر میں یہ جی نہیں چاہتا کہ میری لاش عربوں کے ہاتھ لگے۔ میں اپنے پرستاروں کے خیال



میں آسمان پر سجاد ہوں، جہاں میں اپنے فرشتگان کی فرج تیار کروں گا اور دنیا میں دو بارہ  
نازل ہوں گا اور اپنے فرشتوں کی مدد سے منافقین کا خاتمہ کروں گا اور یہ ایک ایسا فتنہ ہو گا  
جو اسے انسان قیامت تک پہنچانے کے لیے لگاؤ گا۔ اس کے بعد معنی نے ہاں کی قیامت کی خبر  
دیکھا اور خدا کو مخاطب کیا: "اودھا! تو نے مجھے بد شکل پیدا کیا اور اس کے بعد میری بد شکل میں  
طرح مزید اضافہ کیا کہ چھپانے میری شکل بہت زبارہ بھیجا تک کر دی، تو نے میری ایک آنکھ کو  
بصارت چھپانے کے، اس میں مزید بدلتا کے لئے عقل پیدا کر دی۔ میں نے بھی تیرے اس عمل  
کا یہ بدلہ لے لیا کہ قیامت تک کے لئے تیری خدائی میں شریک نہ کیا ہوں یہ ایک بھر پور اور خطرناک  
دار تھا جو ایک کرور اور جبرائیل انسان اپنے ظالم خدا پر کرسکتا تھا!"

اس کے بعد اس نے غراں آکر دیکھا کہ ایک ہی اور ایک کی جہنم کی طرف  
بڑھا۔ بڑھنے کی ساری تیز تیز جگہ تھیں۔ معنی نے بھی ان کے قریب پہنچنے کے بعد اوجر اور دیکھا کہ  
خود بھی میں کر دی۔ جھٹی کے آتشیں شعلے، بہت سارے ناگوں کی طرح سرخ سرخ دنیا میں  
نکلے آئے تھے اور معنی کو چٹ کر گئے اور خدائی کا دعویدار معنی خود اپنے ہی جہنم میں دھنسنے  
پہنچ گیا...

اور وہ نے قتلے میں داخل ہونے کی کوشش کی تو قلعے کی واحد زندہ عورت بڑھنے  
ان کے سامنے تھیں کہ دروازے کھول دینے کی یہ شرط رکھی کہ اسے معنی کے خزانے سے دس  
ہزار طلائی کے بطور انعام دیے جائیں اس طرح وہ اپنی بقیہ زندگی اور اس کے متنبین کو مصروف  
پا جاتی تھی۔

عرب سردار نے یہ دیکھ کر کہ وہ قلعے کا وعدہ کرنا تو بڑھنے ہی قلعے کے دروازے کھول دیا  
عرب سردار معنی کی کوشش کو بڑھنے بطور خام اس عمل میں لے گئی جہاں معنی کی پوری مردہ چڑی تھی  
اور اسے وہ بھی دکھائی جس نے معنی کو جہنم کر لیا تھا۔ اس نے عرب سردار کو مرنے سے پہلے  
کے سارے واقعات میں بتائے اور یہ بھی بتایا کہ معنی کتنا مکروہ عورت انسان تھا اور اس نے  
خدائی کا دھوکہ کیوں دیا تھا۔ اس نے عرب سردار کو وہ جہت بھی دکھایا، جہاں ایک دن  
معنی نے خود کو بے نقاب کر کے اپنے پرستاروں کی آنکھوں میں چکا چوند پیدا کر دی تھی۔ یہاں  
کی دیواروں میں بہت سارے آئینے اس طرح پرستار تھے کہ دروازہ کھلتے ہی ان کا رخ سوجھ  
طرف ہو جاتا تھا۔ اور سوجھ بے شمار آئینوں سے منکس ہونے کے دیکھنے والوں کی نظر میں غیر  
پیدا کر دیتا تھا۔ عرب سردار نے بڑھنے کو دس ہزار طلائی کے ادا کر دیے اور اس سے پرچھا  
اور کیا چاہتی ہے؟

بڑھنے نے کہا: "میں عرب لشکر میں ایک ایسے سپاہی کو تلاش کرنا چاہتی ہوں جس کا نام

یث ہو۔  
تلاش و جستجو کے دوران اسے کئی یث ملے لیکن بد قسمتی سے ان میں سے اس کا یث  
نہیں نکلا۔ عرب سردار اس کو اس باختر عورت کی حرکات و سکنات سے اسے غم پا گئی کھنے لگا تھا  
بڑھنے کے چہرے پر یاروسی کے اثرات دیکھنے کے عرب سردار نے پوچھا: "اب تم کیا چاہتی ہو؟"  
بڑھنے نے یاروسی سے جواب دیا: "مجھے بڑھنے کے ساحلی قلعے کو گھر پہنچا دیا جائے  
کیونکہ وہ میرا وطن ہے اور میں اپنی بقیہ زندگی وہیں گزارنا چاہتی ہوں۔"

عرب سردار نے اس دکن اور سوگوار عورت کو ایک ذہبی دھتے کی حفاظت میں اس  
دن دوران کر دیا۔ وہ اپنے وطن میں ایک اجنبی کی طرح داخل ہوئی۔ اب اس کے گھر پر کسی تاجر  
نے قبضہ جما رکھا تھا۔ ایک امیدوار ہر کے سہارے وہ قلعے سے ہوتی ہوئی فوجی دستے کی معیت  
میں بڑھنے کے کنارے چلی گئی۔ وہاں ایک پہاڑی چٹان کے راستے میں سمندر کی سرکس اور جھاگ  
الٹان موانع کے سامنے ایک شخص کی نظر میں پڑے بیٹھا تھا۔ اس کے سامنے بہت سارے کپڑے  
اس اشعار میں پڑے تھے کہ انھیں ساحل پر پھینک جانے والی سرکس سمندر کی امواج کب  
دوبارہ ساحل پر آئیں اور ان کی کڑوں کو دوبارہ سمندر میں واپس لے جائیں۔

